اَخلاقِ نبوی ﷺ کے سُنہرے واقعات

عبدالمالک مجُاہد

دار السلام
DARUSSALAM

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ

www.KitaboSunnat.com

اخلاقِ نبوی ﷺ

کے سنہرے واقعات

دارُالسّلام
کتاب وسنّت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب فون: 4043432-4033962 1 00966 فیکس: 4021659
info@darussalamksa.com riyadh@darussalamksa.com
www.darussalamksa.com

- الریاض۔ العلیا۔ فون: 4614483 01 فیکس: 4644945
- الملز فون: 4735220 01
- سویلم فون: 2860422 01
- مندوب الریاض: موبائل: 0503459695
- قصیم (بریدہ): فون/فیکس: 3696124 06 موبائل: 0503417156
- مکہ مکرمہ: موبائل: 0502839948

مدینہ منورہ فون: 8234446 04 فیکس: 8151121
موبائل: 0504296740
جدہ فون: 6879254 02 فیکس: 6336270
الخبر فون: 8692900 03 فیکس: 8691551
ینبع البحر فون/فیکس: 3908027 04
خمیس مشیط فون/فیکس: 2207055 07

شارجہ فون: 5632623 6 00971 امریکہ ہوسٹن: 7220419 713 001 ■ نیویارک: 6255925 718 001
لندن فون: 4885 539 208 0044 آسٹریلیا فون: 4040 9758 2 0061

پاکستان ہیڈ آفس و مرکزی شوروم

36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور

فون: 37232400-37240024-37324034 42 0092 فیکس: 37354072 موبائل: 0322-8484569
Website: www.darussalampk.com E-mail: info@darussalampk.com

- غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون: 37120054 فیکس: 37320703 موبائل: 0321-4439150
- Y-260 بلاک کمرشل ایریا، فیز III ڈیفنس، لاہور فون: 35692610 موبائل: 0321-4212174

کراچی مین طارق روڈ، (D.C.HS / 110,111-Z) ڈالمن مال سے (بہادر آباد کی طرف) دوسری گلی، کراچی
فون: 34393936 فیکس: 34393937 موبائل: 0321-2441843

اسلام آباد F-8 مرکز، اسلام آباد فون/فیکس: 2281513 موبائل: 0321-5370378

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ

اَخلاقِ نبوی ﷺ

کے سُنہرے واقعات

تالیف

عبدالمالک مُجاھد

دارالسلام
DARUSSALAM

کتاب وسُنّت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

ریاض • جدہ • شارجہ • لاھور • کراچی
اسلام آباد • لندن • هیوسٹن • نیویارک

بسم الله الرحمن الرحيم

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے۔

© مكتبة دار السلام، ١٤٣٤هـ
فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
مجاهد، عبدالمالك
قصص واقعية في أخلاق النبي صلى الله عليه وسلم باللغة الأردية.
عبدالمالك مجاهد. الرياض، ١٤٣٤هـ
ص: ٣٥٧، مقاس ١٧ x ٢٤ سم
ردمك: ٢-٢٥٩-٠٠٠-٦٠٣-٩٧٨
١- السيرة النبوية أ. العنوان
ديوي ٢٣٩ ١٤٣٤/٩٠٢٦

رقم الإيداع: ١٤٣٤/٩٠٢٦
ردمك: ٢-٢٥٩-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨

عرض مؤلف

سیرت سرورعالم سدا بہار موضوع ہے۔ ایسا موضوع جس کی خوشبو سے مسلمان کبھی سیر نہیں ہوتے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی سیرت مطہرہ پر صدیوں سے لکھا جارہا ہے اور قیامت تک لکھا جاتا رہے گا۔ ہر مؤلف اپنے اپنے انداز میں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ محبت اور پیار کا اظہار کرتا ہے اور ان کی سیرت پاک کے مختلف پہلو نمایاں کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ بلاشبہ سیرت پاک پر مختلف زبانوں میں زمانہ قدیم سے آج تک ہزاروں کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کی مبارک زندگی کے ہر پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے۔ آپ کی مبارک زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جسے سیرت نگاروں نے بیان نہ کیا ہو۔ جہاں تک اللہ کے رسول ﷺ کے اخلاق عالیہ کا تعلق ہے تو اس بارے میں اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنی مقدس کتاب میں خود ارشاد فرمایا ہے:

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ (القلم: 4)

''اور آپ یقیناً اعلی اور عظیم اخلاق والے ہیں''۔

قارئین کرام! اخلاق کے معانی بے حد وسیع ہیں۔ تمام اچھی صفات کے مجموعہ کا نام اخلاق ہے۔ دنیا کے انسانوں میں پائی جانے والی تمام اعلی وارفع صفات کو جمع کیا جائے اور پھر ان کا اللہ کے رسول ﷺ کی مبارک زندگی کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ یہ تمام صفات اور خوبیاں اللہ کے رسول ﷺ کی ذات بابرکات میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔

یاد رکھیے! کسی بھی قوم، امت، گروہ یا شخصیت کے بارے میں جاننا ہو کہ اس کے اخلاق کیسے ہیں تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس کا برتاؤ اپنے ساتھیوں کے ساتھ، رشتہ داروں، دوستوں، گھر والوں، ہمسایوں اور مخالفین کے ساتھ کیسا تھا۔ سب سے پہلے اس کے اخلاق کے بارے میں معلوم کیا جاتا ہے۔ جہاں تک اللہ کے رسول ﷺ کا تعلق ہے تو ان کی تربیت خود اللہ تعالیٰ نے فرمائی تھی۔ آپ کا تزکیہ اس خوبصورت انداز میں فرمایا کہ آپ ﷺ اس کائنات میں سب سے اعلیٰ اخلاق والے بن گئے۔

سیرت کے حوالے سے قرآن وحدیث اور کتب سیرت وتاریخ میں بے شمار معلومات اور واقعات ملتے ہیں۔ ان واقعات میں اللہ کے رسول ﷺ کے اخلاق کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ راقم الحروف نے جب اخلاق نبوی کو مدنظر رکھتے ہوئے سیرت پاک کا مطالعہ شروع کیا اور آپ کے اخلاق کے حوالے سے سنہرے واقعات کو جمع کرنا شروع کیا تو بہت سارے واقعات ملتے چلے گئے۔

یہ وہ سنہرے واقعات ہیں جن سے ہمیں آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کے بارے میں راہنمائی ملتی ہے۔

میں نے متعدد بار ایسی کسی کتاب کی تلاش کی جس میں اخلاق نبوی کے جملہ واقعات کو ایک جگہ جمع کیا گیا ہو۔ متعدد علماء سے بھی یہی یہ سوال کیا مگر ہر بار مجھے یہی جواب ملا کہ اخلاق کے حوالے سے واقعات تو ضرور ملتے ہیں لیکن یہ واقعات ایک ہی جگہ اکٹھے نہیں ملتے؛ چنانچہ اللہ کی توفیق سے میں نے نیت کی کہ

اخلاق نبوی ﷺ کے سنہرے واقعات کوخود ہی ایک جگہ جمع کروں اور پھران واقعات کو سادہ انداز میں لکھ کر عامۃ الناس کے سامنے رکھوں اور ان سے کہوں: دیکھیں یہ تھے ہمارے پیارے رسول ﷺ۔

سید ولد آدم حضرت محمد ﷺ کا اخلاق کیسا تھا۔ میں اپنے پیارے قارئین سے کہوں گا: اپنے پیارے رسول ﷺ کی مبارک زندگی کے واقعات پڑھیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ حسن خلق کسے کہا جاتا ہے۔ میری خواہش ہے کہ میں اخلاق نبوی کے ان واقعات کومختلف زبانوں میں ترجمہ کر کے شائع کروں۔ غیر مسلموں کو یہ کتاب پیش کر کے کہوں: آؤ دیکھو! مسلمانوں کے قائد، ان کے رسول، ان کے ہادی، ان کے مرشد کیسے تھے؟ ان کا اخلاق وکردار کیسا تھا؟ ان کا حسن تعامل معاشرے کے ہر طبقہ کے ساتھ کتنا شاندار اور عمدہ تھا۔

اس کتاب میں اخلاق نبوی ﷺ کے ایک سو سنہرے واقعات کو جمع کیا گیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ان کے علاوہ بھی بہت سارے واقعات کتابوں میں موجود ہیں جنہیں اس کتاب میں جمع کیا جانا چاہیے تھا اور میں اپنی علمی کمزوری کے سبب اور کتاب کی ضخامت کی وجہ سے انہیں لکھ نہ سکا۔ ورنہ کتنی مرتبہ ایسا ہوا کہ سیرت کی کسی کتاب کو پڑھنا شروع کیا تو کئی واقعات ایسے سامنے آتے چلے گئے جن کو اس کتاب میں درج کیا جا سکتا تھا۔

میں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی ہے کہ اس کتاب میں کوئی من گھڑت، موضوع، ضعیف یا خودساختہ واقعہ درج نہ ہو پائے۔ دارالسلام کی اعلی روایات کے مطابق اس کتاب میں ان شاء اللہ صرف انہی واقعات کو شامل کیا گیا ہے جو صحیح ہیں اور ان کا تذکرہ مستند کتابوں میں ہے۔ بشری کمزوریاں بہرحال اپنی جگہ ہیں اور کمال صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کی اکیلی ذات کے لیے ہے۔ اس لیے اگر اس کتاب میں کوئی ایسا واقعہ غلطی سے درج ہو گیا ہو جس کی سند درست نہیں اور وہ

ضعیف ہے تو میں قارئین کرام سے عرض کروں گا کہ وہ اس کے بارے میں ضرور مطلع کریں۔ ان شاء اللہ آئندہ اشاعت میں اسے نکال دیا جائے گا۔

اخلاق نبوی کے 100 سنہرے واقعات کی چھان بین اور انہیں اشاعت کے آخری مرحلہ تک لانے میں دارالسلام لاہور اور ریاض کی علمی کمیٹی کے ساتھیوں نے میرے ساتھ بھر پور تعاون کیا ہے۔ بعض واقعات کی نشاندہی متعدد علمائے کرام نے بھی کی۔ میں نے جولکھا اس کی لاہور برانچ کے علماء نے خوب تحقیق و تخریج کی۔ زبان و بیان کی بہتری، عبارات کی تصحیح اور کتاب کی نوک پلک سنوارنے کے سلسلے میں محترم محسن فارانی نے اس پر کام کیا۔ پاکستان کے ممتاز عالم دین پروفیسر مزمل احسن شیخ صاحب نے بھی پوری کتاب کو میری فرمائش پر شروع سے آخر تک پڑھا اور بعض گراں قدر مشوروں سے نوازا، میں اس محبت کے لیے ان کا شکر گزار ہوں۔

محترم قاری محمد اقبال عبدالعزیز نے حسب دستور ان واقعات کو متعدد بار پڑھا۔ خود میں ان کے ساتھ کتاب کے تمام مراحل میں شریک رہا۔ ہم دونوں کتاب کے الفاظ کو مزید عام فہم اور آسان بناتے رہے۔ اس عنایت کے لیے میں محترم قاری محمد اقبال صاحب کا نہایت شکرگزار ہوں۔ میری دیگر کتابوں کی طرح اس کتاب کی بھی خاص خوبی یہ ہے کہ اس کو نہایت آسان اور تقریری انداز میں لکھا گیا ہے۔

اللہ کے فضل وکرم سے اور اس کی توفیق سے ان شاء اللہ اس کتاب کو دنیا کی کم از کم دس زبانوں میں ترجمہ کر کے شائع کیا جائے گا تا کہ ہم دیگر اقوام کو بھی

اللہ کے رسول ﷺ کے اخلاق کے حوالے سے آگاہ کر سکیں۔ ان شاء اللہ مجھے یقین ہے کہ اس کتاب کو پڑھ کر بہت سے لوگ مسلمان ہوں گے اور اسلام کے بارے میں ان کی غلط فہمیاں دور ہوں گی۔

معزز قارئین! ایک بات آپ کو ذہن نشین کرانا چاہوں گا کہ انبیائے کرام کی زندگیوں کا ایک مشترک اور روشن پہلو یہ بھی ہے کہ وہ دنیا کے عام قائدین کی طرح نہ تھے کہ لوگوں کو تو وعظ و نصیحت کر دی مگر خود اس پر عمل نہ کیا۔ انبیائے کرام سب سے پہلے اپنے کہے ہوئے پر خود عمل کرتے تھے یہ وہ نفوس قدسیہ تھے جو لوگوں کو جتنا بتاتے اس سے کہیں زیادہ خود اس پر عمل کرتے تھے۔ آپ ﷺ میں بھی یہ خوبی بدرجہ اتم پائی جاتی تھی کہ آپ ﷺ نے اپنی امت کو جو تعلیم دی اس پر سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھایا۔

قارئین کرام! یہ نہایت نا مناسب ہوگا کہ میں اپنی اہلیہ محترمہ حافظہ انیسہ فردوس کا شکریہ ادا نہ کروں اور اس کو اپنی دعاؤں میں شامل نہ کروں جس نے ہمیشہ لکھنے کے لیے مجھے بڑا خوبصورت ماحول فراہم کیا، میری تحریروں کو پڑھا، میری حوصلہ افزائی کی، ان کو سراہا اور مفید مشورے دیے۔ آپ کی دعاؤں اور مشوروں کا طالب، آپ کا بھائی، خادم قرآن وسنت:

عبدالمالک مجاہد
دارالسلام۔ ریاض' سعودی عرب
جون 2013ء

فہرست عناوین

نمبر شمار　موضوع .... صفحہ نمبر

نمبر شمار ..... موضوع ..... صفحہ نمبر

نمبر شمار	موضوع	صفحہ نمبر



01

آپ جیسی ہستی کو اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کیا کرتا

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ محترمہ تھیں۔ یہ خاتون اول نہایت زیرک، سمجھدار اور معاملہ فہم خاتون تھیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملنے سے پہلے یہ عرصہ پندرہ سال سے آپ کی زوجیت میں تھیں۔ جب شادی ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچیس سال تھی۔ یہ عظیم خاتون آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر دکھ سکھ کی ساتھی تھیں۔ وہ اپنے شوہر نامدار کی خلوت اور جلوت کے لمحات کو اچھی طرح جانتی اور پہچانتی تھیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر غار حرا میں تاج نبوت رکھا گیا تو یہ کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔



مکہ مکرمہ۔ غار حرا کا ایک منظر جبل نور پر واقع اس غار میں اللہ کے رسول پر پہلی وحی نازل ہوئی۔

جب جبریل امین علیہ السلام پہلی وحی لے کر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت غار حرا میں مشغول عبادت تھے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے: پڑھیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: ''میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔'' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: فرشتے نے مجھے پکڑ کر زور سے دبایا جس سے مجھے بڑی تکلیف ہوئی، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا



اور کہا: پڑھیے۔ میں نے کہا: ''میں پڑھا ہوانہیں ہوں۔'' اس نے دوسری بار مجھے زور سے پکڑ کر دبایا، حتی کہ مجھے شدید تھکاوٹ کا احساس ہوا، پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا: پڑھیے۔ میں نے کہا: ''میں پڑھا ہوانہیں ہوں۔'' تیسری بار پھر ایسا ہی ہوا۔ اس نے کہا:

﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ﴾

''اپنے رب کا نام لے کر پڑھیے جس نے پیدا کیا''

﴿خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ﴾

''اس نے انسان کو ایک جمے ہوئے خون سے پیدا کیا''

﴿اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ﴾

''پڑھیے اور آپ کا رب ہی سب سے زیادہ کرم کرنے والا ہے''

﴿الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ﴾

''وہ جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا''

﴿عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾

''اس نے انسان کو وہ علم دیا جسے وہ جانتا نہ تھا''

> "
> فرشتے نے مجھے پکڑ کر زور سے دبایا جس سے مجھے بڑی تکلیف ہوئی، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا: پڑھیے۔ میں نے کہا: ''میں پڑھا ہوانہیں ہوں۔''

وحی کا آنا، فرشتے کا ایک بار نہیں تین بار زور سے دبانا اور اس سے آپ ﷺ کو تکلیف ہونا، یہ نہایت غیر معمولی واقعہ تھا۔ آپ ﷺ کو اس سے خاصی گھبراہٹ ہوئی۔



غار حرا کا ایک منظر

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ وحی کی آیات پڑھتے ہوئے گھر کو چلے تو گھبراہٹ کے باعث آپ ﷺ کے شانے لرز رہے تھے۔ گھر پہنچے تو دکھ سکھ کی ساتھی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حسب سابق خندہ روئی سے استقبال کیا۔ ارشاد ہوا: (زَمِّلُونِي ...... زَمِّلُونِي) ''مجھے چادر اوڑھا دو...... مجھے چادر اوڑھا دو۔'' (زَمِّلُونِي) کے معنی لحاف اوڑھانا بھی کیا گیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ پر کپکپی طاری تھی، چنانچہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو لحاف یا چادر اوڑھا دی اور جب خوف دور ہوا تو آپ ﷺ نے سیدہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''خدیجہ! مجھے کیا ہو گیا ہے؟'' پھر انھیں پورا واقعہ سنایا اور فرمایا:

(لَقَدْ خَشِيتُ عَلَى نَفْسِي) ''درحقیقت مجھے تو اپنی جان کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔''

> ''
> مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو، خدیجہ! مجھے کیا ہو گیا ہے؟ مجھے تو اپنی جان کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔۔۔

اب سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی دانائی اور سمجھداری ملاحظہ فرمائیے۔ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑے خوبصورت الفاظ میں تسلی دی، کہنے لگیں:

(كَلَّا وَاللّٰهِ! مَا يُخْزِيكَ اللّٰهُ أَبَدًا) ''ہرگز نہیں اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔'' کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ جیسی ہستی کو ضائع نہیں کیا کرتا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ صفات کا تذکرہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمدہ اخلاق کی گواہی دی کہ آپ تو رشتے جوڑتے ہیں، ہمیشہ سچ بولتے ہیں، عاجز لوگوں کے بوجھ اٹھاتے ہیں، فقیروں اور ناداروں کو کما کر دیتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور ناگہانی آفات میں متاثرین کی مدد کرتے ہیں۔ صحيح البخاري، حديث: 3، و صحيح مسلم، حديث: 160۔



قارئین کرام! ذرا اوپر لکھی ہوئی ایک ایک خوبی پر غور کریں کہ رشتوں کو آپس میں ملانا اور جوڑنا کتنا عمدہ کام ہے۔ سچ بولنا، لوگوں کا بوجھ اٹھانا، مہمان نوازی کرنا، لوگوں کی آفات میں مدد کرنا تمام کے تمام عمدہ اور اعلیٰ اخلاق ہیں۔ یاد رکھیے کہ آپ کے بدترین دشمنوں نے بھی آپ کو کبھی بددیانت یا جھوٹا نہیں کہا۔

مکہ مکرمہ میں لوگ آپ کو نام سے کم اور صفات سے زیادہ جانتے تھے۔ وہ آپ کو صادق اور امین کے القاب سے جانتے پہچانتے اور پکارتے تھے، کہتے تھے: صادق آ گیا، امین آ گیا۔ اسی لیے کافروں نے عطائے نبوت کے بعد بھی آپ کو براہ راست جھوٹا نہیں کہا۔ قرآن کریم نے اس کی شہادت یوں دی:

﴿فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَٰكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ﴾

''یقیناً یہ آپ کو نہیں جھٹلاتے مگر یہ ظالم اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں''۔

الأنعام 33/6

02

تم آجاؤ، سو اونٹ ملیں گے

حنین کی جنگ میں مشرکین کی فوج کا سردار مالک بن عوف النصری تھا۔ بنوہوازن سے تعلق رکھنے والا یہ کمانڈر بنوثقیف کے تعاون سے پچیس ہزار کے لشکر کے ساتھ حنین کے میدان میں اترا۔ یہ شخص بلاشبہ بہت بڑا شجاع اور بہادر تھا۔ اس کا احترام اس درجہ تھا کہ اس نے جب یہ فیصلہ سنایا کہ پوری قوم اپنے ساتھ اپنے مال، مویشی، عورتیں اور بچے بھی لے کر میدان جنگ میں آئے تو لوگوں نے اس کی بات کو تسلیم کرلیا۔ اس کے مؤقف کی مخالفت بھی کی گئی مگر اس کے باوجود یہ اپنی بات پر ڈٹا رہا۔ اس کا مؤقف تھا کہ ہمارے فوجیوں کو معلوم ہوگا کہ ہم نے اسی میدان میں ڈٹے رہنا ہے، راہِ فرار اختیار نہیں کرنی کیونکہ جن کے پاس بھاگ کر جانا ہے وہ تو ہمارے پاس ہیں۔ اگر اس کی فوجی تنظیم اور ترتیب کو دیکھا جائے تو وہ بڑی کامیاب تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ کے آغاز میں مسلمانوں کے قدم اکھڑ جاتے ہیں اور وہ بھاگنے لگتے ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل وکرم تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ کی شجاعت اور بہادری کی بدولت بھاگتے ہوئے مسلمان لوٹ آئے اور جم کر لڑائی کی جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب کی۔ بنوثقیف اور بنوہوازن بھاگ اٹھے۔ ان بھاگنے والوں میں اس فوج کا کمانڈر مالک بن عوف بھی تھا۔ وہ بھاگ کر طائف میں بنوثقیف کے قلعے میں محفوظ ہوگیا۔ اسی دوران میں اس کے قبیلے بنوہوازن نے اسلام لانے

کے بارے میں سوچا اور رحمۃ للعالمین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کی عورتیں اور بچے واپس کر دیے۔

قارئین کرام! ذرا غور کیجیے، ایک کمانڈر جو میدان جنگ میں بری طرح شکست کھا چکا ہو، اس کی کیا حالت ہوتی ہے۔ وہ لوگوں کو منہ دکھانے کے قابل نہیں ہوتا۔ مالک بن عوف کی حالت یہ ہے کہ اپنے قبیلے سے الگ بنو ثقیف کے رحم و کرم پر ہے، نہ اس کے پاس مال و متاع ہے، نہ قبیلے کے افراد ہیں۔ اسے بنو ثقیف سے بھی ڈر ہے کہ وہ اسے حنین کی جنگ میں ہزیمت کا ذمہ دار ٹھہرا کر قتل نہ کر دیں۔

قارئین کرام! یہ مالک بن عوف ہے جو شکست خوردہ کمانڈر ہے، کسی کو شکل دکھانے کے قابل نہیں۔ لوگ اس سے نفرت کر رہے ہیں کہ اس کی وجہ سے شکست ہوئی، مگر ایک شخصیت ایسی بھی ہے جو اس کے لیے خیر خواہانہ سوچ رکھتی ہے۔ اس کے ساتھ ہمدردی اور بھلائی کے جذبات رکھتی ہے۔ یہ شخصیت اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ آپ نے مالک بن عوف کی قوم کے افراد سے پوچھا: ''مالک بن عوف کہاں ہے؟'' انھوں نے بتایا: وہ طائف کے قلعے میں ہے۔ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے۔ وہ نہایت خوف زدہ اور اپنے مستقبل سے پریشان ہے۔



اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

(أَخْبِرُوا مَالِكًا أَنَّهُ إِنْ أَتَانِي مُسْلِمًا) " مالک کو اطلاع دو کہ اگر وہ مسلمان بن کر میرے پاس آجائے تو" (رَدَدْتُ عَلَيْهِ أَهْلَهُ وَ مَالَهُ) " میں اس کے اہل وعیال اور مال اسے واپس کردوں گا"۔

(وَأَعْطَيْتُهُ مِائَةً مِّنَ الْإِبِلِ) "اور اسے سو اونٹ بھی دوں گا۔"

قارئین کرام! کیا کوئی اپنی جان کے دشمن کے ساتھ اس قسم کے سلوک کا سوچ بھی سکتا ہے؟ کیا اس فوج کا کمانڈر جس نے حال ہی میں فتح حاصل کی ہو، اپنے دشمن کے بارے میں ایسی مثبت سوچ رکھ سکتا ہے؟ یہ ہمارے پیارے رسول ﷺ کا اخلاق تھا کہ آپ دشمن کو بھی سینے سے لگا رہے ہیں۔



طائف کے علاقے میں موجود بنوثقیف کے قلعے کے آثار

مالک بن عوف کو جب اللہ کے رسول ﷺ کا پیغام ملا تو گویا یہ اس کے دل کی آواز تھی جس مصیبت اور پریشانی سے وہ دوچار تھا، اس کا حل یہی تھا کہ وہ اسلام قبول کر لے۔ چنانچہ وہ فوراً طائف سے اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور اسلام قبول کرتا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کا اخلاق دیکھیے کہ آپ نے اس پر کوئی شرط عائد نہیں کی۔ اسے ملامت کی نہ برا بھلا کہا اور نہ کوئی سوال وجواب کیا بلکہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس کے تصور سے بڑھ کر اچھا سلوک کیا۔ مالک بن عوف کو دوبارہ بنو ہوازن کا سردار مقرر کیا جاتا ہے اور اسے طائف کو فتح کرنے کی ذمہ داری سونپی جاتی ہے۔

السيرة النبوية لابن هشام :134/4، والإصابة: 550/5، 551، وأسد الغابة: 38/5، والسيرة النبوية لمهدي رزق الله: 600، والبداية والنهاية: 632/4، 633.

کون ہے جو اس غلام کو خریدے؟!

اللہ کے رسول ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ آپ نے ایسے عام آدمی کو بھی عزت اور وقار عطا فرمایا جسے معاشرے میں کوئی خاص اہمیت حاصل نہ تھی۔

بنو اشجع عربوں کے مشہور قبیلہ بنو غطفان کی ایک شاخ ہے۔ یہ قبیلہ زمانہ قدیم سے مدینہ طیبہ کے اطراف میں آباد تھا۔ اس قبیلے کا ایک بدوی زاہر بن حرام رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ سے کچھ فاصلے پر رہتا تھا۔ یہ نہایت غریب شخص تھا، شکل وصورت میں بھی زیادہ خوبصورت نہ تھا مگر اس کی ایک اہم خوبی یہ تھی کہ یہ اللہ کے رسول ﷺ سے بہت محبت کرتا تھا اور اللہ کے رسول ﷺ بھی اس سے خوب محبت کرتے تھے۔



عربوں کی روایتی تجارتی اشیا

زاہر بن حرام اشجعی جب بھی مدینہ طیبہ آتا تو اللہ کے رسول ﷺ کے لیے کچھ دیہاتی تحفے، مثلاً: تازہ سبزیاں، پھل، ستو، شہد وغیرہ لے کر آتا۔ زاہر جب واپس جانے لگتا تو اللہ کے رسول ﷺ بھی اسے شہری سوغاتیں دے کر رخصت فرماتے۔ ایک دن تو اللہ کے رسول ﷺ نے زاہر کو ایک ایسا اعزاز عطا فرمایا جو

غالبًا کسی اور صحابی کے حصے میں نہیں آیا۔ ارشاد فرمایا: ''زاہر ہمارا دیہاتی دوست اور ہم اس کے شہری دوست ہیں۔''

ذرا حدیث کے الفاظ پر غور فرمائیں:

(إِنَّ لِكُلِّ حَاضِرَةٍ بَادِيَةً وَبَادِيَةُ آلِ مُحَمَّدٍ زَاهِرُ بْنُ حَرَامٍ)

''یقیناً ہر شہری خاندان کا ایک دیہاتی دوست ہوتا ہے اور آل محمد کا دیہاتی دوست زاہر بن حرام ہے۔''

معجم الصحابة لأبي القاسم:292/2.

> “ آپ ﷺ نے اپنے دیہاتی دوست کو دیکھا تو آپ نے پیچھے سے جا کر اس کی آنکھوں پر اپنے مبارک ہاتھ رکھ دیے۔

زاہر سیدھا سادہ آدمی تھا۔ شہری آداب سے ناواقف تھا۔ جب اپنے گاؤں سے آتا تو اپنے ہمراہ لائی ہوئی سوغاتیں لے کر بازار ہی میں کسی جگہ کھڑا ہو جاتا اور بیچنا شروع کر دیتا۔ پرانے زمانے سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ دیہات سے جب کوئی شخص سبزیاں، پھل وغیرہ لے کر آتا ہے تو لوگ بھاگتے ہوئے اس کے اردگرد اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ انھیں تازہ سبزیاں مل جاتی ہیں جو عموماً سستی ہوتی ہیں۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ زاہر اپنے ہمراہ کچھ دیہاتی سوغاتیں لے کر مدینہ طیبہ کے بازار میں آیا اور ایک جگہ کھڑا ہو کر انھیں بیچنے لگا۔ اس کی قسمت اچھی تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ بھی بازار میں تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ نے اپنے دیہاتی دوست کو دیکھا تو آپ نے پیچھے سے جا کر اس کی آنکھوں پر اپنے مبارک ہاتھ رکھ دیے۔

قارئین کرام! آگے بڑھنے سے پہلے ذرا غور کیجیے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا اخلاق کتنا بلند و بالا

ہے۔زاہرایک عام سا آدمی ہے مگراس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اس سے محبت فرماتے ہیں اور یہ بھی اللہ کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ایک ارشاد ہے:

(ابْغُونِي ضُعَفَاءَكُمْ) ''مجھے اپنے کمزور لوگوں میں تلاش کیا کرو۔'' اور پھر مزید ارشاد فرمایا: (فَإِنَّمَا تُرْزَقُونَ وَتُنْصَرُونَ بِضُعَفَائِكُمْ) ''تمھیں ان کمزوروں اور ضعیفوں کی بدولت رزق اور فتح حاصل ہوتی ہے''۔

قارئین کرام! ذرا تصور کیجیے کہ زاہر کی آنکھوں پر اللہ کے رسول ﷺ کے ریشم سے زیادہ نرم و نازک اور عنبر و گلاب سے زیادہ خوشبودار ہاتھ ہیں۔ پہلے تو وہ گھبرایا۔ وہ گھبراہٹ کے عالم میں کہہ رہا ہے: کون ہے بھئی؟ میری آنکھوں پر کس نے ہاتھ رکھ دیے ہیں؟ لیکن جب اس نے اللہ کے رسول ﷺ کے مبارک ہاتھوں کی نزاکت کو محسوس کیا اور آپ ﷺ کی خوشبو سونگھ لی تو اسے معلوم ہو گیا کہ اس کے پیچھے تو کائنات کے امام کھڑے ہیں۔ اس نے موقع غنیمت جانا اور اپنی پشت کو اللہ کے رسول ﷺ کے سینے سے ملنا شروع کر دیا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے محبت بھرے انداز میں فرمایا: ''لوگو! کون ہے جو اس غلام کو خریدے؟''

زاہر نے بھی محبت بھرے انداز میں عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ مجھ جیسے کالے کلوٹے دیہاتی کو کوئی خرید کر کیا کرے گا۔ وہ تو بڑے خسارے کا سودا کرے گا۔ میری تو قدر و قیمت ہی کوئی نہیں۔ میں تو بے کار آدمی ہوں۔ آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا: ''پیارے! ایسا نہ کہو، کیا تمھیں کسی نے کہا ہے کہ تمھاری کوئی قدر و قیمت نہیں؟ تم اللہ کے ہاں بیکار نہیں ہو۔ تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرنے والے ہو، اس لیے تم اللہ کے ہاں بڑے قیمتی ہو۔''[1]

[1] صحيح ابن حبان: 107/13، و شرح السنة: 181/13، و جمع الوسائل في شرح الشمائل: 29/2.

04

آئندہ ایسا کرو گے تو نتیجہ بھگت لو گے



یمن کے تاریخی شہر زبید کے آثار کی ایک تصویر

مکہ مکرمہ زمانۂ جاہلیت میں بھی تجارت کا بڑا مرکز تھا۔ لوگ دور دور سے اپنے سامان تجارت کے ساتھ اس مقدس شہر میں آتے۔ ابوجہل بن ہشام نہ صرف کفر کا سرغنہ تھا بلکہ وہ رسہ گیر بھی تھا جس کو جی چاہتا ذلیل کر دیتا، مارتا، پیٹتا یا اس کے کاروبار کو نقصان پہنچاتا۔ اس کے دل و دماغ میں فرعونیت بھری ہوئی تھی۔ ''زبید'' یمن کا بڑا شہر ہے۔ وہاں کے رہنے والوں کو زبیدی کہا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ ایک زبیدی اپنے تین بہترین اونٹوں کے ساتھ مکہ مکرمہ کے بازار ''حزورہ'' میں آتا ہے۔ اس نے انھیں فروخت کے لیے پیش کیا۔ لوگ انھیں دیکھ رہے ہیں، بڑے خوبصورت اور مہنگے اونٹ، ہر کسی کی نگاہوں کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔ اتنے میں مکہ مکرمہ کا یہ بڑا چودھری ابوجہل بھی آ جاتا ہے۔ اس نے اونٹوں کو دیکھا تو اسے بڑے پسند آئے۔

ابوجہل نے زبیدی کو پکارا: ارے او زبیدی! کتنے دام لو گے؟ زبیدی ایک لمبا سفر کر کے آیا تھا۔ اسے امید تھی کہ ان اونٹوں کی فروخت سے اسے ایک بڑی رقم مل جائے گی۔ اس نے اپنی خواہش اور توقع کے مطابق دام بتا دیے۔ ابوجہل نے شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا اور کہا کہ اتنی زیادہ رقم۔ سنو! جو تم

نے دام طلب کیے ہیں، میں ان کا صرف تیسرا حصہ دوں گا۔ بولو: سودا منظور ہے؟

زبیدی بڑی آس اور امید لے کر آیا تھا۔ مطلوبہ قیمت کا صرف تیسرا حصہ! اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ میں تو منافع چاہتا ہوں اور مجھے یہاں خسارے کا سودا کرنے کے لیے کہا جا رہا ہے۔

قارئین کرام! وہ ماحول ہی ایسا تھا۔ ابوجہل نے اونٹوں کی جو قیمت لگائی تھی، اس کی خبر فوراً پورے بازار میں پھیل گئی۔ سب کو معلوم ہو گیا کہ زبیدی نے اس کم قیمت پر اونٹ بیچنے سے انکار کر دیا ہے۔ ابوجہل کا خوف اور ڈر ہر کسی کو تھا۔ اب لوگ ڈر رہے ہیں کہ اگر ہم نے ابوجہل سے بڑھ کر قیمت لگائی تو وہ ناراض ہو جائے گا اور اس کی ناراضی کا مطلب یہ ہے کہ رسوا ہونا پڑے گا، لہٰذا اس کی ناراضی کے ڈر سے کوئی اونٹ خرید نہیں رہا۔ انھیں ناقابل فروخت بنا دیا گیا۔ زبیدی نے کچھ دیر انتظار کیا کہ شاید اس کے اونٹ بک جائیں مگر کوئی گاہک ابوجہل کی ناراضی کے ڈر سے انھیں خریدنے کے لیے تیار نہیں ہوا۔

اس کا رخ اب اس رحیم ورؤوف کی طرف ہے جو اعلیٰ اخلاق والے ہیں۔ جس کی کوئی مدد نہیں کرتا' وہ اس کی مدد کرتے ہیں۔ آپ ﷺ سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا عمر فاروق اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کے ہمراہ مسجد حرام میں تشریف فرما ہیں۔

بنوزبید کا یہ شخص آپ ﷺ کے پاس آتا ہے اور دہائی دیتا ہے: قریش کی جماعت! بھلا تمھارے پاس مال کیسے آئے گا؟ تجارتی قافلے تمھاری طرف کیسے آئیں گے؟ کوئی تاجر تمھارے پاس کیسے مقیم ہو گا؟ جو

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ

تمھارے پاس حرم میں آ جاتا ہے، تم اس پر ظلم کرتے ہو۔

یہ شخص پہلے قریش کے مختلف حلقوں کے پاس اپنی فریاد سنا چکا تھا مگر تمام نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔

اللہ کے رسول ﷺ نے اس سے پوچھا: (مَنْ ظَلَمَكَ؟) ''تجھ پر کس نے ظلم کیا ہے؟'' زبیدی نے بتایا کہ ابوجہل نے مجھ پر ظلم کیا ہے، پھر اس نے پوری تفصیل کے ساتھ سارا واقعہ آپ ﷺ کے گوش گزار کر دیا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے پوچھا: (أَيْنَ أَجْمَالُكَ؟) ''تمھارے اونٹ کہاں ہیں؟''

زبیدی کہنے لگا کہ وہ ابھی ''حزورہ'' ہی میں ہیں۔

> ابوجہل نے آپ ﷺ کو دیکھا تو شدید مرعوب ہو گیا۔ اس میں ہمت اور جرأت ہی نہ رہی کہ وہ آپ ﷺ کے سامنے کوئی بات کر سکے۔

آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو اپنے ہمراہ چلنے کا اشارہ کیا اور ان کے ساتھ اونٹوں کی طرف گئے۔ زبیدی کے اونٹ واقعی بڑے خوبصورت اور حسین وجمیل تھے۔ زبیدی سے پوچھا: ان کی کتنی قیمت لو گے؟ اس نے جو قیمت بتائی آپ نے وہ سودا منظور کر لیا اور اسے قیمت ادا کر دی۔

تھوڑی دیر گزری ہے، اللہ کے رسول ﷺ ان خریدے ہوئے اونٹوں کو فروخت کر رہے ہیں۔ گاہک آ کر دیکھ رہے ہیں اور تھوڑی دیر کے بعد ان میں سے دو اونٹوں کا سودا ہو گیا ہے۔

جانتے ہیں کتنی قیمت پر؟ جتنی قیمت آپ نے تین اونٹوں کی زبیدی کو ادا کی تھی اتنی قیمت میں دو اونٹوں کو فروخت کر دیا گیا ہے۔

اب منافع میں ایک اونٹ بچ گیا۔ تھوڑی دیر گزری، اس کا بھی گاہک آ گیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اسے بھی فروخت کر دیا ہے۔ اور جو رقم آپ ﷺ کو ملی ہے آپ نے وہ بنو عبدالمطلب کی بیواؤں کو دے

دی ہے۔

زبیدی کو اس کا حق مل گیا ہے، اس کے اونٹ اس کی مرضی کی قیمت پر فروخت ہو گئے ہیں۔

مگر اس بڑے مجرم کو سبق تو سکھانا ہے، اسے بتانا ہے کہ دوبارہ اس قسم کی حرکت نہ کرے۔ ابوجہل اسی بازار میں خاموش چپ چاپ بیٹھا ہوا ہے۔ وہ کسی سے کوئی بات نہیں کر رہا ہے۔ سوچ رہا ہو گا کہ سوائے محمد ﷺ کے کون ہے جو میرے مقابلے میں آنے کی جرأت کر سکتا۔

اللہ کے رسول ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے اور اسے ڈانٹتے ہوئے خبردار کیا:

(يَاعَمْرو! إِيَّاكَ أَنْ تَعُوْدَ لِمِثْلِ مَاصَنَعْتَ بِهٰذَا الْأَعْرَابِيِّ فَتَرٰى مِنِّي مَاتَكْرَهُ)

''اے عمرو! دوبارہ اس طرح نہ کرنا جس طرح تم نے اس دیہاتی شخص کے ساتھ کیا ہے ورنہ تم میری طرف سے وہ کچھ دیکھو گے جسے تم ناپسند کرتے ہو۔''

ابوجہل نے آپ ﷺ کو دیکھا تو شدید مرعوب ہو گیا۔ اس میں ہمت اور جرأت ہی نہ رہی کہ وہ آپ ﷺ کے سامنے کوئی بات کر سکے۔ جب آپ نے اسے متنبہ کیا تو فوراً کہنے لگا: اے محمد! میں دوبارہ کبھی ایسا نہیں کروں گا۔

اللہ کے رسول ﷺ واپس تشریف لے گئے ہیں۔ بازار میں امیہ بن خلف اور وہ مشرکین جو اس وقت وہاں موجود تھے، ابوجہل کے پاس آئے ہیں۔ کہہ رہے ہیں: ابوالحکم! تمھیں کیا ہو گیا؟ ارے تم تو محمد کے سامنے بالکل مرے جا رہے تھے۔ کیا تم ان کی پیروی کرنا چاہتے ہو یا ان کا رعب اور دبدبہ تم پر طاری ہو گیا تھا؟ ابوجہل ان کی بات کے جواب میں کہہ رہا ہے: اللہ کی قسم! میں کبھی ان کی پیروی نہیں کروں گا۔ ان کے روبرو میری عاجزی اس وجہ سے تھی کہ میں نے ان کا جادو دیکھ لیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ان کے دائیں بائیں کچھ آدمی ہیں جن کے پاس نیزے ہیں۔ انھوں نے وہ نیزے مجھ پر تان لیے تھے۔ اگر میں محمد ﷺ کی مخالفت کرتا تو وہ نیزے میرے بدن میں گھونپ دیتے۔ ①

---

① أنساب الأشراف: 1/146-147، و سبل الهدى والرشاد: 2/420.

05

دشمن جاں پر مہربانی و نوازش

غزوہ بدر 17 رمضان المبارک 2 ہجری کو ہوا جس میں اللہ رب العزت نے قریش کو شکست سے دوچار کیا۔ مکہ مکرمہ کے باسی بدر کے معرکے کا نتیجہ سننے کے لیے بے تاب تھے۔ وہ بہت بے چینی سے لڑائی کی خبروں کے منتظر تھے۔ قریش کے لوگ عموماً بیت اللہ کے صحن میں اکٹھے ہو کر نتائج کے بارے میں قیاس آرائیاں کرتے رہتے۔ بالآخر انتظار کی گھڑیاں ختم ہو ہی گئیں۔ سب سے پہلے جو شخص جنگ کے نتیجے کی خبر لے کر مکہ مکرمہ پہنچا اس کا نام حیسمان بن عبداللہ الخزاعی تھا۔ یہ خود بھی اس جنگ میں شریک تھا۔ اس نے جیسے ہی بیت اللہ کے صحن میں اپنا اونٹ بٹھایا لوگ بے صبری سے اس کی طرف دوڑتے ہوئے آئے: ہاں بھئی! پیچھے کی کیا خبر ہے۔ جنگ کا نتیجہ کیا نکلا؟

حیسمان کہنے لگا: پیچھے کا کیا پوچھتے ہو؟! عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ مارے گئے۔ ابوالحکم بن ہشام اور امیہ بن خلف قتل کر دیے گئے۔ قریش کے لوگوں کی ایک بڑی تعداد کو مسلمانوں نے گرفتار کر لیا ہے۔ اس نے بڑے بڑے سرداروں کا نام لیا۔ جنگ کے مقتولین میں جب اس نے بڑے بڑے اشرافِ مکہ کا نام لیا تو امیہ بن خلف کا بیٹا صفوان جو حطیم میں بیٹھا ہوا تھا، کہنے لگا: اللہ کی قسم! یہ شخص ہوش و حواس کھو بیٹھا ہے۔ اچھا ذرا اس سے میرے بارے میں پوچھو اور کہو:

صفوان بن امیہ کا کیا بنا؟ حیسمان کہنے لگا: لوگو! وہ دیکھو، صفوان تو حطیم میں بیٹھا ہوا ہے مگر میں نے

اس کے باپ امیہ اور بھائی علی کو خود اپنی آنکھوں سے قتل ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ قریش کو یقین آ گیا کہ شکست کی خبر درست ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہر گھر میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔

حیسمان بن عبداللہ الخزاعی جو جنگ بدر میں شریک تھا جیسے ہی اس نے بیت اللہ کے صحن میں اپنا اونٹ بٹھایا لوگ بے صبری سے اس کی طرف دوڑے۔۔۔۔

شکست کی خبر کو چند دن گزر چکے تھے۔ صفوان بن امیہ مکہ مکرمہ کا معروف اسلحہ فروش اور نہایت امیر آدمی تھا۔ اس کا چچا زاد بھائی عمیر بن وہب بڑا چالاک اور شیطان صفت انسان تھا۔ یہ بھی غزوہ بدر میں شریک ہوا تھا، بلکہ مدنی لشکر کی قوت کا اندازہ لگانے کے لیے اسی کو روانہ کیا گیا تھا۔ عمیر نے گھوڑے پر سوار ہو کر لشکر کا چکر لگایا اور واپس آ کر بتایا کہ تین سو سے کچھ زیادہ لوگ ہیں۔ یہ بڑا شرارتی اور فتنہ پرور انسان تھا۔ اسے عرف عام میں قریش کا شیطان کہا جاتا تھا۔

ایک دن صفوان اور عمیر بیت اللہ کے سائے تلے حطیم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ صفوان شدید غصے میں تھا۔ اپنے باپ اور بھائی کے بدر میں قتل ہونے پر اس کا خون کھول رہا تھا اور وہ جوش انتقام میں دیوانہ ہو رہا تھا۔ رہا عمیر تو اس کا بیٹا وہب بدر کے قیدیوں میں شامل تھا اور مسلمانوں کی تحویل میں تھا۔ مقتولین کا ذکر کرتے ہوئے صفوان نے کہا: اللہ کی قسم! ان بزرگوں اور ساتھیوں کے دنیا چھوڑ جانے کے بعد اب جینے میں کوئی مزہ نہیں رہا۔ عمیر نے کہا: سچ کہتے ہو، اگر مجھ پر قرض نہ ہوتا اور یہ خوف نہ ہوتا کہ میرے مرنے کے بعد بچوں کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں تو میں فوراً مدینہ طیبہ جا کر شمع محمد ﷺ کی یہ روشنی گل کر دیتا۔



بدر کے مقام پر واقع تاریخی کنواں

کیاتم واقعی یہ کارنامہ انجام دے سکتے ہو؟ صفوان نے بے قراری سے پوچھا۔ عمیر نے جواب دیا: ہاں بالکل! کیوں نہیں؟ بس ادائے قرض اور میرے بچوں کی کفالت کا مسئلہ حل ہو جائے تو میں یہ کام آسانی سے کرسکتا ہوں۔

صفوان بولا: تم اس کی فکر نہ کرو، یہ تو میرے لیے بہت معمولی سی بات ہے۔ میں قرض اور کفالت کی پوری ذمہ داری لیتا ہوں۔ تمھارا سارا قرض میں اتاروں گا اور جو کچھ میرے بچے کھائیں گے اور پہنیں گے وہی تمھارے بیوی بچوں کو بھی میسر ہوگا۔ بس تم یہ کام کردو اور ہاں دیکھو! یہ نہایت راز داری سے کرنے کا کام ہے۔ روئے زمین پر اس منصوبے کا میرے اور تمھارے سوا کسی کو علم نہیں ہونا چاہیے۔

عمیر بولا: بالکل یہ راز راز ہی رہے گا۔ تم فکر نہ کرو...... اچھا تو پھر ہاتھ ملاؤ اور وعدہ کرو کہ اس بات کی کسی کو ہوا تک بھی نہیں لگے گی...... میں اس منصوبے پر فوری عمل شروع کر رہا ہوں۔ صفوان! تمھیں معلوم ہے کہ میرے پاس مدینہ طیبہ جانے کا ایک معقول بہانہ بھی ہے۔ میرا بیٹا وہب مسلمانوں کی قید میں ہے۔ اس سے ملاقات کرنے کا بہانہ..... اس نے اپنے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے کہا۔

صفوان گھر آیا۔ اپنی تلوار میان سے نکالی تو ذرا زنگ آلود نظر آئی۔ اس نے اسے خوب تیز کرنے کے بعد زہر میں بجھانا شروع کیا اور زیر لب بڑبڑایا: آہا!! اب اس تلوار سے میرے باپ اور بھائی کے قتل کا بدلہ لیا جائے گا۔

پھر اس نے اپنی زہر میں بجھی تلوار عمیر کے حوالے کی اور اسے جلد از جلد مدینہ طیبہ روانہ ہونے کی تاکید کی۔ عمیر مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوا۔ ان دنوں مکہ مکرمہ کی ہر مجلس میں، ہر گھر میں بدر ہی کا قصہ موضوع گفتگو تھا۔ صفوان ملنے جلنے والوں سے بڑے پُر اعتماد لہجے میں کہتا: بس چند ہی روز کی بات ہے۔ میں ایسی زبردست خبر سناؤں گا کہ تم لوگ بدر کا غم بھول جاؤ گے۔

عمیر بن وہب اپنی چالاکی، سفاکی، شرارت طبع اور بد باطنی کے باعث ''شیطان قریش'' کے لقب سے مشہور تھا ہی، وہ مکہ مکرمہ میں اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کو تکلیف دینے میں بھی پیش

پیش رہتا تھا۔ بدر کے روز اس کے بیٹے وہب کو ایک انصاری صحابی رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ نے گرفتار کر لیا تھا۔

عمیر بن وہب تیزی سے سفر کرتا ہوا مدینہ طیبہ پہنچا۔ مسجد نبوی کے سامنے اپنی اونٹنی بٹھائی اور نیچے اترا۔ ادھر مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کے درمیان بھی بدر کے معرکے پر ہی بات ہو رہی تھی۔ وہ اپنی کم تعداد کے باوجود اس فتح ونصرت اور تائید ربانی پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہے تھے اور بدر کے واقعات دہرا کر خوش ہو رہے تھے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ دیگر صحابہ کرام کے ساتھ مسجد کے ایک کونے میں بیٹھے بدر کی باتیں کر رہے تھے کہ کیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے انھیں عزت و وقار بخشا اور کفار کو ذلیل وخوار کیا۔ اچانک آپ کی نگاہ عمیر پر پڑی جو تلوار لٹکائے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بصیرت کام آئی۔ کہنے لگے: ہو نہ ہو اللہ کا یہ دشمن کسی خطرناک ارادے سے یہاں آیا ہے۔ یہ بدر کے روز لوگوں کو جنگ کے لیے بھڑکانے والوں میں پیش پیش تھا۔ اسی نے اندازہ لگا کر کافروں کو مسلمانوں کی تعداد بتائی تھی۔ جناب عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے گلے میں لٹکی ہوئی تلوار کے نیام کی پٹی سے اس کی گردن دبوچ لی اور اسے گرفتار کر کے خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ عرض کیا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ اللہ کا دشمن تلوار لٹکائے آ رہا ہے۔

ارشاد ہوا: ''عمر! اسے چھوڑ دو، آگے آنے دو۔'' فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام سے کہا: تم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی رہنا اور اس خبیث پر نگاہ رکھنا۔ یہ نہایت خطرناک آدمی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عمیر! میرے قریب آؤ۔'' وہ قریب ہو کر جاہلیت کے طریقے کے مطابق کہنے لگا: اَنْعَمُوا صَبَاحًا ''آپ لوگوں کی صبح بخیر ہو۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ان جاہلانہ الفاظ کے بدلے میں ہمیں ایک ایسے تحیہ سے مشرف کیا ہے جو تمھارے اس تحیہ سے کہیں بہتر ہے، یعنی سلام سے جو اہل جنت کا تحیہ ہے۔ ہاں عمیر! بتاؤ کیسے آنا ہوا؟''

اس نے کہا: میں اپنے قیدی بیٹے وہب کا حال معلوم کرنے کے لیے آیا ہوں۔ برائے مہربانی اس کے بارے میں احسان فرما دیجیے۔ فرمایا: ''یہ تمھارے گلے میں تلوار کیسی لٹک رہی ہے؟'' وہ بولا: اللہ ان

تلواروں کو غارت کرے، انھوں نے پہلے ہمیں کیا فائدہ پہنچایا ہے جواب پہنچائیں گی! ارشاد فرمایا:

''عمیر! سچ سچ بتاؤ، تم کس مقصد کے لیے آئے ہو؟'' کہنے لگا: سچ کہتا ہوں، میں صرف اپنے قیدی بیٹے ہی کے لیے آیا ہوں۔

ارشاد ہوا: ''کیا یہ سچ نہیں کہ تم اور صفوان بن امیہ حطیم میں بیٹھے تھے۔ تم دونوں نے بدر کے کنویں میں پھینکے جانے والے مقتول سرداروں کا تذکرہ کیا، پھر تم نے کہا: اگر مجھے قرض کی ادائیگی اور اہل وعیال کی کفالت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں مدینہ طیبہ جا کر محمد ﷺ کو قتل کر دیتا۔ صفوان بن امیہ نے تمھارا قرض چکانے اور بچوں کو اپنی کفالت میں لینے کی ذمہ داری قبول کر لی، اس شرط پر کہ تم مجھے قتل کر دو۔ یاد رکھو عمیر! اللہ تم لوگوں کے مقابلے میں میرا محافظ ہے۔''

قارئین کرام! دیکھیے، ذہین آدمی جب ایک نتیجے پر پہنچ جاتا ہے تو پھر وہ فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگاتا۔ عمیر نے یہ سنا تو بے اختیار پکار اٹھا: (أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ) ''میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ یقیناً آپ اللہ کے سچے رسول ہیں''۔ اللہ کے رسول! آپ ہمارے پاس آسمانوں کی جو خبریں لایا کرتے تھے، ہم انہیں جھٹلایا کرتے تھے، لیکن یہ معاملہ تو ایسا راز داری کا تھا کہ میرے اور صفوان کے علاوہ کسی کو اس کی ہوا بھی نہیں لگی۔ اللہ کی قسم! مجھے یقین ہے کہ رب کائنات کے علاوہ کسی نے آپ کو یہ بات نہیں پہنچائی۔ اس اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اسلام کی ہدایت عطا فرمائی اور صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق دی۔

اس طرف بھی خندہ پیشانی اور کشادہ دلی کا دریا موجزن ہے۔ عفو وکرم ایسا کہ وہ شخص جو سید الاولین والآخرین کو قتل کرنے کے لیے آتا ہے، اس کے گھناؤنے جرم کو نہ صرف معاف کر دیا جاتا ہے بلکہ اسے اپنے ساتھیوں میں شامل کر لیا جاتا ہے۔

علامہ ابن الأثیر رحمہ اللہ کے بیان کے مطابق عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

(لَخِنْزِيرٌ كَانَ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْهُ حِينَ طَلَعَ)

''وہ جب مدینہ طیبہ آیا تو اس سے مجھے اس قدر شدید نفرت تھی کہ وہ مجھے خنزیر سے بھی بدتر لگتا تھا''

(وَلَهُوَ الْيَوْمَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ بَعْضِ بَنِيَّ)

''مگر اسلام لانے کے بعد یہ مجھے اپنے بیٹوں سے بھی زیادہ پیارا لگنے لگا ہے۔''

اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میرے صحابہ! اپنے اس بھائی کو دین سکھاؤ، اسے قرآن پڑھاؤ اور اس کے قیدی (بیٹے وہب) کو رہا کردو۔''

عمیر رضی اللہ عنہ اس حسن سلوک کا تصور بھی نہ کرسکتا تھا۔ اب وہ اپنی گزشتہ حرکات پر نادم ہے۔ ان کی تلافی کا خواہش مند ہے۔ عرض کرتا ہے: اللہ کے رسول! میں نے اللہ کے نور کو بجھانے کی بہت کوشش کی، اب اپنے ان جرائم کی تلافی کرنا چاہتا ہوں، مجھے مکہ مکرمہ میں رہنے کی اجازت عطا فرمائیں۔ میں اہل مکہ مکرمہ کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور دین اسلام کی طرف دعوت دوں گا۔ ان کی یہ درخواست منظور ہوئی، پھر وہ دین حق کے داعی بن کر مکہ مکرمہ میں مقیم رہے اور بہت سے لوگوں نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

ادھر صفوان اپنی مطلوبہ و پسندیدہ خبر کا بڑی بے چینی سے منتظر تھا۔ وہ مدینہ طیبہ سے آنے والے ہر مسافر سے پوچھتا۔ ہاں بھئی تمہارے پاس کوئی نئی خبر ہے؟ ایک دن اسے کسی سوار نے بتایا: صفوان! تمھارے لیے ایک بہت اہم خبر ہے۔ اس نے کہا: جلدی بتاؤ کیا خبر ہے؟ سوار نے کہا: عمیر مسلمان ہوگیا ہے۔ اس کے پاؤں تلے سے زمین کھسک گئی۔ اس نے قسم کھائی کہ وہ عمیر سے ساری زندگی کلام کرے گا نہ اس کے کسی کام آئے گا۔

سيرة ابن هشام، والرحيق المختوم۔ نیز یہ واقعہ سیرت کی کم وبیش سب کتابوں میں موجود ہے۔

قارئین کرام! کبھی آپ نے دیکھا یا سنا کہ کسی شخص نے قتل کے لیے آنے والے کو اس طرح فراخدلی سے معاف کردیا ہو۔ یہ رسول اللہ ﷺ ہی تھے جنھوں نے اپنے حسن اخلاق سے لوگوں کے دلوں کو جیتا اور سروں پر نہیں بلکہ دلوں پر حکومت کی۔



......اور فضالہ کی کایا پلٹ گئی

فضالہ بن عمیر بن ملوح لیثی اللہ کے رسول ﷺ کے شدید دشمنوں میں سے ایک تھا۔ جب آپ ﷺ فتح مکہ مکرمہ کے موقع پر مکہ مکرمہ میں مقیم تھے تو فضالہ نے بظاہر اسلام قبول کر لیا، مگر یہ شخص دل میں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ شدید بغض اور عناد رکھتا تھا۔ اس نے پروگرام بنایا کہ اسے جب بھی موقع ملا، اللہ کے رسول ﷺ کو قتل کر دے گا۔ اللہ کے رسول ﷺ کے قتل کا منصوبہ کوئی معمولی کام نہ تھا۔ فضالہ کو خوب معلوم تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ دس ہزار کا لشکر ہے اگر (وہ خدانخواستہ) اپنے اس ناپاک منصوبے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو بھی اس کے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ اسے فوراً ہی گرفتار کر کے قتل کر دیا جائے گا۔ مگر حسد اور عناد ایسی بری لعنتیں ہیں کہ جو انسان کو دیوانہ بنا دیتی ہیں، اس کے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیتوں کو مفلوج کر کے رکھ دیتی ہیں اور وہ عاقبت نااندیش ہو کر غلط کام کر بیٹھتا ہے۔



فضالہ نے سوچا کہ اگر اس کے ناپاک عزائم کی تکمیل کے بعد اسے قتل بھی کر دیا جائے تو کوئی حرج نہیں مگر اس منصوبے پر عمل ضرور ہونا چاہیے۔ اس نے غور و فکر شروع کیا کہ وہ کس وقت اللہ کے رسول ﷺ پر حملہ آور ہو سکتا ہے؟ شیطانی فکر نے اس کے ذہن میں ڈالا کہ جب اللہ کے رسول ﷺ طواف کر رہے ہوں تو یہ اس کام کے لیے بہترین موقع ہو سکتا ہے۔ آپ ﷺ بالکل اکیلے ہوں گے، ارد گرد اگر کچھ لوگ ہوئے بھی تو وہ زیادہ نہیں ہوں گے۔ اس نے تلوار کو اپنے کپڑوں میں چھپایا اور اس وقت کا انتظار کرنے لگا جب اللہ کے رسول ﷺ طواف کر رہے ہوں۔

ایک دن فضالہ کو موقع میسر آ گیا، اس نے دیکھا کہ اللہ کے رسول ﷺ طواف کر رہے ہیں۔ اس نے بھی طواف کرنا شروع کر دیا۔ وہ موقع کی تلاش میں تھا کہ کب آپ پر حملہ کرے۔ طواف کے دوران وہ آپ ﷺ کے قریب ہوتا ہے۔ ادھر اللہ رب العزت کا فیصلہ ہے کہ اپنے حبیب ﷺ کو لوگوں سے بچانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فوری طور پر بذریعۂ وحی اپنے رسول ﷺ کو فُضالہ کے ناپاک ارادے کی خبر دے دی۔ آپ چاہتے تو اسے فوراً گرفتار کروا دیتے۔ آلۂ قتل تو اس کے کپڑوں میں چھپا ہوا تھا مگر یہاں رحمت ہی رحمت ہے، اپنی امت کے ساتھ خیر، بھلائی اور معافی ہے۔

اس نے تلوار کو اپنے کپڑوں میں چھپایا اور اس وقت کا انتظار کرنے لگا جب اللہ کے رسول ﷺ طواف کر رہے ہوں۔

فضالہ قریب سے گذر رہا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اسے مخاطب کیا اور فرمایا:

(أَفُضَالَةُ) ''ارے کیا تم فضالہ ہو؟''

کہنے لگا: اللہ کے رسول، ہاں! میں فضالہ ہوں۔

آپ نے صرف اتنا فرمایا: (مَا ذَا كُنْتَ تُحَدِّثُ بِهِ نَفْسَكَ؟)

''تم اپنے دل میں کیا بات سوچ رہے تھے؟'' فضالہ کہنے لگا: کچھ نہیں، میں تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہا تھا۔

اللہ کے رسول ﷺ فضالہ کی بات سن کر ہنس پڑتے ہیں۔ فرمایا: (اِسْتَغْفِرِ اللّٰهَ).

''فضالہ! اللہ سے استغفار کرو۔'' اور ساتھ ہی اپنا دست مبارک اس کے سینے پر رکھ دیا۔ فضالہ کا دل پر سکون اور سازشی خیالات سے پاک ہو گیا۔

اللہ اکبر! اس سے بڑا خوش قسمت کون ہو سکتا ہے جس کے سینے پر اللہ کے رسول ﷺ اپنا دست شفقت رکھ دیں؟ فضالہ کی کایا پلٹ گئی۔ آپ ﷺ کے قتل کے منصوبے بنانے والا' اپنے دل میں بغض وعناد رکھنے والا فضالہ کہتا ہے: ادھر آپ ﷺ نے اپنا دستِ شفقت میرے سینے پر رکھا، ادھر میرے دل کی کیفیت یکسر بدل گئی۔ آیئے اسی کے الفاظ پڑھتے ہیں:

اللہ کی قسم! آپ ﷺ نے اپنا دستِ مبارک میرے سینے سے اٹھایا ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں میرے لیے آپ ﷺ سے زیادہ محبوب کوئی نہ رہا۔

فضالہ حرم پاک سے اپنے اہل وعیال کی طرف واپس جا رہا ہے۔ راستے میں اس کی پرانی محبوبہ کھڑی تھی۔ اس نے روک لیا، کہنے لگی: آؤ چند لمحے میرے پاس گزارو۔

مگر اب یہ وہ فضالہ نہیں رہا، اس کا تزکیۂ نفس ہو چکا ہے، دل کی کیفیت بدل چکی ہے۔ اس نے کچھ اشعار پڑھے جن کا مفہوم یوں ہے:

میری محبوبہ نے کہا: آؤ باتیں کریں۔ میں نے کہا: نہیں، اللہ تعالیٰ اور اسلام مجھے ایسے کاموں سے منع کرتے ہیں۔ اگر تو محمد ﷺ اور آپ کی جماعت کو فتح مکہ مکرمہ کے موقع پر دیکھ لیتی جب بت ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے تو دیکھ لیتی کہ اللہ تعالیٰ کا دین بالکل واضح ہو گیا ہے اور شرک کے چہرے پر تاریکی چھا گئی ہے۔①

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے قتل کا منصوبہ بنانے والے کو معاف کر کے اسے جہنم جانے سے بچا لیا۔ کیا دنیا میں ایسا مہربان' شفیق اور اعلیٰ اخلاق والا کوئی اور بھی ہے؟

① السيرة النبوية لابن هشام: 60/4، والاستيعاب: 347/4، ومختصر سيرة الرسول لمحمد بن عبدالوهاب، ص: 443، والاكتفاء: 230/2.

اُم خالد کو بلاؤ، وہ کہاں ہے؟

بچی کا نام امۃ بنت خالد اور کنیت ام خالد تھی۔ یہ سیدنا خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔ قریشی خاندان سے تعلق رکھنے والے خالد بن سعید رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام اور ان خوش قسمت صحابہ میں سے تھے جنھیں حبشہ کی ہجرت نصیب ہوئی۔ امۃ بنت خالد حبشہ میں پیدا ہوئیں اور اپنا بچپن وہیں گزارا۔ ان کی والدہ کا نام امیمہ بنت خلف الخزاعیہ تھا۔

اس بیٹی نے بچپن میں حبشی زبان کے بعض کلمات بھی سیکھ لیے تھے۔ ان کے والد گرامی نے اپنے اہل وعیال کے ساتھ حبشہ سے مدینہ طیبہ کے لیے دوسری ہجرت کی۔ چھوٹی سی اس بچی کو اس کے والدین ام خالد کی کنیت سے پکارتے تھے۔ بچی کی یہ کنیت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی رکھی تھی۔ بخاری شریف میں یہ واقعہ مذکور ہے:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم صرف اپنے صحابہ ہی سے نہیں بلکہ ان کے بچوں سے بھی محبت فرماتے تھے اور خاص مواقع پر انھیں یاد رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہیں سے کچھ کپڑے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صحابہ کرام میں تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ ان کپڑوں میں ایک چادر بہت ہی خوبصورت تھی۔ سرخ اور پیلی کڑھائی والی اس سیاہ ریشمی شال کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھوں میں لیا اور صحابہ کرام سے پوچھا:

(مَنْ تَرَوْنَ نَكْسُوهَا هٰذِهِ الْخَمِيصَةَ) ''تم کسے اس بات کا زیادہ حق دار سمجھتے ہو کہ اسے یہ شال پہنائی جائے؟''

صحابہ کرام احتراماً خاموش ہیں لیکن ذہنوں میں خیال ضرور پیدا ہوا کہ وہ کون خوش قسمت ہوگا جسے یہ خوبصورت، جاذبِ نظر اور منقش کپڑا ملے گا۔ صحابہ کرام آپ ﷺ کے چہرۂ اقدس کی طرف دیکھ رہے تھے کہ آپ کیا حکم صادر فرماتے ہیں اور یہ اعزاز کسے ملتا ہے؟ خیال رہے کہ اہل اسلام کو اس طرح کا قیمتی کپڑا کبھی کبھار ہی میسر ہوتا تھا۔

ارشاد فرمایا: (اِيتُونِي بِأُمِّ خَالِدٍ) ''ام خالد کو میرے پاس بلا کر لاؤ۔'' ایک صحابی دوڑتے ہوئے گئے اور ان کے والد کو بتایا کہ اللہ کے رسول ﷺ ان کی بچی کو طلب فرما رہے ہیں۔ خالد بن سعید رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی کو اپنے ہاتھوں میں اٹھائے ہوئے جلدی سے اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور ام خالد کو اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔

صحابہ کرام کے ذہنوں میں خیال پیدا ہوا کہ کون خوش قسمت ہوگا جسے یہ منقش کپڑا ملے گا، اہل اسلام کو ایسا قیمتی کپڑا خال خال ہی میسر آتا تھا۔

قارئین کرام: اللہ کے رسول ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کو ملاحظہ فرمائیں۔ آپ چاہتے تو یہ کپڑا ان کے گھر بھی بھجوا سکتے تھے مگر آپ ﷺ اپنے مبارک ہاتھوں سے ام خالد کو یہ خوبصورت کپڑا پہنانے کو ترجیح دے رہے ہیں اور اس بچی کی خوشی میں بنفس نفیس شرکت فرما رہے ہیں، صحابہ کرام یہ منظر بڑے شوق سے دیکھ رہے ہیں۔ آپ ﷺ انھیں پہنا بھی رہے ہیں اور اپنی زبان حق ترجمان سے یہ فرما بھی رہے ہیں:

(هٰذَا سَنَا يَا أُمَّ خَالِدٍ! هٰذَا سَنَا) ''ام خالد! یہ کپڑا تمھیں بہت جچ رہا ہے، یہ بہت خوبصورت ہے۔'' (سَنَا) حبشی زبان میں خوبصورت چیز کو کہتے ہیں۔ چھوٹی سی بچی یہ تحفہ ملنے پر بڑی شاداں و فرحاں

ہے۔ یہ ایک بہت بڑا اعزاز تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے انھیں کپڑا پہنایا۔ آپ ذرا تصور فرمائیں! ام خالد کو پوری زندگی یہ واقعہ بھولا تو نہ ہوگا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اسے بچپن میں یہ شال پہنائی تھی۔

رسول اللہ ﷺ اس بچی کو ایک اور تحفہ دیتے ہیں، آپ ﷺ فرماتے ہیں: (أَبْلِي وَأَخْلِقِي) ''تم اس کے پرانا ہونے تک ایک لمبا عرصہ اسے پہنو'' یعنی برسہا برس تک جیتی رہو۔

دوبارہ پھر یہی ارشاد فرمایا: (أَبْلِي وَأَخْلِقِي) تیسری مرتبہ پھر فرمایا: (أَبْلِي وَأَخْلِقِي) ''تم اسے پرانا کرو، بار بار پہنو اور لمبی عمر پاؤ۔''

اللہ کے رسول ﷺ کی ام خالد کے حق میں یہ دعا قبول ہوئی اور انھوں نے بہت لمبی عمر پائی۔ صحابیات میں سب سے آخر میں وفات پانے والی ام خالد رضی اللہ عنہا ہی تھیں۔

ام خالد اللہ کے رسول ﷺ کے ہاتھوں تحفہ پا کر بہت خوش ہے، وہ آپ کی پشت پر ابھری ہوئی مہر نبوت کی علامت کے ساتھ کھیلنا شروع کر دیتی ہے۔ ام خالد کے والد اسے منع کر رہے ہیں، ڈانٹ رہے ہیں: ام خالد، بیٹی! یہ کیا کر رہی ہو؟ مگر اللہ کے رسول ﷺ کی رحمت اور شفقت کو دیکھیے کہ آپ خالد بن سعید رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں: (دَعْهَا) ''چھوڑ دو خالد! (اسے کھیلنے دو)'' ام خالد کا جب تک جی چاہا وہ اللہ کے رسول ﷺ کے جسم اطہر کے ساتھ کھیلتی رہیں۔

قارئین کرام! ذرا اس واقعے کو ایک بار پھر غور سے پڑھیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کائنات کی مصروف ترین شخصیت تھے، مگر یہ آپ کا اعلیٰ اخلاق تھا، بچوں کے ساتھ محبت اور پیار تھا۔ ساتھیوں کی وفائیں اور ان کی قربانیاں اللہ کے رسول ﷺ کو یاد تھیں۔ آپ اپنے ساتھیوں اور ان کے گھرانوں کو اعزاز دینا چاہتے تھے، اسی لیے آپ ان کے بچوں کے ساتھ اس طرح کے التفات اور محبت کا مظاہرہ فرما رہے ہیں۔

ننھی سی ام خالد اور ان کے خاندان والوں کو اللہ کے رسول ﷺ کا دیا ہوا یہ اعزاز کبھی نہیں بھولا۔ ذرا اس باپ سے پوچھیں کہ جب اس کی بیٹی کو اللہ کے رسول ﷺ اپنے دستِ مبارک سے یہ کپڑا پہنا رہے

تھے، اس کی خوشی کا عالم کیا تھا؟ وہ بیٹی کے لیے آپ ﷺ کے ان الفاظ کو کیسے بھول سکتے تھے:

(هٰذَا سَنَا يَا أُمَّ خَالِدٍ! هٰذَا سَنَا) ''ام خالد! یہ بہت خوبصورت کپڑا ہے، یہ تمہیں بہت بچ رہا ہے۔''

صحيح البخاري، حديث:5845، و سنن أبي داود، حديث:4026.

قارئین کرام! یہ تھی ہمارے رسول ﷺ، ہمارے نبی، ہمارے ہادی اور ہمارے راہنما کے اعلیٰ اخلاق اور شفقت و محبت کی ایک جھلک۔

ام خالد بچپن ہی سے بہت ذہین و فطین بچی تھیں۔ غزوہ خیبر کے ایام میں دو بڑے بحری جہاز مہاجرین کو لے کر مدینہ طیبہ آئے۔ انھی دنوں اہل اسلام کو خیبر کی فتح نصیب ہوئی تھی۔ آپ ﷺ کے چچا زاد بھائی جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی آنے والوں میں شامل تھے۔ مہاجرین جب وہاں سے آنے لگے تو نجاشی اپنے حاشیہ برداروں اور دیگر لوگوں کے ساتھ انہیں الوداع کرنے کے لیے آیا تھا۔ اس نے مسلمانوں کو وصیت کی:

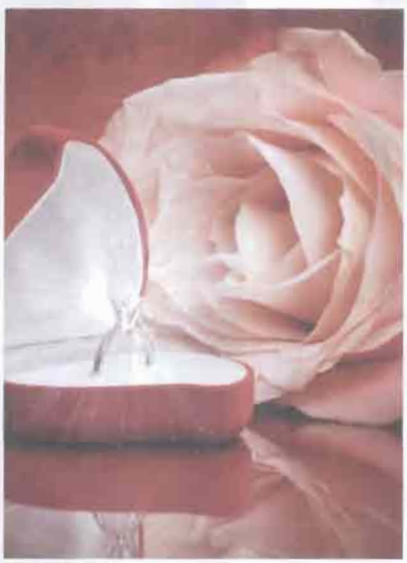
اللہ کے رسول ﷺ کو سب سے پہلے میرا سلام کہنا نہ بھولنا۔ ام خالد رضی اللہ عنہا بھی وہاں موجود تھیں۔ اس ذہین بچی نے اس بات کو یاد رکھا۔ اس کی خواہش تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ کو سب سے پہلے نجاشی کا سلام وہی پہنچائے۔ آپ نے مہاجرین حبشہ کا استقبال کرتے ہوئے فرمایا تھا:

(وَاللّٰهِ لَا أَدْرِي بِأَيِّهِمَا أَفْرَحُ، بِفَتْحِ خَيْبَرَ أَمْ بِقُدُومِ جَعْفَرٍ)

''اللہ کی قسم! مجھے پتا نہیں چل رہا کہ آج مجھے کس بات کی زیادہ خوشی ہے، خیبر فتح ہونے کی یا جعفر کے آنے کی۔''

ام خالد رضی اللہ عنہا سلام کہنے والی بات کو نہیں بھولی تھی، اس نے اللہ کے رسول ﷺ کو مسکراتے ہوئے نجاشی کا سلام پہنچا دیا۔ ابن حجر نے 'الإصابة' میں ذکر کیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس بچی کو پیار کیا اور اس کی کنیت ام خالد رضی اللہ عنہا رکھی۔

پیارے ساتھی! تم شادی کیوں نہیں کر لیتے؟!



اللہ کے رسول ﷺ اپنے ساتھیوں سے نہ صرف بے حد محبت فرماتے تھے بلکہ ان کے حالات وضروریات کی بھی خبر رکھتے تھے۔ مسند احمد اور دیگر کتب حدیث میں روایت ہے کہ جلیبیب ایک انصاری صحابی تھے جو مالدار تھے نہ خوبصورت، کسی بڑے قبیلے سے تعلق تھا نہ ہی کسی منصب پر فائز تھے، مگر ان کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ سے اور اللہ کے رسول ﷺ ان سے محبت کرتے تھے۔

قارئین کرام! قائد ہو تو ایسا کہ جو اپنے عام ساتھیوں کی بھی ضروریات کا خیال رکھتا ہو۔ ایک دن اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے اس ساتھی کی طرف شفقت بھری نظروں سے دیکھا، مسکراتے ہوئے فرمایا:

(يَا جُلَيْبِيبُ أَلَا تَتَزَوَّجُ!) ''جلیبیب! تم شادی کیوں نہیں کر لیتے؟''

جلیبیب جواب میں عرض کرتے ہیں: اللہ کے رسول! مجھ جیسے شخص سے اپنی بیٹی کی شادی کون کرے گا؟ اب ذرا اللہ کے رسول ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ کو ملاحظہ فرمائیں کہ آپ اپنے اس بے مایہ صحابی کو کس

قدر اہمیت دے رہے ہیں اور اپنی بات کو دہرا رہے ہیں:

''جلیبیب! تم شادی کیوں نہیں کر لیتے؟'' وہ پھر عرض کرتے ہیں: اللہ کے رسول! بھلا میرے ساتھ شادی کون کرے گا؟ مال و دولت نہ حسن و جمال اور جاہ و منصب!! مگر رسالت مآب ﷺ کی نظر ان کے دنیوی معیار پر نہیں بلکہ ان کی دینداری اور للّٰہیت پر ہے۔ آپ ﷺ تیسری مرتبہ بھی وہی الفاظ دہرا رہے ہیں:

''جلیبیب! تم شادی کیوں نہیں کر لیتے؟'' وہ پھر اپنا وہی عذر پیش کرتے ہیں: اللہ کے رسول! مجھ سے شادی کون کرے گا؟ میرے پاس مال و دولت نہیں، میرا خاندان کوئی معروف اور بڑا خاندان نہیں۔ میں خوبصورت بھی نہیں ہوں، نہ میرے پاس کوئی منصب ہے۔

> یہ شخص میرا داماد بنے گا؟! نہ مال و دولت نہ خوبصورتی نہ بڑا خاندان۔ کہنے لگے: ذرا ٹھہرو! میں اپنے گھر والوں سے مشورہ کرلوں۔

تب اللہ کے رسول ﷺ اپنے ساتھی کی مایوسی کو خوشی میں تبدیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''جلیبیب! فکر نہ کرو، تمھاری شادی میں خود کروں گا۔'' وہ پھر عرض کر رہے ہیں: مجھ بے وسیلہ سے تعلق قائم کر کے کون خوش ہو گا، اللہ کے رسول!؟

''نہیں جلیبیب! تم اللہ کے نزدیک بے قیمت نہیں ہو، تمہاری قدر و منزلت وہاں بہت زیادہ ہے۔'' اللہ کے رسول ﷺ اسے تسلی دے رہے ہیں۔

چند دن گزرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''جلیبیب! فلاں انصاری کے گھر جاؤ اور اسے کہو: اللہ کے رسول ﷺ تمھیں سلام کہہ رہے ہیں اور فرماتے ہیں: اپنی بیٹی کی شادی مجھ جلیبیب سے کر دو۔''

جلیبیب خوشی خوشی اس انصاری کے گھر پہنچ جاتے ہیں۔ دروازے پر دستک دیتے ہیں۔ گھر والے اندر سے پوچھتے ہیں: کون؟

جواب دیا: جلیبیب۔ گھر والے کہتے ہیں: کون جلیبیب؟

ہم تو ایسے کسی شخص کو نہیں جانتے۔ گھر کے مالک انصاری صحابی باہر نکلے اور پوچھا: کیا چاہتے ہو، کہاں سے اور کس مقصد سے آئے ہو؟ جلیبیب جواباً عرض کرتے ہیں:

اللہ کے رسول ﷺ نے آپ لوگوں کو سلام بھیجا ہے۔ انصاری صحابی فرط مسرت سے کہتے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے سلام بھیجا ہے...... یہ تو میرے لیے بہت بڑی خوش قسمتی کی بات ہے۔ عالم سرشاری و سرور میں انھوں نے گھر والوں کو بتایا۔ پورے گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

پھر جلیبیب نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ نے تمھیں سلام کے ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ اپنی بیٹی کی شادی مجھ جلیبیب سے کر دو۔

صاحب خانہ نے یہ بات سنی تو سناٹے میں آ گئے۔ یہ شخص میرا داماد بنے گا؟! انھوں نے سوچا: نہ مال و دولت نہ خوبصورتی نہ بڑا خاندان۔ کہنے لگے: ذرا ٹھہرو! میں اپنے گھر والوں سے مشورہ کر لوں۔

وہ انصاری صحابی گھر کے اندر گئے، اہلیہ کو بلایا اور رسول اللہ ﷺ کا پیغام سنایا کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''اپنی بیٹی کی شادی جلیبیب سے کر دو۔''

ماں گویا ہوئی: جلیبیب کے ساتھ شادی کیسے کر دوں؟ اپنی بیٹی ایک ایسے شخص کے سپرد کیسے کر دوں جو خوبصورت بھی نہیں، مالدار بھی نہیں اور بڑا خاندان بھی نہیں۔ ہم نے تو فلاں فلاں خاندانوں کی طرف سے آنے والے رشتوں کو مسترد کر دیا تھا۔ میاں بیوی آپس میں گفتگو کر رہے ہیں۔

ادھر ان کی عفت مآب اور سعادت مند بیٹی بھی پردے کے پیچھے کھڑی یہ ساری گفتگو سن رہی ہے۔ لڑکی نے معاملے کی نزاکت کو بر وقت بھانپتے ہوئے جھکی ہوئی نگاہوں سے والدین سے مخاطب ہو کر

آہستہ سے کہنا شروع کیا:

(أَتُرِيدُونَ أَنْ تَرُدُّوا عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ أَمْرَهُ)

''کیا آپ لوگ اللہ کے رسول ﷺ کا حکم ٹالنے کے بارے میں سوچ رہے ہیں؟''

قارئین کرام! اس بچی کی سوچ، فکر اور محبتِ رسول کے جذبے کو ہزار مرتبہ داد دیجیے، کہنے لگی: (اِدْفَعُونِي إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ) ''مجھے رسول اللہ ﷺ کے سپرد کر دیں جہاں چاہیں وہ اپنی مرضی سے میری شادی کر دیں۔'' (فَإِنَّهُ لَنْ يُضَيِّعَنِي) ''کیونکہ وہ مجھے ہرگز ضائع نہیں کریں گے۔'' بچی کو یہ حقیقت معلوم تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ جو بھی فیصلہ فرمائیں گے اللہ تعالیٰ اسی میں برکت عطا فرما دے گا۔

''مجھے رسول اللہ ﷺ کے سپرد کر دیں جہاں چاہیں وہ اپنی مرضی سے میری شادی کر دیں۔ کیونکہ وہ مجھے ہرگز ضائع نہیں کریں گے۔''

والدین نے بھی اللہ کے رسول کے حکم کے سامنے سر جھکا دیا۔ بیٹی کے اس خوبصورت اور عمدہ فیصلے سے پہلے ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ اس رشتے کو قبول نہ کرنے کی صورت میں اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کو نظر انداز کرنے والے بن جائیں گے۔ وہ اپنی بیٹی کی عقل و دانش اور عمدہ سوچ پر مطمئن ہیں۔

جلیبیب اللہ کے رسول کا پیغام پہنچا کر واپس چلے گئے۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد اس ذہین و فطین اور سمجھدار بچی کا والد اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اللہ کے رسول! آپ کا پیغام ملا۔ آپ کا حکم، آپ کا مشورہ سر آنکھوں پر، میں راضی ہوں۔ میری بیٹی بھی، میرے گھر والے، بھی آپ کے فیصلے سے راضی اور خوش ہیں۔

رؤوف ورحیم نبی کریم ﷺ کو بھی اس بچی کے جذبات اور سمع وطاعت پر مبنی جواب کا علم ہو چکا تھا۔ اب دیکھیے اللہ کے رسول ﷺ کا اعلی اخلاق کہ آپ اس بچی کو ایک عظیم تحفہ عطا فرماتے ہیں، اپنے مبارک ہاتھوں کو اللہ کی بارگاہ میں اٹھایا اور دعا فرمائی:

(اَللّٰھُمَّ صُبَّ الْخَیْرَ عَلَیْھِمَا صَبًّا) ''اے اللہ! ان دونوں پر خیر و برکت کے دروازے کھول دے''

(وَلَا تَجْعَلْ عَیْشَھُمَا کَدًّا) اور ان کی زندگی کو مشقت اور پریشانی سے دور رکھنا''۔

موارد الظمآن: 2269، و مسند أحمد: 4/425، ومجمع الزوائد: 9/370.



اس بچی کی شادی جلیبیب سے ہوگئی۔ مدینہ طیبہ میں ایک اور گھر آباد ہوگیا، وہ جلیبیب جو کبھی مفلس اور قلاش تھے، اللہ کے رسول ﷺ کی دعا کی برکت سے ان پر رزق کے دروازے کھل گئے۔ یہ گھرانہ بڑا مبارک اور بابرکت ثابت ہوا۔ ان کے مالی حالات بہتر ہوتے چلے گئے۔ اس گھرانے کو اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کا صلہ یہ ملا: (فَکَانَتْ مِنْ أَکْثَرِ الْأَنْصَارِ نَفَقَةً وَّمَالًا) ''انصاری گھرانوں کی عورتوں میں سب سے خرچیلا گھرانہ اسی لڑکی کا تھا۔''

مسند أحمد: 4/422، حدیث: 19799.

قارئین کرام! یہ تھا ہمارے پیارے رسول ﷺ کا اپنے ساتھیوں سے تعلق اور واسطہ۔ آپ کا اعلیٰ اخلاق کہ کسی ادنیٰ صحابی کو بھی نظر انداز نہیں فرماتے تھے۔ اس لڑکی کے لیے آپ ﷺ کا دعا فرمانا اس کے لیے نہایت خوبصورت تحفہ ثابت ہوا۔ دنیا میں بھی بھلائی نصیب ہوئی اور اطاعت رسول کے باعث جو کچھ آخرت میں ملنے والا ہے اس کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں کر سکتا۔

جاؤ بہن! تمہاری خاطر ان مجرموں کو معاف کیا

سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا کا نام فاختہ تھا، یہ سردار ابو طالب کی بیٹی اور رسول اللہ ﷺ کی چچا زاد بہن تھیں۔ یہ سیدنا علی، عقیل، طالب اور جعفر طیار کی حقیقی بہن تھیں۔ والدہ کا نام سیدہ فاطمہ بنت اسد ہاشمیہ تھا۔ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں۔ ہاشمی باپ اور ہاشمیہ ماں کی یہ صاحبزادی اللہ کے رسول ﷺ سے عمر میں تھوڑی ہی چھوٹی تھیں۔

قارئین کو یاد ہوگا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے دادا محترم کی وفات کے بعد اپنے چچا سردار ابو طالب کے گھر میں پرورش پائی۔ اس طرح اللہ کے رسول ﷺ اور سیدہ ام ہانی کا بچپن ایک ہی گھر میں گزرا۔ ام ہانی کو زمانۂ جاہلیت میں بھی اللہ کے رسول ﷺ سے بے حد محبت تھی۔ وہ آپ کا بہت زیادہ احترام کرتی تھیں۔ یہ نہایت سمجھ دار، خوبرو اور غیرت مند خاتون تھیں۔ ان کی شادی بنو مخزوم کے ایک فرد ہبیرہ بن عمرو کے ساتھ ہوئی۔ ہر چند کہ ام ہانی نے فتح مکہ مکرمہ کے موقع پر ہی اسلام قبول کیا مگر اللہ کے رسول ﷺ کا ساری زندگی دفاع کرتی رہیں۔ بعض روایات کے مطابق آپ ﷺ معراج کی رات سیدہ ام ہانی کے گھر میں آرام فرما رہے تھے

> "رسول اللہ ﷺ معراج کی رات سیدہ ام ہانی کے گھر میں آرام فرما تھے کہ آپ کو بیت المقدس اور آسمانوں کی سیر کرائی گئی۔



کہ آپ کو بیت المقدس اور آسمانوں کی سیر کروائی گئی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور خود اللہ کے رسول ﷺ کی بھی خواہش تھی کہ سیدہ سے آپ کی شادی ہو جائے مگر بوجوہ ایسا نہ ہو سکا۔ فتح مکہ مکرمہ کے موقع پر جب ام ہانی نے اسلام قبول کیا تو ان کا خاوند ہبیرہ بھاگ کر نجران چلا گیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی اس چچازاد کو فتح مکہ مکرمہ کے روز یوں عزت و احترام دیا کہ آپ ﷺ ان کے گھر تشریف لے گئے، وہاں غسل فرمایا اور انھی کے گھر میں آٹھ رکعت نماز ادا فرمائی۔ یہ آپ ﷺ کا حسن اخلاق تھا کہ آپ اپنے عزیزوں کے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے۔

> فتح مکہ کے روز اللہ کے رسول ﷺ ام ہانی کے گھر تشریف لے گئے، وہاں غسل فرمایا اور انھی کے گھر میں آٹھ رکعت نماز بھی ادا کی۔

سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا کے خاوند کے دو قریبی رشتے دار بھاگ کر ان کے پاس پہنچے اور ان سے امان طلب کی۔ یہ دونوں ایسے مجرم تھے جن کے ڈیتھ وارنٹ جاری ہو چکے تھے کہ ان کو ہر حال میں قتل کر دیا جائے گا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان کا پیچھا کر رہے تھے۔ عورت کے لیے اپنے سسرالی رشتہ داروں کی بھی بڑی قدر و قیمت ہوتی ہے۔ سیدہ کہنے لگیں:

اللہ کے رسول! میں نے اپنے دو سسرالی رشتہ داروں کو پناہ

دے رکھی ہے۔ میرا حقیقی بھائی علی بن ابی طالب ان کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: (قَدْ أَجَرْنَا مَنْ أَجَرْتِ يَا أُمَّ هَانِيءٍ) ''ام ہانی! جسے تم نے پناہ دی، اسے ہم نے بھی پناہ دی۔''

قارئین کرام! ایک اور روایت کے مطابق جب انھوں نے اپنے دیوروں کو پناہ دی تو انہیں کمرے میں بند کر دیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان کو قتل کرنا چاہتے تھے مگر اس بہادر خاتون نے ان کا دفاع کیا۔ اپنے بھائی کو روکا اور سیدھی اللہ کے رسول کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اللہ کے رسول ﷺ اس وقت غسل فرما رہے تھے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کپڑے سے پردہ کیا ہوا تھا۔ ام ہانی رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے سلام کیا تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ ''کون ہے؟'' میں نے عرض کی: ام ہانی بنت ابی طالب۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: (مَرْحَبًا بِأُمِّ هَانِيءٍ). ''ام ہانی! خوش آمدید۔''

جب آپ غسل سے فارغ ہوئے تو آپ نے آٹھ رکعت نماز ادا فرمائی۔ سیدہ ام ہانی نے عرض کی:

اللہ کے رسول! میں اپنے ماں جائے بھائی علی کی شکایت لے کر حاضر ہوئی ہوں:

- (إِنَّهُ قَاتِلٌ رَجُلًا قَدْ أَجَرْتُهُ فُلَانَ بْنَ هُبَيْرَةَ، فَقَالَ ﷺ: قَدْ أَجَرْنَا مَنْ أَجَرْتِ يَا أُمَّ هَانِيءٍ)

''علی فلاں ابن ہبیرہ کو قتل کرنا چاہتے ہیں جسے میں نے پناہ دے رکھی ہے۔''

- آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ام ہانی! فکر نہ کرو جسے تم نے پناہ دی، اسے ہم نے بھی پناہ دی۔'' یہ عزت، یہ احترام، یہ محبت آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کا نمونہ ہے۔

صحيح البخاري، حديث: 357. و صحيح مسلم، حديث: 336.

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کا ایک اور پہلو سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا کے درج ذیل واقعے میں بھی نظر آتا ہے:

فتح مکہ مکرمہ کے بعد سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا کا خاوند ہُبیرہ نجران کی طرف بھاگ گیا تھا۔ وہیں اس کی موت

واقع ہوگئی۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بڑی خواہش تھی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ام ہانی سے نکاح کرلیں تو اللہ تعالیٰ انھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو رشتوں سے نواز دے گا۔وہ پہلے بھی آپ کی قریبی رشتہ دار ہیں اور دوسرا یہ کہ آپ کی زوجیت میں آجائیں گی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا مشورہ پسند کیا اور ام ہانی رضی اللہ عنہا کو پیغامِ نکاح بھجوا دیا۔سیدہ نے اس کے جواب میں عرض کیا: یارسول اللہ! آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں لیکن آپ کا حق بہت عظیم ہے۔میرے پاس یتیم بچے ہیں جن کی میں پرورش کررہی ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں آپ کی خدمت کا حق ادا کرنے لگ جاؤں تو میرے بچوں کے حقوق متاثر ہوں گے اور اگر اپنے بچوں کے حقوق ادا کرنے لگ گئی تو آپ کے حقوق کی ادائیگی میں کمی آجائے گی۔

"سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بڑی خواہش تھی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ام ہانی سے نکاح کرلیں تو اللہ تعالیٰ انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو رشتوں سے نواز دے گا۔

یہاں پر بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلیٰ اخلاق ملاحظہ فرمائیں۔

آپ نے سیدہ کا جواب سنا تو نہ صرف اس جواب پر خوش ہوئے بلکہ آپ نے قریشی خواتین کی تعریف فرمائی۔صحیح بخاری میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

- (نِسَاءُ قُرَيْشٍ خَيْرُ نِسَاءٍ) "قریش کی عورتیں تمام عورتوں سے بہتر ہیں۔"
- (رَكِبْنَ الْإِبِلَ) "اونٹ کی سواری کر لیتی ہیں۔"
- (أَحْنَاهَا عَلَى وَلَدٍ فِي صِغَرِهِ) "بچوں پر نہایت مہربان اور مشفق ہیں۔"
- (وَأَرْعَاهَا عَلَى بَعْلٍ فِي ذَاتِ يَدِهِ) "اور اپنے شوہروں کا تمام امور میں بہت خیال رکھنے والی ہیں۔"



(صحيح البخاري، حديث:3434، و صحيح مسلم، حديث: 2527)

جب بیٹا باپ کے سامنے تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا

عبداللہ بن ابی کے بیٹے کا نام بھی عبداللہ تھا۔ عبداللہ بن اُبی جتنا بڑا منافق اور اسلام کا دشمن تھا، اس کا بیٹا اتنا ہی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جان قربان کرنے والا تھا۔ یہ بڑا مخلص مؤمن تھا۔ غزوۂ بنی مصطلق میں عبداللہ بن ابی کی بکواس اس کے پاس بھی پہنچ گئی کہ اس نے کہا تھا: جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں ان لوگوں پر کوئی پیسہ خرچ نہ کرو یہاں تک کہ وہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو چھوڑ کر بھاگ نکلیں۔ اور یہ بھی کہا: اگر ہم مدینہ طیبہ واپس گئے تو مدینہ طیبہ کے معزز افراد (ان کے نزدیک معاذ اللہ) ناپسندیدہ لوگوں کو نکال دیں گے۔

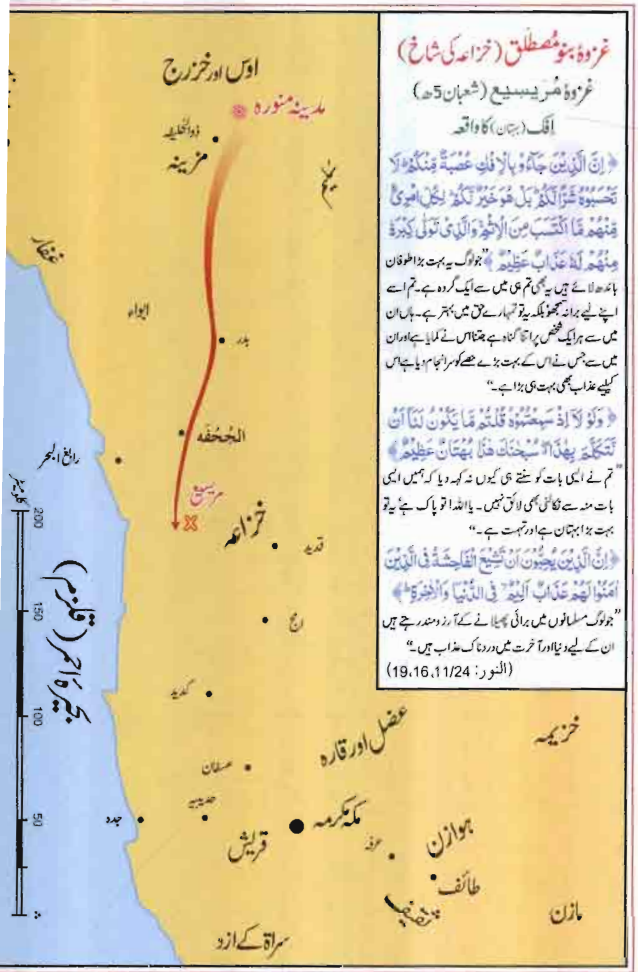
اس نے اپنے آپ کو معزز اور معاذ اللہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو (خاک بدہن منافق) ناپسندیدہ کہا تھا۔ یہ بات کوئی معمولی نہ تھی جسے نظر انداز کیا جاتا۔ اسی لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے ایک معزز سردار اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: (أَوَ مَا بَلَغَكَ مَاقَالَ صَاحِبُكُمْ) ''کیا تمھارے ساتھی نے جو کچھ کہا ہے، وہ تمھیں معلوم ہے؟''

اسید بن حضیر نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کون سا ساتھی؟

فرمایا: ''عبداللہ بن ابی۔''

عرض کیا: کیا کہا ہے اس نے؟

فرمایا: (زَعَمَ إِنْ رَجَعَ إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ) ''اس کا خیال ہے کہ جب وہ



واپس مدینہ طیبہ لوٹے گا تو جو معزز ہے وہ ناپسندیدہ کو باہر نکال دے گا۔"

حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: آپ چاہیں تو اللہ کی قسم! آپ خود ہی اسے مدینہ طیبہ سے نکال دیں گے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صاحب عزت ہیں، ذلیل تو وہی ہے۔ پھر عرض کی: اللہ کے رسول! اس سے نرمی برتیے۔ اللہ کی قسم! آپ کو اللہ تعالیٰ ہمارے پاس اس وقت لایا جب قوم اس کے لیے موتی پرو رہی تھی کہ اسے بادشاہی کا تاج پہنا دیں۔ وہ سمجھتا ہے کہ آپ نے اس کی بادشاہی چھین لی ہے۔

یہی باتیں تفصیل سے عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس اس وقت پہنچیں جب ان کا باپ غزوۂ بنی مصطلق سے واپس آرہا تھا اور ابھی شہر میں داخل نہیں ہوا تھا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے میان سے تلوار نکالی اور باپ کے راستے میں کھڑے ہو گئے۔ باپ کی سواری آئی تو اسے روک لیا۔

نیک بخت بیٹے نے باپ سے کہا:

(أَأَنْتَ الَّذِي تَقُولُ لَئِنْ رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ تُرِيدُ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم)

"کیا تم نے یہ بات کہی ہے کہ جب ہم واپس مدینہ طیبہ جائیں گے تو عزت دار ذلیل کو شہر



سے باہر نکال دے گا؟ تمھارا اشارہ رسول اللہ ﷺ کی طرف ہے؟''

اور ایمانی حرارت ملاحظہ فرمایئے کہ بیٹا اپنے باپ سے کہہ رہا ہے:

(وَاللّٰهِ لَا تَدْخُلُ إِلَى الْمَدِينَةِ أَبَدًا حَتَّى تَقُولَ: رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ هُوَ الْأَعَزُّ وَأَنَا الْأَذَلُّ)

'''اللہ کی قسم! تم اس وقت تک مدینہ طیبہ میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک اس بات کا اقرار نہ کرلو کہ رسول اللہ ﷺ عزت دار ہیں اور تم ذلیل ہو۔''

کہنے لگے: تمھاری یہ مجال کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ہرزہ سرائی کرو۔ ہاں، ایک صورت ہے کہ (أَوْ يَأْذَنَ لَكَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ) ''اگر تمھارے بارے میں رسول اللہ ﷺ اجازت دے دیں تو تم مدینہ طیبہ داخل ہو سکتے ہو۔'' رک جاؤ، تم اجازت کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتے۔ اسی دوران میں اللہ کے رسول ﷺ بھی تشریف لے آئے۔ عبداللہ بن ابی نے آپ ﷺ سے اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔ تب بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسے مدینہ طیبہ جانے دیا۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کر رہا ہے: اللہ کے رسول! مجھے پتا چلا ہے کہ آپ میرے والد کے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں۔ آپ حکم دیں تو میں خود ہی اس کا سر کاٹ کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیتا ہوں۔

قارئین کرام! محبت اس کا نام ہے۔ اس کو اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ عقیدت کہتے ہیں۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتا ہے: اللہ کی قسم! سارے خزرج کو معلوم ہے کہ پورے قبیلے کا کوئی آدمی مجھ سے بڑھ کر اپنے والد کا خدمت گار نہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ آپ نے کسی اور کو اس کے قتل کا حکم دیا تو شاید میں برداشت نہ کر پاؤں۔ اپنے باپ کے قاتل کو لوگوں میں چلتا پھرتا دیکھوں گا تو کافر کے بدلے مسلمان کو قتل کر بیٹھوں گا اور جہنم کا مستحق ٹھہروں گا۔

ذرا غور کیجیے کہ بیٹا اپنے منافق باپ کے قتل کی اجازت طلب کر رہا ہے مگر آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کو دیکھیے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

’’اللہ کی قسم! تم اس وقت تک مدینہ طیبہ میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک اس بات کا اقرار نہ کر لو کہ رسول اللہ ﷺ عزت دار ہیں اور تم ذلیل ہو۔‘‘

(بَلْ نَتَرَفَّقُ بِهِ وَ نُحْسِنُ صُحْبَتَهُ مَا بَقِيَ مَعَنَا) ’’بلکہ ہم اس سے نرمی کا برتاؤ کریں گے اور جب تک وہ بظاہر ہمارے ساتھ ہے، اس سے اچھا سلوک ہی کریں گے۔‘‘

قارئین کرام! آپ دیکھیے ایک بیٹے کا مضبوط مؤقف، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے اخلاص، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت و رضا کو باپ کی محبت و رضا پر مقدم رکھنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ایمانِ کامل کی دلیل ہے۔ نیک بخت بیٹے نے باپ سے محبت کی بھی ایک مثال قائم کر دی۔

ذرا اللہ کے رسول ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کو بھی ملاحظہ کیجیے کہ خلق عظیم کے مالک نے بیٹے کے سوال کا جواب بھی کشادہ دلی، درگزر، شفقت اور حسن سلوک کے ساتھ دیا ہے۔ ایسی درگزر کے کیا کہنے!! عظمت اخلاق نبوی اور آپ ﷺ کے جاہ وجلال کی بات ہی کیا ہے!

الرحيق المختوم: 341، و السيرة النبوية للصلابي: 2/269، 270، و البداية والنهاية: 4/366، 368.

انہیں جب بھی دیکھا آنکھیں بے اختیار بہنے لگیں

اللہ کے رسول ﷺ بچوں سے بڑی محبت فرماتے تھے۔ یہ آپ کا اعلیٰ اخلاق تھا کہ آپ بچوں کو چومتے، ان کو گلے لگاتے اور ان سے باتیں کرتے تھے۔ آپ ﷺ اپنے نواسوں کے ساتھ بطور خاص بڑی محبت فرماتے تھے۔ اللہ کے رسول بعض اوقات دن کے پہلے پہر اپنے بعض رشتہ داروں یا ساتھیوں کے گھروں میں تشریف لے جاتے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس واقعے کے راوی ہیں، وہ بیان کرتے ہیں: میں ایک دن مسجد نبوی میں بیٹھا تھا۔ دن روشن ہو چکا تھا، آپ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور اس پر قدرے دباؤ ڈال کر مجھے ایک طرف چلنے کا اشارہ کیا۔ میں آپ کے ہمراہ چل پڑا۔ اللہ کے رسول ﷺ کا رخ اپنی بیٹی سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے گھر کی طرف تھا۔ ان دنوں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا مسجد نبوی کے مشرق میں واقع بنوقینقاع کے بازار کے گردونواح میں رہائش پذیر تھیں۔ بنوقینقاع کا یہ بازار بقیع الغرقد کی طرف تھا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم دونوں خاموشی سے کوئی گفتگو کیے بغیر بازار کے قریب سے گزرے۔ اللہ کے رسول ﷺ بازار میں داخل ہوئے، اسے ایک نظر دیکھا...... پھر وہاں سے چل دیے۔ میں بھی آپ کے ساتھ ساتھ تھا۔ آپ ﷺ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے۔ صحن میں تشریف فرما ہوئے اور ارشاد فرمایا: (أَيْنَ لُكَعُ ؟) ''چھوٹو کدھر ہے؟'' پھر فرمایا: (أَيْنَ لُكَعُ ؟) ''چھوٹو کدھر ہے؟'' پھر تیسری مرتبہ ارشاد ہوا: ''چھوٹو کدھر ہے؟'' یہ الفاظ آپ ﷺ اپنے نواسے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرما رہے تھے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: ادھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے صاحبزادے کو تیار کر رہی تھیں، اس لیے کوئی جواب نہ آیا۔ ہمیں اندازہ ہو گیا کہ وہ سیدنا حسن کو نہلا کر اچھا لباس پہنا رہی ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور میں تھوڑی دیر کے بعد واپس آ گئے۔

جب ہم مسجد میں آئے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما ہونے کے بعد پھر فرمانے لگے: (أَيْنَ لُكَعُ ؟) ''چھوٹو کدھر ہے؟'' تھوڑی دیر گزری تھی کہ سیدنا حسن اپنے گلے میں ہار پہنے ہوئے دوڑتے ہوئے آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیارے نواسے کو دیکھا تو اپنے بازوؤں کو کھولتے ہوئے ان کا استقبال فرمایا۔ ادھر سیدنا حسن نے بھی اپنے بازو پھیلا دیے اور کہا: ایسے، پھر وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں کود گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن کو چوما، اسے اپنے سینے سے لگایا۔ ادھر حسن اپنے ننھے منے ہاتھوں سے داڑھی مبارک سے کھیلنے لگے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن کو چومنا شروع کر دیا۔ پھر سیدنا حسن کے لیے دعا فرمائی: (اَللّٰهُمَّ إِنِّي أُحِبُّهُ فَأَحِبَّهُ وَأَحِبَّ مَنْ يُحِبُّهُ) ''اے اللہ! میں بے شک اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت فرما اور جو اس سے محبت کرے اس سے بھی محبت فرما۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا تین مرتبہ فرمائی۔

صحيح البخاري، حديث:5884.

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے محترم نانا جان اور محبوب نواسے کے درمیان محبت کے اس منظر کو ہمیشہ یاد رکھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے آخری حصے کو وہ کبھی نہیں بھولے: (وَأَحِبَّ مَنْ يُحِبُّهُ) ''جو حسن سے

محبت کرے، اے اللہ! تو بھی اس سے محبت فرما۔" سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل قابل غور ہے کہ وہ جب بھی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو دیکھتے تو فرطِ محبت وعقیدت سے ان کی آنکھوں میں آنسو آجاتے۔ آیئے حدیث میں انھی کے الفاظ پڑھتے ہیں، فرماتے ہیں: (مَا رَأَيْتُ حَسَنًا قَطُّ إِلَّا فَاضَتْ عَيْنَايَ دُمُوعًا) ''میں نے حسن کو جب بھی دیکھا تو میری آنکھیں محبت و عقیدت سے آنسو بہانے لگتیں۔''

مسند البزار: 403/14، حديث: 8155.

قارئین کرام! یہ تھا ہمارے رسول اور ہادی، ہمارے قُدوہ، ہمارے راہنما، سید ولد آدم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق کہ آپ نہایت مصروف ہونے کے باوجود اپنے نواسوں سے بے حد محبت کرتے تھے اور ان کے لیے وقت نکالتے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا حسن کو چوم رہے تھے۔ بنوتمیم کا سردار اقرع بن حابس بھی اس مجلس میں موجود تھا۔ یہ بدو سردار فتح مکہ مکرمہ کے وقت مسلمان ہوا۔ حنین اور غزوہ طائف میں شریک تھا۔ اسے بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین کے مال غنیمت میں سے سو اونٹ عطا فرمائے تھے۔ اس لیے اسے (مُؤَلَّفَةُ الْقُلُوب) میں شامل کیا گیا۔ بدو سرداروں میں سختی اور کھردرا پن زیادہ ہوتا ہے۔ صحرا نشین اپنے بچوں سے کم ہی محبت کرتے ہیں۔ اس نے جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ اپنے نواسے کو چوم رہے ہیں تو کہنے لگا:

(إِنَّ لِي عَشَرَةً مِنَ الْوَلَدِ مَا قَبَّلْتُ مِنْهُمْ أَحَدًا)

''حقیقت یہ ہے کہ میرے دس بچے ہیں، میں نے ان میں سے کسی کو کبھی نہیں چوما۔''

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس بدو سردار کی طرف دیکھ کر فرماتے ہیں: (مَنْ لَا يَرْحَمْ لَا يُرْحَمْ)

''جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جائے گا۔''

صحيح البخاري، حديث: 5997، و صحيح مسلم، حديث: 2318.

عزیز قارئین! یہ تھا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق حسنہ کہ آپ بڑوں اور بچوں سب پر یکساں رحمت و شفقت فرمانے والے تھے۔

بھٹکا ہوا خوش قسمت راہی

ثمامہ بن اثال یمامہ کے علاقے کا حکمران تھا۔ یہ علاقہ آج کل کے سعودی دارالحکومت ریاض کے قرب و جوار میں واقع تھا۔ ثمامہ اسلام دشمنی میں پیش پیش تھا۔ اس نے اللہ کے رسول ﷺ کو معاذ اللہ قتل کرنے کا چیلنج دے رکھا تھا۔ آپ ﷺ نے بھی اللہ سے اس پر قابو پانے کی دعا فرمائی تھی۔



ایک مرتبہ ثمامہ عمرہ کرنے کے ارادے سے نکلا۔ اس کی خوش قسمتی کہ وہ راستہ بھول گیا اور مدینہ طیبہ کے قریب جا نکلا۔ رحمت عالم کے پاس جو بھول کر آ گیا اس کا بھی بیڑا پار ہو گیا اور دائمی کامیابی اس کا مقدر بن گئی۔ مسلمانوں کے حفاظتی دستے ہر وقت مدینہ طیبہ کے اطراف میں گشت کرتے رہتے تھے۔ کوئی مشکوک شخص، دشمن کا کوئی جاسوس یا کوئی کافر برے ارادے سے مدینہ طیبہ کا رخ کرتا تھا تو حفاظتی دستے

اس کے ناپاک ارادے ناکام بنا دیتے تھے۔

ثمامہ ایک حفاظتی دستے کی گرفت میں آ گیا۔ چونکہ یہ شخص اپنے کفر میں معروف تھا اور اسلام دشمنی میں اس کے عزائم ڈھکے چھپے نہ تھے، اس لیے اُسے گرفتار کر کے مسجد نبوی کے ستون سے باندھ دیا گیا۔

ثمامہ کفر میں معروف تھا اور اسلام دشمنی میں اس کے عزائم ڈھکے چھپے نہ تھے، اس لیے اسے گرفتار کر کے مسجد نبوی کے ستون سے باندھ دیا گیا۔

اللہ کے رسول ﷺ کو اس دشمن اسلام کی گرفتاری کی خبر دی گئی۔ آپ تشریف لائے، اُسے دیکھا۔ لمبا قد، خوبصورت چہرہ، توانا جسم، بھرا ہوا سینہ، اکڑی ہوئی گردن، اٹھی ہوئی نگاہیں، تمکنت، شان، شکوہ، سَطوت، صَولت، غرض بڑے حکمرانوں والے تمام عیوب اس کی شخصیت سے عیاں تھے۔

آپ ﷺ آگے بڑھے اور پوچھا: ''ثمامہ کیا حال ہے؟ آخر میرے رب نے مجھے تم پر قابو دے ہی دیا۔''

اس نے نہایت غصے اور تکبر سے جواب دیا: اے محمد (ﷺ)! ٹھیک ہے۔ معاملہ ایسا ہی ہو گیا ہے مگر سنو! اگر تم مجھے قتل کرو گے تو میرے قتل کا بدلہ لیا جائے گا کیونکہ میں کوئی معمولی آدمی نہیں ہوں اور اگر مجھے معاف کر دو گے تو ایک ایسے شخص کو معاف کرو گے جو اس کا شکر گزاری کے ساتھ بدلہ دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ہاں، اگر مال و دولت کی ضرورت ہو تو جتنا چاہو دیا جا سکتا ہے۔

قارئین کرام! ذرا یہاں رک جائیے۔ اس کی گفتگو اور لب و لہجے پر غور فرمائیے کہ وہ تاریخ کی سب سے بڑی شخصیت سے کتنی بے ادبی سے اور کس قدر متکبرانہ انداز میں گفتگو کر رہا ہے۔ دنیا کا کوئی اور حکمران ہوتا تو اسی وقت اس گستاخ کی گردن اڑانے کا حکم دے دیتا، مگر محمد رسول اللہ ﷺ کے حلم، صبر و ثبات، عالی ظرفی اور اعلیٰ اخلاق کے کیا کہنے کہ گستاخانہ گفتگو سننے کے بعد بھی اللہ کے رسول ﷺ نے اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ کوئی سخت بات نہیں فرمائی بلکہ صحابہ کرام کو حکم دیا کہ اس کی ضیافت کرو۔

دوسرا دن ہوا تو پھر اللہ کے رسول ﷺ ثمامہ کے پاس سے گزرے اور دریافت فرمایا: ''ثمامہ کیا حال ہے؟''

اس نے پھر کہا: اے محمد (ﷺ)! خیریت سے ہوں۔

(إِنْ تَقْتُلْنِي تَقْتُلْ ذَا دَمٍ)

''اگر قتل کر دو گے تو یہ ایک ایسے شخص کا قتل ہوگا جس کا خون رائیگاں نہ جائے گا۔''

(وَإِنْ تَعْفُ تَعْفُ عَنْ شَاكِرٍ وَ إِنْ تَسْأَلْ مَالًا تُعْطَهُ)

''اگر معاف کر دو گے تو ایسے شخص کو معاف کرو گے جو شکر گزار ہو گا اور اگر مال چاہتے ہو تو بات کرو، پیش کر دیا جائے گا۔''

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم جیسے مساکین آپس میں گفتگو کرتے تو کہتے تھے: اسے قتل کر کے کیا ملے گا؟ امیر آدمی ہے، اس سے مال ہی لے لینا چاہیے۔ کم از کم کچھ دنوں کے لیے روٹی تو میسر آ جائے گی۔

تیسرا دن ہوا، آج اسی چیز کا فیصلہ ہونا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے پھر پوچھا: ''ثمامہ کس حال میں ہو؟''

اس نے حسب سابق کہا: خیر ہے اور ساتھ ہی اپنے گزشتہ الفاظ دہرا دیے جن میں اس نے بڑے طمطراق سے فخریہ انداز میں اپنے قبیلے کا ذکر کیا، اپنے مال و دولت کی کثرت کا اظہار کیا اور ساتھ ہی دھمکی بھی دے ڈالی۔

صحابہ کرام منتظر ہیں کہ دیکھیں اس گستاخ کو کیا سزا ملتی ہے۔ وہ آپ کی آواز اور حکم کی طرف کان لگائے کھڑے تھے کہ رحمۃ للعالمین ﷺ نے حکم دیا: ''اس کی رسیاں کھول دو۔'' پھر ثمامہ سے فرمایا: ''جاؤ میں تمھیں بغیر کسی شرط کے رہا کرتا ہوں۔''

حکم کی تعمیل ہوئی، ثمامہ کو رہا کر دیا گیا۔

اس نے اپنی سواری پکڑی اور مدینہ طیبہ سے باہر بھاگنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ کے لطف و کرم سے وہ

اپنی جان سلامت لے کر نکل آیا تھا لیکن وہ اپنا دل تو رحمۃ للعالمین کے اعلیٰ اخلاق کے پاس رکھ آیا تھا۔ مسجد نبوی سے باہر نکلتے ہوئے اُسے بے اختیار خیال آیا کہ اتنا برگزیدہ اور اتنا بلند حوصلہ انسان تو میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ میرے الفاظ میں کتنی شدت اور حدّت تھی مگر اس کے باوجود ان کا تحمل ان کے غصے پر غالب آیا اور انھوں نے مجھے رہا کر دیا...... اُردو کے کسی شاعر نے اسی کیفیت کو بیان کیا ہے:

اس نے اپنا بنا کے چھوڑ دیا
کیا اسیری ہے کیا رہائی ہے!

سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ وہ مدینہ طیبہ کے ایک باغ میں گیا، کنویں پر غسل کیا، صاف ستھرے کپڑے پہنے، پھر اس کے قدم خود بخود مسجد نبوی کی طرف بڑھنے لگے۔

اللہ کے رسول ﷺ ابھی تک مسجد نبوی میں ہی تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے اسے دیکھا تو فرمایا:

''ثمامہ! ہم نے تو تمھیں چھوڑ دیا تھا تم پھر چلے آئے؟!''

اُس نے عرض کیا: آپ کا رہا کرنا بھی کیا خوب رہا کرنا ہے۔ آپ نے چھوڑا تو ہے مگر ہمیشہ کے لیے اپنا بنا کر۔ اب میں بادشاہ نہیں آپ کا غلام ہوں۔ میری تمنا ہے کہ مجھے کلمہ پڑھایئے اور اپنے جاں نثاروں میں شامل کر لیجیے۔

اسلام کی نعمت ملنے کے بعد اس نے کہا: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! اس کائنات میں آپ کا چہرہ میرے لیے سب سے زیادہ قابل نفرت تھا۔ آپ کے دین کو میں نہایت برا سمجھتا تھا۔ آپ کا شہر میرے لیے سب سے زیادہ ناپسندیدہ تھا۔ مگر اب آپ ﷺ کے دامان رحمت میں آ جانے کے بعد آپ ﷺ کا چہرہ مجھے کائنات کے سب چہروں سے زیادہ محبوب ہے۔ دنیا کا کوئی دین آپ کے دین سے بہتر اور افضل نہیں۔ آپ کی یہ بستی روئے زمین کی ساری بستیوں کے مقابلے میں میرے لیے محبوب ترین ہے۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔

ثمامہ رضی اللہ عنہ عرض کر رہا ہے: اللہ کے رسول! میں عمرے کی نیت سے گھر سے نکلا تھا۔ اب جبکہ میں مسلمان ہو گیا ہوں، مجھے عمرے کی اجازت عطا فرمائیں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے اس کی تربیت فرمائی اور عمرے کا صحیح طریقہ بتایا۔ وہ مکہ مکرمہ چل دیا۔

ثمامہ رضی اللہ عنہ عرب کے نمایاں افراد میں سے تھا۔ مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران وہ اللہ کے رسول ﷺ کی صفات اور اسلام کے حوالے سے مجالس میں گفتگو کرتا رہا۔ کفار کے لیے یہ باتیں بہت تکلیف دہ تھیں، چنانچہ انھوں نے کہا: (صَبَأَ ثُمَامَةُ) ''ثمامہ بے دین ہو گیا۔'' اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں بے دین نہیں ہوا بلکہ میں مسلمان ہو گیا ہوں اور میں نے محمد ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی ہے۔

اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں ثمامہ کی جان ہے! یمامہ سے گندم کا ایک دانہ بھی اب محمد ﷺ کی اجازت کے بغیر مکہ مکرمہ میں نہیں آئے گا۔

اپنے وطن پہنچ کر اس نے اپنی بات پر عمل کیا اور مکہ مکرمہ کو اناج کی سپلائی بند کر دی۔ مکہ مکرمہ میں قحط کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اہل مکہ مکرمہ نے اللہ کے رسول ﷺ کو خط لکھا جس میں اپنی قرابت کا واسطہ دیا اور درخواست کی کہ ثمامہ رضی اللہ عنہ کے نام یمامہ سے گندم کی ترسیل کے لیے حکم نامہ جاری فرمائیں۔

قارئین کرام! یہاں تھوڑی دیر کے لیے رک جائیے اور غور کیجیے کہ اللہ کے رسول ﷺ کس قدر عالی ظرف اور اعلیٰ اخلاق والے تھے کہ باوجود اہل مکہ مکرمہ کے زبردست مظالم کے آپ نے ثمامہ رضی اللہ عنہ کو پیغام بھجوایا کہ اہل مکہ مکرمہ کے لیے گندم کی سپلائی بحال کر دیں۔ کیا ایسے نادر اور اعلیٰ اخلاق کی دنیا میں کوئی اور مثال نظر آتی ہے؟

صحیح البخاري، حدیث: 4372، وفتح الباري: 8/109-111، وزاد المعاد: 3/277، والسیرة النبویة لابن هشام: 4/295,296.



13 اخلاق نبوی

پیارے بچے! جاؤ میرا کام تو کر کے آؤ

اللہ کے رسول ﷺ جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو مختلف گھرانوں نے آپ کی خدمت میں تحائف پیش کیے۔ انصاری گھرانوں میں ایک خاتون کا نام ام سلیم رضی اللہ عنہا تھا۔ بنو نجار سے تعلق رکھنے والی بڑی ذہین و فطین، سمجھدار اور اعلیٰ اخلاق کی مالک یہ خاتون اللہ کے رسول ﷺ سے شدید عقیدت و محبت رکھتی تھیں۔ سیرت نگاروں کے مطابق یہ اللہ کے رسول کے ننھیالی رشتہ داروں میں سے تھیں۔ اس خاتون نے محسوس کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ کے گھر میں چھوٹے موٹے کام کرنے والا کوئی خادم نہیں ہے۔

قارئین کرام! آپ کو معلوم ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی نرینہ اولاد زندہ نہ رہی تھی، آپ ﷺ کے تینوں بیٹے بچپن ہی میں وفات پا گئے تھے؛ چنانچہ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا اپنے دس سالہ بیٹے سیدنا انس بن

مالک رضی اللہ عنہا کو لے کر اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔عرض کیا: اللہ کے رسول! میرے اس چھوٹے بیٹے انس کو بطور خادم قبول فرمالیں۔ یہ آپ کے روزمرہ کے کام کردیا کرے گا۔واہ واہ! سیدہ کی خوش قسمتی کے کیا کہنے کہ آپ ﷺ نے انس کو اپنی خدمت کے لیے قبول فرمالیا۔انس خادم رسول کے لقب سے معروف ہوئے۔ یہ آپ کے گھر کے چھوٹے موٹے کام کردیا کرتے تھے۔آپ ﷺ نے کسی کو کوئی پیغام بھجوانا ہوتا یا کسی کو بلوانا ہوتا تو ننھے انس کے ذمّے لگادیتے۔سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

(كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ خُلُقًا)

''اللہ کے رسول ﷺ سب لوگوں میں بہترین اخلاق کے مالک تھے۔''

ایک دن آپ ﷺ نے مجھے کسی کام کے لیے بھیجنا چاہا تو میں نے کہا: (وَاللّٰهِ لَا أَذْهَبُ) ''اللہ کی قسم! میں تو نہیں جاؤں گا۔'' کہتے ہیں: میں گھر سے نکلا تو دیکھا سامنے بازار میں لڑکے کھیل رہے تھے، میں بھی ان کے پاس کھڑا ہوگیا۔تھوڑی دیر گزری کہ اللہ کے رسول ﷺ تشریف لائے اور آپ ﷺ نے میری پشت کو پکڑ لیا۔حدیث کے الفاظ ہیں: آپ ﷺ میرے دونوں کندھوں پر اپنے دست مبارک رکھے ہوئے مسکرا رہے تھے۔انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے آپ ﷺ کی طرف دیکھا

(وَهُوَ يَضْحَكُ) ''آپ ﷺ ہنس رہے تھے۔''

آپ نے ارشاد فرمایا:

(يَا أُنَيْسُ اذْهَبْ حَيْثُ أَمَرْتُكَ......)

آپ نے بڑی محبت سے انس کے بجائے انیس کہہ کر پکارا کہ ''انس میرے پیارے بچے! میں نے تمھیں جہاں جانے

> انس رضی اللہ عنہ خادم رسول کے لقب سے معروف ہوئے۔آپ ﷺ نے کسی کو کوئی پیغام بھجوانا ہوتا یا کسی کو بلوانا ہوتا تو ننھے انس کے ذمّے لگادیتے۔

کے لیے کہا تھا وہاں چلے جاؤ۔" میں نے عرض کی: ہاں! اب میں جاؤں گا۔ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے کام کے لیے چلے گئے۔

صحيح مسلم، حديث: 2310، و سنن أبي داود، حديث: 4775.

قارئین کرام! ذرا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ پر غور فرمائیں کہ آپ نے اپنے خادم خاص کو نہ تو ڈانٹا' نہ ناراض ہوئے' نہ سخت الفاظ استعمال کیے بلکہ آپ انس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ اسی لیے تو سیدنا انس رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ کی گواہی دیتے ہوئے کہتے ہیں:

(وَاللّٰهِ لَقَدْ خَدَمْتُهُ سَبْعَ سِنِينَ......) اور ایک دوسری روایت کے مطابق (تِسْعَ سِنِينَ) "اللہ کی قسم! میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سات یا نو سال خدمت کی، اس دوران میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ نے مجھے کسی بھی کام پر یہ فرمایا ہو کہ تم نے ایسا کیوں کیا یا میں نے کسی چیز کو چھوڑا ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو:

(هَلَّا فَعَلْتَ كَذَا وَكَذَا) "تم نے ایسا کیوں نہ کیا۔"

صحيح مسلم، حديث: 2309.

قارئین کرام! یہ تھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ اخلاق کی ایک جھلک کہ آپ نے کبھی اپنے نوکر، ملازم یا غلام کو نہ تو مارا نہ کبھی اس پر ناراض ہوئے۔

سات کافروں کو جہنم رسید کر کے شہید ہونے والا مجاہد

اللہ کے رسول ﷺ کے ایک پیارے انصاری صحابی کا نام جلیبیب رضی اللہ عنہ تھا۔ ہم ان کا ذکر پہلے کر چکے ہیں۔ یہ زیادہ خوبصورت بھی نہ تھے اور ان کا قد بھی بڑا نہ تھا اور نہ ہی خاندان معروف تھا۔ مال و دولت بھی پاس نہ تھی مگر یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے شدید محبت کرتے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا اعلیٰ اخلاق تھا کہ آپ بھی اپنے اس ساتھی سے بے حد محبت فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کسی غزوہ میں تشریف لے گئے، لشکر میں سیدنا جلیبیب رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ جنگ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی۔ جنگ کے اختتام پر صحابہ کرام اپنے اپنے عزیزوں، رشتہ داروں اور دوستوں کو تلاش کرنے لگے کہ ان کا کیا حال ہے؟ کہیں وہ زخمی یا شہید تو نہیں ہو گئے۔ ادھر اللہ کے رسول ﷺ بھی کسی کو تلاش کر رہے تھے۔ آپ نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا: (هَلْ تَفْقِدُونَ مِنْ أَحَدٍ؟) ''دیکھو تمھارا کوئی ساتھی بچھڑ تو نہیں گیا؟'' صحابہ کرام نے عرض کی: فلاں فلاں شخص موجود نہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے پھر پوچھا: (هَلْ تَفْقِدُونَ مِنْ أَحَدٍ؟) ''کیا تم کسی اور کو گم پاتے ہو؟'' عرض کی گئی: نہیں یا رسول اللہ! ارشاد فرمایا: (لٰكِنِّي أَفْقِدُ جُلَيْبِيبًا فَاطْلُبُوهُ) ''لیکن مجھے میرا جلیبیب نظر نہیں آ رہا، جاؤ اسے تلاش کرو۔'' صحابہ کرام میدان جنگ میں چلے گئے۔ شہداء اور زخمیوں میں جلیبیب کو تلاش کرتے رہے، میدان کے ایک کونے میں جلیبیب نظر آئے۔

وہ منظر بڑا عجیب اور خوبصورت تھا کہ ان کی نعش کے اردگرد سات کافروں کی لاشیں تھیں۔ وہ ان

سات کافروں سے اکیلے لڑتے رہے۔ ان ساتوں کو جہنم رسید کر کے شہید ہو گئے۔ ایک صحابی رسول دوڑتے ہوئے گئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! جلیبیب مل گئے ہیں مگر اس حالت میں ملے کہ ان کی نعش کے ارد گرد سات کافروں کی لاشیں ہیں۔

رؤوف و رحیم نبی ﷺ خود چل کر موقع پر تشریف لے گئے۔ کتنا پیارا اور خوبصورت منظر ہوگا کہ انبیاء کے امام نے ایک عام صحابی کو اتنی اہمیت دی۔ اللہ کے رسول ﷺ تشریف لائے، اپنے ساتھی کی نعش کے پاس کھڑے ہوئے، منظر کو دیکھا اور ارشاد فرمایا: (قَتَلَ سَبْعَةً ثُمَّ قَتَلُوهُ) "اس نے سات کو قتل کیا پھر دشمنوں نے اسے قتل کر دیا۔" (هٰذَا مِنِّي وَأَنَا مِنْهُ) "یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔" (هٰذَا مِنِّي وَأَنَا مِنْهُ) "یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔"

شہداء کو دفنانے کا مرحلہ درپیش ہے۔ قبریں کھودی جا چکی تھیں۔ دیگر شہداء کو دفن کیا جا رہا تھا اور اب باری جلیبیب رضی اللہ عنہ کی تھی۔ اللہ کے رسول ﷺ آگے بڑھے، اپنے مبارک ہاتھوں سے جلیبیب کو اٹھایا۔ جلیبیب رضی اللہ عنہ کی شان تو دیکھیے کہ اللہ کے رسول نے ان کی نعش کو اکیلے ہی اٹھایا ہوا ہے۔ صرف آپ ﷺ کے دونوں بازوؤں کا سہارا جلیبیب رضی اللہ عنہ کو میسر ہے۔ اللہ کے رسول اپنے دست مبارک سے اپنے اس محبّ کو لحد میں اتار رہے ہیں۔ صحيح مسلم، حديث:2472، و مسند أحمد:421/4، حديث:19793.

قارئین کرام! کبھی آپ نے ایسا قائد اور لیڈر دیکھا جو اپنے ایک عام ساتھی کے ساتھ اس طرح محبت کرنے والا ہو۔

﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴾

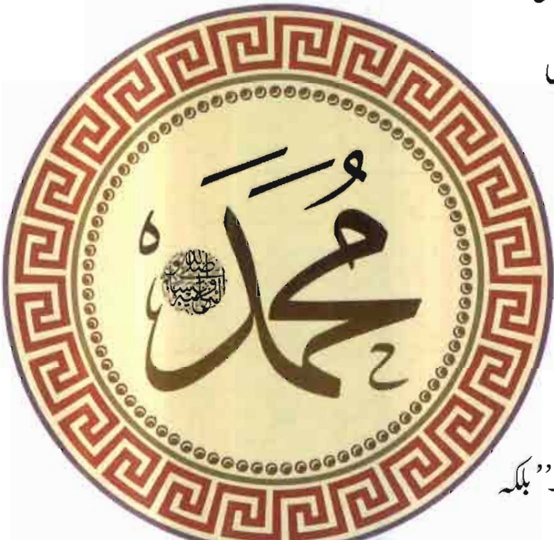
"یقیناً تمھارے پاس تمھی میں سے ایک رسول آیا ہے، تم پر مصیبت آئے تو اس پر گراں گزرتی ہے۔ وہ تمھاری بھلائی کا حریص ہے، مومنوں کے ساتھ بہت نرمی کرنے والا اور بہت رحم دل ہے۔" التوبة 9 / 128.

خوش نصیب شہسوار

اللہ کے رسول ﷺ کو اپنے نواسوں سے شدید محبت تھی۔ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے دونوں صاحبزادے سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما جنت کے پھول ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں (سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ) کا لقب دیا کہ وہ دونوں جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔ ان کو اپنی گود میں بٹھاتے، ان کو چومتے اور ان کے لیے دعا فرماتے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے ایک صحابی کا نام شداد بن الہاد تھا۔ ان کی اہلیہ کا نام سلمٰی بنت عمیس تھا جو سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی سگی ہمشیرہ تھیں۔ سیدہ اسماء کی شادی یکے بعد دیگرے سیدنا جعفر طیار، سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہوئی تھی۔ سلمٰی رضی اللہ عنہا ام المؤمنین سیدہ میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کی ماں جائی بہن بھی تھیں۔ اس رشتے کی مناسبت سے شداد اللہ کے رسول ﷺ اور ان تینوں جلیل القدر صحابہ کرام کے ہم زلف بھی ہوئے۔ شداد بن الہاد اس واقعے کے راوی ہیں کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ ظہر یا عصر کی نماز پڑھانے کے لیے مسجد میں تشریف لائے۔ آپ نے اپنے دونوں نواسوں سیدنا حسن اور سیدنا حسین میں سے کسی ایک کو نیچے بٹھا دیا۔ پھر آپ ﷺ نے اللہ اکبر کہہ کر نماز پڑھانی شروع کر دی۔

ادھر جب آپ نے سجدہ کیا تو آپ کے یہ نواسے پشت مبارک پر چڑھ گئے اور کھیلنا شروع کر دیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے سجدہ لمبا کر دیا۔ شداد کہتے ہیں: جب آپ کا سجدہ غیر معمولی لمبا ہو گیا تو ہمیں فکر لاحق ہو گئی کہ اللہ نہ کرے کہیں کوئی حادثہ تو نہیں گزر گیا۔ کہتے ہیں:

میں نے اپنا سر سجدہ سے اٹھا کر دیکھا کہ ایک بچہ اللہ کے رسول ﷺ کی پشت پر سوار ہے اور آپ سجدہ کی حالت میں ہیں۔ شداد کہتے ہیں کہ میں نے دوبارہ اپنا سر سجدہ میں رکھ لیا۔ ادھر جب اللہ کے رسول ﷺ نے نماز ختم کی، سلام پھیرا تو لوگوں نے عرض کی:



اللہ کے رسول ﷺ آج آپ نے غیر معمولی طور پر اپنی عادت کے برعکس بہت زیادہ لمبا سجدہ کیا۔ ہمیں خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ کہیں کوئی حادثہ نہ پیش آ گیا ہو یا ممکن ہے آپ پر وحی نازل ہو رہی ہو۔ رحمتِ کائنات نے فرمایا:

(كُلُّ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ) ''ایسا کچھ نہیں ہوا۔''
یعنی نہ تو کوئی حادثہ ہوا اور نہ ہی وحی کا نزول ہوا۔ ''بلکہ میرا بیٹا میری پشت پر سوار کھیل رہا تھا۔''

(فَكَرِهْتُ أَنْ أُعَجِّلَهُ حَتّٰى يَقْضِيَ حَاجَتَهُ)

''میں نے مناسب نہ سمجھا کہ میں جلدی سے سر کو سجدہ سے اٹھاؤں، بچہ کھیل رہا تھا، میں نے چاہا کہ اسے کھیلنے دوں حتی کہ وہ اپنا شوق پورا کر لے۔''

سنن النسائي، حديث: 1142، و مسند أحمد: 493/3، حديث: 16076.

تم ایسا نہ کرتے تو آگ تمہیں اچک لیتی

اللہ کے رسول ﷺ کی حیات طیبہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سیرت واخلاق میں اعلیٰ اور اکمل تھے۔ آپ ﷺ نے تمام لوگوں کو ان کے حقوق عطا فرمائے۔ خصوصاً ضعیفوں، کمزوروں اور غلاموں کے ساتھ آپ کا سلوک بے حد عمدہ تھا۔ آپ ﷺ نے ساری زندگی کسی غلام کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا:

(إِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ أَيْدِيكُم)

''تمھارے یہ خدام تمھارے بھائی ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے تمھارے ماتحت کر دیا ہے۔''

اب تمھارا ان کے ساتھ سلوک ایسا ہونا چاہیے کہ

(فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ)

''جس کسی کا بھائی اس کے ماتحت ہو تو اسے چاہیے کہ جو وہ خود کھاتا ہو وہ اسے بھی کھلائے اور جیسا خود پہنے ویسا ہی اسے بھی پہنائے۔''

صحيح البخاري، حديث: 30، و صحيح مسلم، حديث: 1661۔

> دور جاہلیت میں غلاموں کے کوئی حقوق نہ تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے غلاموں کو حقوق عطا فرمائے۔

اگر ہم دور جاہلیت کے غلاموں کی زندگی پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے کوئی حقوق نہ تھے۔ ان کے ساتھ جانوروں جیسا سلوک کیا جاتا تھا، مگر اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی کو دیکھیں کہ آپ نے غلاموں کو معاشرے میں اعلیٰ مقام عطا فرمایا۔ عربوں کے ہاں اگر کوئی غلام آزاد بھی ہو جاتا تھا تو اسے ''مولیٰ'' کہا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا عیب تصور کیا جاتا تھا۔ مگر اللہ کے رسول ﷺ کے اخلاق اور آپ کی رحمت ملاحظہ فرمائیں کہ آپ نے غلاموں کو حقوق عطا کرتے ہوئے فرمایا:

غلاموں کو اس سے زیادہ عزت اور شرف کیا دیا جا سکتا ہے کہ آپ نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کا نکاح اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے کر دیا۔

(وَلَا تُكَلِّفُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُم فَأَعِينُوهُمْ)

''ان کی طاقت سے بڑھ کر ان پر کام کا بوجھ نہ ڈالو، لیکن اگر تم اپنے نوکروں یا غلاموں کو اس طرح کا مشقت والا کام کہہ دو تو پھر اس کے پورا کرنے میں ان کی خود بھی مدد کرو۔''

صحيح البخاري، حديث: 30، و صحيح مسلم، حديث: 1661.

قارئین کرام! غلاموں کو اس سے زیادہ عزت اور شرف کیا دیا جا سکتا ہے کہ آپ نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کا نکاح اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے کر دیا اور ان کے بیٹے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کا نکاح خاندان قریش کی ایک خاتون فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے کر دیا تھا۔ اب ذرا اس طرف آئیے کہ جہاں غلاموں کو ان کی طاقت سے زیادہ کام لینے سے روکا، وہیں ان کو مارنے سے سختی سے منع فرمایا۔ صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص اپنے غلام کو مارے گا اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اسے آزاد کر دے۔''

صحيح مسلم، حديث: 1657.



امام مسلم یہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ صحابیِ رسول سوید بن مقرن رضی اللہ عنہ کا ایک بیٹا تھا جس کا نام معاویہ تھا۔ اس نے ایک مرتبہ اپنے کسی غلام کو تھپڑ مار دیا اور گھر سے باہر چلا گیا۔ جب واپس آ کر اس نے اپنے باپ کے ساتھ نماز ظہر ادا کی تو سوید رضی اللہ عنہ نے غلام کو بھی بلا لیا اور بیٹے کو بھی اپنے پاس طلب کیا۔ غلام سے فرمایا: میرے اس بیٹے سے بدلہ لے لو۔ غلام نے کہا: میں معاف کرتا ہوں۔ سیدنا سوید کہنے لگے: ہمارا حال اللہ کے رسول کے زمانے میں یہ تھا کہ ہمارے کسی شخص نے اپنی ایک لونڈی کو مارا تو اللہ کے رسول ﷺ نے حکم جاری فرمایا کہ اس لونڈی کو آزاد کر دیا جائے۔ آپ سے عرض کی گئی: اللہ کے رسول! ان کے پاس اس کے سوا تو کوئی دوسری لونڈی یا غلام ہے ہی نہیں۔ ارشاد فرمایا: (فَلْيَسْتَخْدِمُوهَا) ''وہ اس سے وقتی طور پر خدمت لیتے رہیں۔'' (فَإِذَا اسْتَغْنَوْا عَنْهَا فَلْيُخَلُّوا سَبِيلَهَا) ''جب ان کی ضرورت پوری ہو جائے تو فوری طور پر اس کی راہ چھوڑ دیں۔'' یعنی اسے آزاد کر دیں۔

صحيح مسلم، حديث: 1658.

اللہ کے رسول ﷺ نے تو انسانیت کو یہ شرف بخشا کہ غلاموں کو عزت و احترام دیا۔ ان کے حقوق کی ادائیگی کے لیے قواعد و قوانین وضع فرمائے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ ان کو حقوق دیتے ہوئے یہاں تک فرماتے رہے:

(لَا يَقُلْ أَحَدُكُمْ: أَطْعِمْ رَبَّكَ، وَضِّئْ رَبَّكَ، أَسْقِ رَبَّكَ..........)

''تم میں سے کوئی اپنے غلام کو یوں نہ کہے: اپنے رب کو کھانا کھلاؤ، اپنے رب کو وضو کرواؤ، اپنے رب

کو پانی پلاؤ بلکہ اس کے بجائے یوں کہے: (سَيِّدِي وَمَوْلَايَ) ''میرے سردار اور میرے دوست، اسی طرح کوئی شخص (عَبْدِي) 'میرا غلام' اور (أَمَتِي) 'میری لونڈی' نہ کہے بلکہ کہے: (فَتَايَ وَفَتَاتِي وَغُلَامِي) 'میرے جوان، میری لڑکی یا میرے لڑکے۔'

صحيح البخاري، حديث:2552.

قارئین کرام! آیئے اللہ کے رسول ﷺ کی حیات طیبہ سے ایک واقعہ پڑھتے ہیں جس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ اسلام میں غلاموں کے حقوق کیا ہیں۔

ابو مسعود انصاری اللہ کے رسول ﷺ کے صحابی ہیں۔ ایک دن غلام نے کوئی غلط کام کر دیا۔ ان کو غصہ آ گیا۔ کہتے ہیں: (كُنْتُ أَضْرِبُ غُلَامًا لِي) ''میں ایک دن اپنے غلام کو مار رہا تھا۔'' میں نے اپنے پیچھے سے ایک آواز سنی: (اعْلَمْ، أَبَا مَسْعُودٍ! أَنَّ اللّٰهَ أَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَى هٰذَا الْغُلَامِ) ''ابو مسعود! جتنا تمھیں اس غلام پر اختیار ہے اللہ تعالیٰ کو اس سے کہیں زیادہ تم پر اختیار حاصل ہے۔'' میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو یہ بات فرمانے والے اللہ کے رسول ﷺ تھے۔

قارئین کرام! ابو مسعود کو اپنی غلطی کا فوری احساس ہو گیا کہ غلام کو مارنا ایک غلط کام ہے۔ فرماتے ہیں: میں نے معاملے کی نزاکت کو بھانپ کر ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر عرض کیا:

(هُوَ حُرٌّ لِوَجْهِ اللّٰهِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ!)

''اللہ کے رسول! میں اپنے اس غلام کو اللہ کی رضا کے لیے آزاد کرتا ہوں۔''

اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(أَمَا لَوْ لَمْ تَفْعَلْ لَلَفَحَتْكَ النَّارُ أَوْ لَمَسَّتْكَ النَّارُ)

''یاد رکھو! اگر تم یہ کام نہ کرتے تو آگ تمھیں جھلسا دیتی یا آگ تمھیں لگ جاتی۔''

صحيح مسلم، حديث: 1659.



17 اخلاق نبوی

وہ آجائے اسے ہماری طرف سے امان ہے

امیہ بن خلف سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا آقا تھا۔ یہ انھیں مکہ مکرمہ میں بے حد تکلیفیں پہنچایا کرتا تھا۔ بدر کے روز امیہ اور اس کا بیٹا علی سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اور انصار صحابہ کے ہاتھوں واصل جہنم ہوئے۔ اس کے بیٹے صفوان کو ان کے قتل کی خبر ملی تو اسے یقین نہ آیا۔ جب ان کے قتل کی تصدیق ہوگئی تو اس نے عمیر بن وہب کے ساتھ مل کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش تیار کی جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل وکرم سے ناکام بنا دیا۔ اس کے بعد اس نے اپنی ساری زندگی اسلام کے خلاف سازشوں اور مخالفت میں گزار دی۔ جب مسلمان فتح مکہ مکرمہ کے لیے آئے تو ان کا مقابلہ کرنے کے لیے چند سر پھرے نوجوانوں میں صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل پیش پیش تھے۔ ان کے ساتھ مکہ مکرمہ میں کیا ہوا؟ ایک مختصر سا واقعہ پڑھنے کے بعد ہم آگے بڑھیں گے۔

بنو بکر سے تعلق رکھنے والا حماس بن قیس، مکہ مکرمہ کا ایک مشرک، کئی دنوں سے اپنے ہتھیار تیار کر رہا تھا تا کہ رحمت دو عالم ﷺ اور ان کی سپاہ کا مقابلہ کر سکے۔ فتح مکہ مکرمہ کے روز صبح سویرے اپنی بیوی سے کہنے لگا: تھوڑا سا انتظار کرو، میں آج تمھارے لیے محمد ﷺ کے ساتھیوں میں سے ایک کو غلام بنا کر لاؤں گا۔ حماس خندمہ کے علاقے کی طرف جا رہا تھا جہاں صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل اپنے لشکر کے ساتھ موجود تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کو روکنے کی ناکام کوشش کی اور جلد ہی بری طرح شکست کھا کر بھاگ گئے۔ تھوڑی دیر گزری تو حماس بڑی سراسیمگی اور حواس باختگی کی حالت میں گھر پہنچا۔ اپنی بیوی کو آواز دی: بی بی! جلدی سے دروازہ بند کر دو۔

سونتی ہوئی تلواروں سے ہمارا استقبال کیا گیا جو کلائیاں اور کھوپڑیاں یوں کاٹ رہی تھیں کہ پیچھے سوائے شور وغوغا اور آہ وفغاں کے کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔

بیوی نے طنزاً پوچھا: ارے وہ تمھارا غلام کہاں ہے؟ وہ بولا: نیک بخت! آج خندمہ میں جو کچھ ہوا ہے وہ تم نے دیکھا ہوتا تو تم مجھ سے ادنیٰ سی ملامت کی بات بھی نہ کرتیں، جبکہ صفوان اور عکرمہ جیسے جری سردار بھاگ کھڑے ہوئے۔ سونتی ہوئی تلواروں سے ہمارا استقبال کیا گیا جو کلائیاں اور کھوپڑیاں یوں کاٹ رہی تھیں کہ پیچھے سوائے شور وغوغا اور آہ وفغاں کے کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔

الروض الأنف: 4/163-166، والرحيق المختوم، ص: 409، 410، والسيرة النبوية لابن هشام: 4/50.

قارئین کرام! اوپر آپ پڑھ چکے ہیں کہ صفوان مکہ مکرمہ سے بھاگ گیا۔ یہ جنگی مجرم تھا۔ اس کے جرائم کی فہرست بڑی لمبی تھی، مگر اللہ کے رسول ﷺ کی حکمت عملی اور اعلیٰ اخلاق دیکھیے کہ آپ نے ان جنگی مجرموں کو بھی معاف کر دیا۔

قارئین کرام! جب ہم سیرت پاک کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ

نے ہر موقع پر عفو و درگزر سے کام لیا اور بڑے بڑے مجرموں کو بھی معاف کر دیا۔ صفوان کے ساتھ کیا ہوا؟ آیئے جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ صفوان مکہ مکرمہ سے بھاگا تو سیدھا جدہ کا رخ کیا۔ اس کی خواہش اور بھرپور کوشش تھی کہ اسے کوئی کشتی یا بحری جہاز مل جائے جو اسے یمن پہنچا دے۔ عمیر بن وہب اس کا چچا زاد بھائی تھا جو رسول اللہ ﷺ کے حسن سلوک سے متأثر ہو کر سن دو ہجری میں مدینہ طیبہ میں مسلمان ہو گیا تھا۔ صفوان کو جب عمیر رضی اللہ عنہ کے اسلام کے بارے میں علم ہوا تو اس نے قسم کھائی تھی کہ وہ ساری زندگی عمیر سے بات نہیں کرے گا۔ اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں سے محبت تو ہوتی ہی ہے۔ عمیر رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا کہ صفوان اپنی حرکات کے باعث آگ سے کھیل رہا ہے۔ وہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صفوان کے لیے امان طلب کی، عرض کی: اللہ کے رسول! صفوان اپنی قوم کا سردار ہے وہ ڈر کے مارے بھاگ گیا ہے۔ ارشاد فرمایا: ”صفوان آ جائے اسے ہماری طرف سے امان ہے۔“



عمیر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! اس کے جرائم بہت زیادہ ہیں۔ ہو سکتا ہے اسے اعتبار نہ آئے، اس کے لیے کوئی نشانی عطا فرما دیں۔ آپ ﷺ نے اپنی چادر مبارک اور دوسری روایات کے مطابق اپنا عمامہ مبارک اتار کر عمیر رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا جسے آپ نے مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے وقت پہن رکھا تھا۔ عمیر رضی اللہ عنہ جدہ پہنچتے ہیں۔ صفوان کوئی عام آدمی نہ تھا۔ یہ مکہ مکرمہ کے معروف سرداروں اور سرمایہ داروں میں سے تھا۔ صفوان کشتی کی تلاش میں تھا۔ عمیر رضی اللہ عنہ اس کے پاس پہنچتے ہیں۔ صفوان انھیں دیکھتے ہی چلّایا: (أُغْرُبْ عَنِّي فَلَا تُكَلِّمْنِي) ”مجھ سے دور ہو جاؤ اور میرے ساتھ بات نہ کرو۔“

عمیر رضی اللہ عنہ بڑی حکمت سے کام لیتے ہیں اور نہایت خوبصورت انداز اپناتے ہوئے کہتے ہیں:

(أَيْ صَفْوَانُ! فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي) ''ارے صفوان! میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں۔'' (اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِي نَفْسِكَ أَنْ تُهْلِكَهَا) ''اللہ کے لیے دیکھو! کیوں اپنی جان کے درپے ہو، اسے کیوں ہلاکت میں ڈالنا چاہتے ہو؟'' یہ دیکھو نبی ﷺ کا عمامہ مبارک۔ یہ اللہ کے رسول ﷺ کی امان ہے۔ میں ان سے تمھارے لیے معافی نامہ لے کر آیا ہوں۔ صفوان نے غصے کا اظہار کیا۔ اس نے قسم کھائی تھی کہ ساری زندگی عمیر سے بات نہیں کرے گا۔ ادھر عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ کی یہ حکمت کہ وہ نہایت محبت و ہمدردی سے صفوان سے دوبارہ کہہ رہے ہیں: (أَيْ صَفْوَانُ! فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي) ''صفوان! میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں۔'' (هُوَ أَفْضَلُ النَّاسِ) ''وہ دنیا کی افضل ترین شخصیت ہیں۔'' (وَأَبَرُّ النَّاسِ) ''لوگوں کے ساتھ سب سے زیادہ نیکی کرنے والے۔'' (وَأَحْلَمُ النَّاسِ) ''سب سے زیادہ حلیم اور حوصلہ مند شخصیت۔'' (وَخَيْرُ النَّاسِ) ''اور لوگوں میں بہترین شخصیت۔'' (ابْنُ عَمِّكَ) ''سنو! وہ تمھارے چچازاد بھائی ہیں۔'' (عِزُّهُ عِزُّكَ) ''ان کی عزت اصل میں تمھاری ہی عزت ہے۔'' (وَشَرَفُهُ شَرَفُكَ) ''ان کی سربلندی دراصل تمھاری ہی سربلندی ہے۔'' (وَمُلْكُهُ مُلْكُكَ) ''ان کی بادشاہی دراصل تمھاری ہی بادشاہی ہوگی۔''

> اللہ کے رسول ﷺ! صفوان اپنی قوم کا سردار ہے وہ ڈر کے مارے بھاگ گیا ہے۔ ارشاد فرمایا: ''صفوان آجائے اسے ہماری طرف سے امان ہے۔''

صفوان امام کائنات ﷺ کی یہ ساری صفات سن رہا تھا، برف پگھل رہی تھی، اس کی نخوت ختم ہو رہی تھی، ذہن تبدیل ہو رہا تھا مگر دل میں کچھ خدشات تھے۔ جنھیں وہ اپنی زبان پر لے آیا، کہنے لگا: إِنِّي أَخَافُ عَلَى نَفْسِي ''درحقیقت مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔''

قارئین کرام! صفوان کو اپنے جرائم کی شدت کا اندازہ تھا۔ اس نے سوچا ہوگا کہ ہوسکتا ہے مسلمان


جدہ کی موجودہ بندرگاہ

میرے ساتھ نرمی کا معاملہ نہ کریں۔ ممکن ہے وہ مجھے بہانے سے مکہ مکرمہ لے جائیں اور وہاں لے جا کر قتل کر دیں، اس لیے اس نے خدشہ ظاہر کیا کہ اسے اپنی جان کا ڈر ہے، مگر عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ نے اسے تسلی دینے کے لیے جن الفاظ کا انتخاب کیا ان سے بھی ہمارے پیارے نبی کے اعلیٰ اخلاق کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

عمیر رضی اللہ عنہ بولے: (هُوَ أَحْلَمُ مِنْ ذَاكَ وَأَكْرَمُ) ''وہ تمھارے تصورات اور سوچوں سے کہیں زیادہ بردبار، حوصلہ منداور کرم و بخشش والے ہیں۔'' صفوان نے عمیر رضی اللہ عنہ کی گفتگو سنی تو اسے تسلی ہوگئی اور وہ ان کے ہمراہ مکہ مکرمہ لوٹ گیا۔ مکہ مکرمہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ہمراہ بیت اللہ ہی میں تشریف فرما تھے۔ صفوان اپنے گھوڑے پر سوار پہنچا اور سواری پر بیٹھے بیٹھے پوچھا: محمد! یہ عمیر بن وہب میرے پاس آیا ہے اور اس کا کہنا ہے کہ آپ نے مجھے امان دے دی ہے؟ صفوان کی کنیت ابو وہب تھی، اور عربوں کی عادت ہے کہ جب کسی کو عزت دینا مقصود ہو تو اس کو کنیت سے بلاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہاں ابو وہب! عمیر سچ کہتا ہے۔''

صفوان کہنے لگا: پھر مجھے دو ماہ کی مہلت دیں تا کہ میں سوچ بچار کرلوں۔ رحیم و شفیق، سراپا عفو و کرم، اعلیٰ اخلاق والے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: (اِنْزِلْ يَا أَبَا وَهْبٍ) ''ابو وہب! تم گھوڑے سے نیچے تو اترو۔'' صفوان نے کہا: اللہ کی قسم! میں ہرگز نہیں اتروں گا جب تک آپ میرے سامنے وضاحت نہ

کریں۔امام الانبیاء ﷺ نے فرمایا:(انْزِلْ وَلَكَ مَسِيرُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ) ''تم نیچے تو اترو! تم دو ماہ کی بات کرتے ہو ہم تمھیں چار ماہ کی مہلت دیتے ہیں۔'' تم اسلام کے بارے میں خوب غور وفکر کرلو۔صفوان کو اب یقین آجاتا ہے کہ اسے امان کا پروانہ مل چکا ہے۔وہ گھوڑے سے نیچے اترتا ہے اور اپنے گھر کی راہ لیتا ہے۔یہ شخص مکہ مکرمہ کا سب سے بڑا اسلحہ فروش تھا۔اس کے گھر میں تلواریں، زرہیں، ڈھالیں اور دیگر سامان حرب موجود رہتا تھا۔

اللہ کے رسول ﷺ فتح مکہ مکرمہ کے فوراً بعد حنین کی طرف روانہ ہوئے جو مکہ مکرمہ سے زیادہ دور نہیں ہے۔اب ایک نئے دشمن سے واسطہ تھا، آپ کو اسلحہ کی شدید ضرورت تھی۔آپ ﷺ کے علم میں تھا کہ صفوان کے پاس اسلحہ موجود ہے۔

ذرا غور کیجیے! آپ ﷺ فاتح تھے۔آپ چاہتے تو اپنے چند سالاروں کو حکم دیتے، وہ صفوان کے گھر سے زبردستی اسلحہ لے آتے مگر یہ بھی ہمارے رسول ﷺ کا اعلیٰ اخلاق تھا کہ آپ نے صفوان کو پیغام بھیجا کہ ہمیں اسلحہ کی ضرورت ہے۔اسلحہ دے دو۔صفوان بڑا ہوشیار آدمی تھا، کہنے لگا: کیا آپ میرے اسلحہ پر زبردستی قبضہ کرنا چاہتے ہیں یا عاریتاً لینا چاہتے ہیں؟

اللہ کے رسول ﷺ نے محبت بھرا جواب دیا۔حدیث کے الفاظ پر ذرا غور فرمائیں: (بَلْ طَوْعًا عَارِيَةً مَضْمُونَةً) ''تمھاری مرضی اور خوشی سے، عاریتاً، واپسی کی ضمانت کے ساتھ لینا چاہتا ہوں۔'' اب تمھاری مرضی ہے دو یا نہ دو۔صفوان نے یہ الفاظ سننے کے بعد مطلوبہ مقدار میں اسلحہ مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔

مسلمان اللہ کے رسول ﷺ کے ہمراہ حنین کی طرف رواں دواں تھے۔کچھ مؤلفۃ القلوب بھی ہمراہ تھے جن میں صفوان اور اس کا ماں جایا بھائی کلدہ بن حنبل بھی شامل تھے۔لشکر میدان حنین میں پہنچ گیا۔آج مسلمانوں کا لشکر خاصی بھاری تعداد میں تھا۔مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت تھی کہ شروع میں مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کے تھوڑے سے صحابہ ثابت قدم رہے۔صحابہ کرام میں بھگدڑ مچ گئی۔ادھر دشمن نے کمین گاہوں سے اچانک تیروں کی بارش شروع کر دی۔کلدہ بن حنبل اپنے (ماں کی

طرف سے) بھائی صفوان کے پاس آیا، شکست پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: صفوان دیکھو! آخر یہ طلسم ٹوٹ ہی گیا۔

صفوان نے اپنے بھائی کی طرف غضب ناک نگاہوں سے دیکھا اور ٹوکتے ہوئے کہنے لگا: اپنی زبان کو لگام دو۔ اللہ کی قسم! قریش کا ایک شخص میرا سردار اور آقا بنے، یہ میرے لیے بنو ہوازن کے عوف بن مالک کے غلبے سے کہیں زیادہ بہتر اور محبوب ہے۔

اللہ کی قسم! قریش کا ایک شخص میرا آقا بنے، یہ میرے لیے بنو ہوازن کے عوف بن مالک کے غلبے سے کہیں زیادہ بہتر اور محبوب ہے۔

قارئین کے لیے یہ بات معروف ہے کہ تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ جنگ کا پانسہ مسلمانوں کے حق میں پلٹ گیا۔ اب میدان مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فتح نصیب فرمائی اور اس کے ساتھ ہی بے حد وحساب مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔

صفوان کہتا ہے:

«وَاللّٰهِ! لَقَدْ أَعْطَانِي رَسُولُ اللّٰهِ مَا أَعْطَانِي، وَإِنَّهُ لَأَبْغَضُ النَّاسِ إِلَيَّ، فَمَابَرِحَ يُعْطِينِي حَتّٰى إِنَّهُ لَأَحَبُّ النَّاسِ إِلَيَّ»

''اللہ کی قسم! میں اللہ کے رسول ﷺ سے شدید بغض رکھتا تھا مگر آپ ﷺ نے غنیمت سے مجھے بار بار مال عطا کیا۔ وہ مسلسل مجھے مال دیتے رہے حتی کہ وہ میری نگاہوں میں کائنات کی محبوب ترین شخصیت بن گئے۔''

صفوان آپ کے حسن سلوک، حلم، حوصلہ اور فیاضی سے اس قدر متأثر ہوا کہ چار ماہ والی مہلت اور سوچ بچار کا وقت سکڑ کر تین ہفتے رہ گیا اور حنین کے فوراً بعد ختم ہو گیا۔ اس نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔

مکہ مکرمہ پہنچا تو لوگوں نے اس سے کہا:

(مَنْ لَمْ يُهَاجِرْ هَلَكَ وَلَا إِسْلَامَ لِمَنْ لَا هِجْرَةَ لَهُ)

''جس نے ہجرت کا شرف نہ پایا وہ برباد ہوگیا، بلکہ جس نے ہجرت نہیں کی اس کا تو اسلام ہی قبول نہیں۔''

یہ بات اس کے علم میں آئی تو ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ گیا اور آپ ﷺ کے چچا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا مہمان بنا۔ آپ کو معلوم ہوا تو ارشاد فرمایا: (لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ) ''فتح مکہ مکرمہ کے بعد مکہ مکرمہ سے ہجرت ختم ہوگئی۔'' اللہ کے رسول ﷺ اپنے ساتھیوں سے حد درجہ محبت رکھتے تھے اور ان کے معمولی سے معمولی کاموں میں بھی ذاتی دلچسپی لیتے تھے۔ پوچھا: صفوان کس کے مہمان بنے ہو؟ عرض کیا: آپ ﷺ کے چچا عباس کا۔ فرمایا: (نَزَلْتَ عَلَى أَشَدِّ قُرَيْشٍ لِقُرَيْشٍ حُبًّا) ''صفوان! تم ایک ایسی قریشی شخصیت کے مہمان بنے ہو جو قریشیوں سے شدید محبت رکھتا ہے۔'' پھر فرمایا: ''ابو وہب! مکہ مکرمہ واپس چلے جاؤ، اپنے ڈیرے پر ہی قیام کرو اور لوگوں کو دین کی دعوت دیتے رہو۔'' چنانچہ وہ وفات تک مکہ مکرمہ ہی میں مقیم رہے۔

صفوان مکہ مکرمہ کے ممتاز ترین سرداروں میں سے تھے۔ نہایت فصیح اللسان تھے۔ ان کے خاندان کے بارے میں مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ لوگوں کو کھانا کھلانے والے اور خوب مہمان نوازی کرنے والے شرفاء تھے۔ یہ سلسلہ نسلوں سے چلا آ رہا تھا۔ ایک دن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے پوچھا: مکہ مکرمہ میں سب سے زیادہ مہمان نواز کون ہے؟ جواب ملا: عبداللہ بن صفوان۔ کہنے لگے: (بَخٍ بَخٍ تِلْكَ نَارٌ لَا تَطْفَأُ) ''اس گھرانے کے مہمان خانے کی آگ کبھی بجھتی ہی نہیں۔'' صفوان بن امیہ بیالیس ہجری میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی ایام میں وفات پا گئے اور ان کا مالدار، سخی اور مہمان نواز بیٹا عبداللہ بن صفوان 73 ہجری میں مکہ مکرمہ میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی جانب سے لڑتے ہوئے شہید ہوگیا۔

الاستيعاب، ص: 365،366، والرحيق المختوم، ص: 413-426، والسيرة النبوية لابن هشام: 60/4، وصحيح مسلم: 2313، و جامع الترمذي: 666، و أسد الغابة: 25،24/3.


اردن میں واقع میدان موتہ

18 اخلاقِ نبوی

خالد! اب یہ مال واپس نہ کرنا

اخلاق نبوی کے کتنے ہی پہلو ہیں۔ ان میں سے ایک پہلو امراء اور قائدین کا مقام و مرتبہ اور ان کا احترام بھی ہے۔ کوئی بھی نظام و قانون اس وقت تک پروان نہیں چڑھ سکتا جب تک اس کے نافذ کرنے والے کو احترام نہ دیا جائے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے امراء کے احترام کا حکم دیا۔ ان کے فیصلوں کو عزت اور احترام بخشا اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہی اعلیٰ اخلاق ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے صحابہ کی بڑی عمدہ تربیت کی تھی۔

آیئے! اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ سے ایک واقعہ پڑھتے ہیں:

جنگ موتہ رومیوں کے ساتھ آٹھ ہجری میں سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں لڑی گئی۔ ان کی شہادت کے بعد جھنڈا سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اٹھایا۔ جب وہ شہید ہو گئے تو حسب فرمان نبوی قیادت سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے سنبھال لی۔ جب وہ بھی شہید ہو گئے تو ایک صحابی ثابت بن اقرم عجلانی رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر جھنڈا سنبھال لیا۔ علم کا سرنگوں ہونا لشکر کی شکست سمجھا جاتا تھا۔ انھوں نے علم

کو تھاما اور مسلمانوں کو آواز دی کہ اپنا قائد چن لیں۔ انھیں دیگر ساتھیوں نے امارت کی پیش کش کی مگر انھوں نے معذرت کر لی اور لوگوں نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا انتخاب کر لیا۔

اس جنگ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے۔ وہ اس واقعے کے راوی ہیں کہتے ہیں: ہم رومی لشکروں سے ٹکرائے۔ ایک رومی سردار سرخ رنگ کے گھوڑے پر سوار تھا جس کی زین اور اسلحہ پر سونے کا ملمع کیا گیا تھا۔ وہ مسلمانوں کو بے تحاشا نقصان پہنچانے لگا۔

آپ یہ پورا سامان اس حمیری کو دے دیں ورنہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس مال کے حوالے سے ضرور سوال اٹھاؤں گا۔

مسلمانوں کو جو کمک ملی اس میں یمن کے مشہور قبیلے حمیر کا ایک بہادر بھی شامل تھا۔ اس نے جب اس رومی کو دیکھا کہ وہ مسلمانوں کو مسلسل نقصان پہنچا رہا ہے تو وہ ایک چٹان کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔ جب رومی اس کے قریب سے گزرا تو اس نے اچانک اس کے گھوڑے پر حملہ کر دیا۔ گھوڑا اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا، سوار سمیت گر گیا۔ رومی سردار اپنی جان بچانے کے لیے بھاگا تو حمیری نے اس کا پیچھا کیا اور اس پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔ رومی کا گھوڑا، اس کی زین، اس کا اسلحہ اب حمیری کے قبضے میں آ گیا۔ یہ نہایت قیمتی سامان تھا جس میں سونا بھی تھا۔ جب مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس حمیری کو پیغام بھیجا کہ اس سامان میں سے کچھ سامان انھیں بھجوا دیں۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا یہ اجتہاد تھا کہ ان کے نزدیک یہ مال غنیمت بہت زیادہ تھا، چنانچہ اس حمیری نے کچھ مال غنیمت سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھجوا دیا۔

اِدھر سیدنا عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ بات درست نہ تھی۔ وہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ خالد! آپ کو علم نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتول کا سامان سلب قاتل کو دلایا ہے۔

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ آپ کی بات درست ہے مگر میرے نزدیک یہ سامان بہت زیادہ

ہے،اس لیے میں نے حمیری سے کچھ منگوالیا ہے۔

عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ آپ یہ پورا سامان اس حمیری کو دے دیں ورنہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس مال کے حوالے سے ضرور سوال اٹھاؤں گا۔اس کے باوجود حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے وہ مال واپس کرنے سے انکار کر دیا۔

لشکر واپس مدینہ طیبہ آ گیا۔سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرتے ہیں۔دوران ملاقات انھوں نے اس حمیری کا سارا واقعہ بیان کر دیا اور سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا مؤقف بھی بیان کر دیا۔



اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے پوچھا: (يَا خَالِدُ! مَا حَمَلَكَ عَلَى مَا صَنَعْتَ؟) ’’خالد!تم نے ایسا کیوں کیا؟‘‘

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کہنے لگے:اللہ کے رسول!میرے نزدیک وہ ساز وسامان ایک آدمی کے لیے بہت زیادہ تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا: (رُدَّ عَلَيْهِ الَّذِي أَخَذْتَ) ’’حمیری سے جو کچھ لیا ہے،اسے واپس کردو۔‘‘

عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ ہو گیا تو بشری تقاضوں کے مطابق انھوں نے خالد رضی اللہ عنہ سے کہا: ہاں خالد، مزہ چکھ لو۔کیا میں نے اپنی بات پوری نہیں کر دکھائی؟ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ حمیری کا سامان واپس کر دو؟ تم نے نہ دیا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کر کے سامان واپس کرا دیا ہے۔

قارئین کرام!یہ بات اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئی کہ عوف رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ کی تنقیص اور اہانت کی کوشش کی ہے۔اس حد تک تو بات درست تھی کہ اس حمیری کو سامان واپس ملنا چاہیے تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے واپس مل گیا مگر اگلی بات کہ خالد رضی اللہ عنہ کو یہ کہنا کہ تم نے مزہ چکھ لیا، یہ شخصی مسئلہ بن

گیا۔ اس طرح عوف رضی اللہ عنہ خالد رضی اللہ عنہ کے سامنے اپنے انتقامی جذبے کی تسکین اور ان کی تحقیر کا اظہار کر رہے تھے۔

اب دیکھیے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا ردعمل کیا ہے؟ تربیت اور تزکیۂ نفس اسی کا نام ہے اور یہی اعلیٰ اخلاق ہے کہ آپ کو جب ساری بات معلوم ہوئی تو سخت ناراضی کا اظہار کیا اور فرمایا: (يَا خَالِدُ لَا تَرُدَّهُ عَلَيْهِ) ''خالد! اب اس کا سامان واپس نہ کرنا۔'' مزید ارشاد فرمایا: (هَلْ أَنْتُمْ تَارِكُوا لِي أُمَرَائِي) ''کیا تم میرے مقرر کردہ امیروں کو میری وجہ سے معاف نہیں کر سکتے؟'' (لَكُمْ صَفْوَةُ أَمْرِهِمْ وَ عَلَيْهِمْ كَدَرُهُ) ''ان کے معاملے کا صاف صاف تمھارے لیے اور معاملے کا گدلا پن ان کے اپنے ذمے ہے۔''

ہاں خالد، مزہ چکھ لو۔ کیا میں نے اپنی بات پوری نہیں کر دکھائی؟ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ حمیری کا سامان واپس کر دو؟

صحيح مسلم، حديث: 1753، ومسند أحمد: 26/6، والسيرة النبوية للصلابي: 496/2.

قارئین کرام! امراء و قائدین سے بھی بہ تقاضائے بشریت غلطی کا امکان باقی رہتا ہے۔ ایسے میں کسی کوتاہی واقع ہونے کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا امراء کی حمایت و تائید میں یہ موقف نہایت اعلیٰ ہے۔ ان کی اصلاح کی کوشش ہونی چاہیے مگر تنقیص و اہانت کے بغیر۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے جب اس حمیری مجاہد کو مکمل سلب لینے سے روکا تو انھوں نے اس کی بے عزتی ہرگز نہیں کی بلکہ اجتہاد کے تحت مصلحت عامہ کو سامنے رکھا کہ یہ مال ایک آدمی کے لیے بہت زیادہ ہے۔ اگر اسے عام مال غنیمت میں شامل کر لیا جائے تو متعدد مجاہدین کے لیے فائدہ مند ہو سکتا ہے۔





غزوہ احد سے بھی زیادہ مشکل دن

کائنات کے امام سید ولد آدم ﷺ مدینہ طیبہ میں اپنے گھر سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ کے حجرے میں تشریف فرما تھے۔ غزوہ احد گزر چکا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ کی پوری زندگی دعوت دیتے ہوئے، حق کا دفاع کرتے اور دشمنان اسلام کے ظلم وستم اور جبر وقہر کا مقابلہ کرتے ہوئے گزری ہے۔ سیدہ عائشہ ؓ اللہ کے رسول ﷺ سے ایک انوکھا سوال کرتی ہیں۔ میرے آقا ﷺ! کیا آپ پر احد کے دن سے زیادہ بھی کوئی سخت اور سنگین دن گزرا ہے؟

سوال بڑا اہم اور معنی خیز تھا۔ احد کے میدان میں مسلمانوں کا بہت نقصان ہوا تھا۔ سید الشہداء امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا غم کبھی بھلا دینے والا نہیں تھا، خود آپ ﷺ کے دو دانت مبارک شہید ہوئے، آپ شدید زخمی ہو کر گر گئے، مگر آپ ﷺ پر احد سے بھی زیادہ سخت دن گزر چکا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ سیدہ کو جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ''ہاں عائشہ! تمھاری (عرب) قوم کے ہاتھوں مجھے جن مصائب کا شکار ہونا پڑا، ان میں سب سے مشکل اور سنگین دن وہ تھا جب میں اسلام کی دعوت پیش کرنے کے لیے طائف گیا تھا۔''

صحيح البخاري، حديث: 3231.

> ہاں عائشہ!
> تمھاری قوم کے ہاتھوں مجھے جن مصائب کا شکار ہونا پڑا، ان میں سب سے مشکل اور سنگین دن وہ تھا جب میں اسلام کی دعوت پیش کرنے کے لیے طائف گیا تھا۔

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ کے سفر طائف میں آپ کی مبارک زندگی کا ایک خوبصورت پہلو نظر آتا ہے۔ اس واقعے میں آپ کے اعلیٰ اخلاق کا پتا چلتا ہے۔ اس واقعے کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ اپنے دشمنوں، بدترین مخالفوں اور اپنے اوپر پتھر برسانے والوں کے لیے بھی کتنے مہربان اور مشفق تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوال کے جواب میں آپ ﷺ نے جو بیان فرمایا، وہ آپ نے پڑھ لیا ہے۔ اب چلیے تھوڑی دیر کے لیے ہم طائف چلتے ہیں جو مکہ مکرمہ سے کم وبیش 100 کلومیٹر کے فاصلے پر جنوب مشرق کی طرف واقع ہے۔

مکہ مکرمہ میں تبلیغ کرتے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ کو دس سال ہو چکے تھے۔ شوال کا مہینہ تھا اور عیسوی حساب سے 619ء میں مئی کے آخری یا جون کے ابتدائی ایام تھے کہ اللہ کے رسول ﷺ اپنے آزاد کردہ غلام سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر طائف روانہ ہوئے۔ طائف میں مکہ کے بڑے بڑے سرداروں کی زمینداریاں تھیں۔ ان کے اپنے باغات تھے۔ یہ علاقہ اس دور میں بھی اپنے باغات اور رنگا



وادی طائف کی جانب جاتی نئی سڑک کا خوبصورت منظر

رنگ پھلوں کی وجہ سے مشہور تھا۔ یہاں کا موسم آج کل بھی گرمیوں میں بہت خوبصورت ہوتا ہے۔

طائف کے گردونواح میں سب سے بڑا قبیلہ بنوثقیف تھا۔قریش کی ان کے ساتھ رشتہ داری بھی تھی۔ قریش کے ایک بڑے قبیلے بنوجمح کی ایک عورت کی شادی بنوثقیف کے ایک بڑے سردار سے ہوئی تھی۔ اللہ کے رسول ﷺ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہ سفر پیدل ہی کر رہے تھے، اور اس کے لیے ''السیل الکبیر'' کا راستہ اختیار کیا تھا۔ یہ راستہ آج بھی طائف سے مکہ مکرمہ یا مکہ مکرمہ سے طائف جانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ طائف کے راستے میں بعض قبائل رہائش پذیر تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا گزر جس قبیلے سے بھی ہوتا، آپ اسے اسلام کی دعوت دیتے، مگر ان کی بدقسمتی کہ کسی نے بھی اسلام قبول نہیں کیا۔

بنوثقیف کے تین با اثر سردار عبد یالیل، مسعود اور حبیب تھے۔ یہ تینوں بھائی تھے۔ ان کے والد کا نام عمرو بن عمیر ثقفی تھا۔ یہ بنوثقیف کے رئیس اور سربراہ تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے طائف میں دس روز قیام کیا۔ اس دوران آپ باری باری بنوثقیف کے سرداروں کے پاس تشریف لے جاتے اور انھیں عقیدۂ توحید کی دعوت دیتے



بنوثقیف کے علاقے کی ایک تصویر

رہے۔ان کے جوابات ایک دوسرے سے بڑھ کر کرخت اور بیہودہ تھے۔ ذرا عبد یالیل کے الفاظ پر غور کریں: اگر اللہ نے واقعی تمھیں رسول بنایا ہے تو میں کعبے کا غلاف پھاڑ دوں گا۔(یعنی اگر اللہ نے تمہارے جیسے کمزور شخص کو نبی بنایا ہے تو میں اس کے گھر کا کوئی احترام نہیں کروں گا۔) مسعود بن عمرو ثقفی نے ہرزہ سرائی کرتے ہوئے کہا: کیا اللہ کو تمھارے علاوہ اور کوئی نہیں ملا جسے نبوت عطا کی جاتی۔

''ٹھیک ہے کہ تم نے میری بات نہیں مانی مگر یہ گفتگو اپنے تک ہی محدود رکھنا، اس کا چرچا نہ کرنا۔''

حبیب نے کہا: میں تم سے ہرگز بات نہیں کروں گا۔اگر تم واقعی اللہ کے نبی ہو تو تمھاری بات رد کرنا اور رسول سے بحث کرنا میرے لیے انتہائی خطرناک ہے اور اگر تم اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہو تو یہ بات میری شان کے خلاف ہے کہ میں ایک جھوٹے سے بات کروں۔

قارئین کرام! ذرا غور کیجیے، اس قسم کے جواب سن کر اللہ کے رسول ﷺ کے قلب اطہر پر کیا گزری ہوگی، مگر کائنات کی سب سے عظیم شخصیت اس قسم کے حوصلہ شکن الفاظ سن کر بھی اپنے مشن سے ایک انچ پیچھے نہیں ہٹی۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''ٹھیک ہے کہ تم نے میری بات نہیں مانی مگر یہ گفتگو اپنے تک ہی محدود رکھنا، اس کا چرچا نہ کرنا۔'' آپ کا خیال تھا کہ یہ خبر قریش تک نہ پہنچے تاکہ وہ اپنی سختی میں مزید اضافہ نہ کردیں۔ اللہ کے رسول ﷺ یہ مختصر سے کلمات کہہ کر وہاں سے اٹھ آئے۔

طائف کا موجودہ راستہ





طائف میں موجود مٹی کے بنے قدیم مکان

قارئین کرام! مگر وہ شریف لوگ نہ تھے، انھوں نے نہایت گھٹیا طرزِ عمل کا مظاہرہ کیا۔ نہ صرف علاقے میں منادی کروائی بلکہ جب آپ ﷺ نے واپسی کا ارادہ فرمایا تو اوباشوں اور آوارہ گردوں کو شہ دے کر آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا اور انھیں ہدایت کی کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کو تنگ کریں اور ان کا راستہ روکیں۔

طائف کے در و دیوار یہ منظر دیکھ رہے تھے کہ اللہ کے رسول ﷺ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو رہے ہیں۔ ادھر طائف کے آوارہ گرد گالیاں دیتے، تالیاں بجاتے اور شور مچاتے آپ کے پیچھے لگ گئے ہیں۔ وہ راستے کے دونوں جانب کھڑے ہو گئے، بات گالیوں اور بدزبانیوں سے آگے بڑھ کر پتھر چلانے پر آ گئی۔ وہ اللہ کے رسول ﷺ کو پتھر مارنے لگے۔ سنگ باری تیز کر دی، آپ کی پنڈلیوں پر گہرے زخم لگ گئے، ان سے خون بہنے لگا۔ نعلین مبارک خون میں تر بتر ہو گئے۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اپنے جسم کو ڈھال بنا کر آپ کو پتھروں سے بچانے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔ وہ خود بھی محفوظ نہیں رہے، ان کا سر بھی پھٹ گیا۔

سیرت نگاروں کے مطابق آپ ﷺ آبادی سے نکلے تو بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آپ کو اٹھا کر قریب ہی پانی کے ایک چشمے پر لے گئے۔ زخموں کو پانی سے دھونے کی کوشش کی۔ نعلین مبارک اتارنا چاہے تو وہ خون سے اس طرح جم چکے تھے کہ اتارنا مشکل تھا۔ بنوامیہ کے سردار عتبہ بن ربیعہ کا باغ قریب ہی تھا۔ یہ باغ طائف سے کم و بیش پانچ کلو میٹر دور ہے۔ راقم الحروف نے اس باغ کو دیکھا ہے۔ جب میں نے دیکھا تو یہ ان دنوں بڑا سرسبز تھا۔ آپ ﷺ نے باغ میں پناہ لی۔ اس وقت اوباش اور آوارہ گرد بھی واپس ہو گئے تھے۔ عتبہ اپنے بھائی شیبہ کے ساتھ مکہ مکرمہ سے آیا ہوا تھا۔ وہ بھی یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ یہ کافر تھے مگر مکارم اخلاق تو ان کا وصف تھا۔ یوں بھی رشتہ داری تھی۔ انھیں غیرت آئی

کہ ان کے رشتہ دار کے ساتھ اہل طائف نے بدسلوکی کی ہے۔ اپنے غلام عداس کو بلایا۔

عداس نینویٰ کا رہنے والا عیسائی تھا۔ اسے انگوروں کے چند خوشے دے کر کہا: اسے ان مہمانوں کے پاس لے جاؤ۔ عداس کی خوش قسمتی کے کیا کہنے، اسے اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت کرنے کی سعادت مل رہی تھی۔ عداس انگور لے کر آیا تو اس نے دیکھا اور سنا کہ اللہ کے رسول انگوروں کی طرف ہاتھ بڑھا کر فرما رہے ہیں: (بِسْمِ اللّٰہِ) اور پھر کھانا شروع کر دیا۔ عداس معزز مہمان کی طرف تعجب بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ (بِسْمِ اللّٰہِ) کا کلمہ یہاں کے لوگ تو نہیں بولتے۔ وہ تو اللہ کے نام سے کھانے کا آغاز نہیں کرتے۔

عداس کہنے لگا: یہ جملہ تو اس شہر کے لوگ نہیں بولتے۔ ارشاد فرمایا: ''تم کہاں کے رہنے والے ہو اور تمھارا دین کیا ہے؟'' عداس نے کہا: میں نینوی کا رہنے والا ہوں اور عیسائی ہوں۔ اللہ کے رسول ﷺ پوچھ رہے ہیں: ''اچھا تو تم مرد صالح یونس بن متّٰی کے شہر کے رہنے والے ہو۔''

عداس کو بڑا تعجب ہوا، اس نے سوال کیا: آپ یونس بن متّٰی کو کیسے جانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''وہ میرے بھائی تھے۔ میرے اور ان کے درمیان نبوت کا رشتہ ہے۔ وہ بھی اللہ کے نبی تھے اور میں بھی اللہ کا نبی ہوں۔'' عداس نے یہ سنا تو اللہ کے رسول پر جھک پڑا اور آپ کے سر اور ہاتھ پاؤں کو بوسہ دیا۔

دور بیٹھے ہوئے عتبہ اور شیبہ یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ عداس کی قسمت بہت اچھی تھی، اس کے نصیب جاگ اٹھے، وہ بے اختیار کہہ رہا تھا: (أَشْهَدُ أَنَّكَ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُ اللّٰهِ) ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے بندے اور اللہ کے رسول ہیں۔''

قارئین کرام! طائف والوں کا سلوک آپ کی توقع کے کہیں خلاف تھا۔ اس پریشانی کے عالم میں آپ نے اپنے رب سے رجوع کیا اور اسی سے مدد مانگی۔ اپنی امت کو سبق دیا کہ اگر کوئی مشکل وقت آئے تو صرف اور صرف اپنے رب سے رجوع کرنا ہے اور اسی سے مدد مانگنی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ باغ سے نکلے تو غم والم کی شدت سے طبیعت نڈھال اور دل پاش پاش تھا۔ قرن المنازل کا مقام کوئی زیادہ دور نہیں


قرن المنازل کے مقام پر بنی مسجد میقات

وہاں پہنچے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبریل امین تشریف لائے۔ آج ان کے ساتھ پہاڑوں کا فرشتہ بھی تھا۔ وہ آپ سے گزارش کرنے آیا تھا کہ آپ حکم دیں تو وہ اہل طائف کو دو پہاڑوں کے درمیان پیس ڈالے۔

قارئین کرام! مکارم اخلاق اس کا نام ہے، اس کو اعلیٰ اخلاق کہتے ہیں کہ آپ بدلہ لینے کی طاقت رکھتے ہیں۔ جبریل امین عرض کررہے ہیں: اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس پہاڑوں کا فرشتہ بھی بھیجا ہے تاکہ آپ ان دشمنوں کے بارے میں اسے جو حکم چاہیں دیں۔ اس کے بعد پہاڑوں کا فرشتہ اللہ کے رسول ﷺ کو آواز دیتا ہے اور سلام کرنے کے بعد عرض کرتا ہے:

''اے محمد! بات یہی ہے کہ اب آپ جو چاہیں گے ہم وہی کریں گے۔ اگر چاہیں کہ ہم ان لوگوں کو دو پہاڑوں کے درمیان کچل کر پیس دیں تو ایسا ہی ہوگا۔''

قارئین کرام! مگر اپنے رسول ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کو ملاحظہ کیجیے کہ آپ اہل طائف کی ان زیادتیوں کے باوجود ارشاد فرما رہے ہیں: ''نہیں! بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ عزوجل ان کی پشت سے ایسی نسل پیدا کرے گا جو صرف ایک اللہ کی عبادت کرے گی اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرائے گی۔''

صحيح البخاري، حديث:3231، و صحيح مسلم، حديث: 1795، والرحيق المختوم:100/1، ودلائل النبوة لأبي نعيم:249/1.

قارئین کرام! ہمارے پیارے رسول ﷺ کی یہ تمنا پوری ہوتی ہے۔ آپ ﷺ کی امید بر آتی ہے اور اہلِ طائف آپ ﷺ کی وفات سے پہلے اسلام قبول کر لیتے ہیں۔

قیدی کو روٹی کھلا کر خود کھجوروں پر گزارا کر لیا

زمانہ قدیم سے جنگیں ہوتی چلی آ رہی ہیں۔ جنگوں میں ہمیشہ سے لوگ قیدی بنتے رہے ہیں۔ ان کے ساتھ نہایت وحشیانہ سلوک کیا جاتا رہا ہے۔ عصر حاضر کے حکمرانوں نے جنیوا میں بیٹھ کر ایک کنونشن میں جنگی قوانین تیار کیے اور قیدیوں کے ساتھ سلوک کی حدود مقرر کیں اور ان سفارشات کو پوری دنیا پر لاگو کرنے کی ہدایت کی، مگر میں اپنے قارئین کرام کو رسول معظم ﷺ کے خوبصورت کردار کی ایک جھلک دکھانے لگا ہوں۔ جو کام ان لوگوں نے آج کرنے کی کوشش کی اس سے بدرجہا بہتر قوانین آپ ﷺ نے آج سے ڈیڑھ ہزار برس قبل دنیا کو عطا فرمائے۔ آیئے لڑائی کے میدان میں قیدی بننے والوں سے حسن سلوک کے بارے میں آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کا ایک خوبصورت پہلو دیکھتے ہیں۔ اس کے لیے ہمیں تھوڑی دیر کے لیے دو ہجری رمضان المبارک کے مہینے میں بدر کے میدان میں چلنا ہوگا۔ یہاں ستر بڑے بڑے مشرک سردار قیدی بن چکے ہیں۔ یہ پہلا موقع ہے کہ اتنی بڑی تعداد میں قیدی مسلمانوں کے ہاتھ لگے ہیں۔



ان قیدیوں کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ بہترین سلوک کرنے کا حکم دے رہے ہیں۔ علامہ ابن کثیر بیان کرتے ہیں:

(أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَصْحَابَهُ يَوْمَ بَدْرٍ أَنْ يُكْرِمُوا الْأُسَارَى)

''آپ ﷺ نے بدر کے روز اپنے صحابہ کو یہ حکم جاری فرمایا کہ قیدیوں کے ساتھ احترام کا سلوک کیا جائے''



یعنی انہیں اچھا کھانا کھلایا جائے اور ان کے ساتھ کوئی سختی نہ کی جائے۔'' چنانچہ صحابہ کرام اللہ کے رسول ﷺ کی ہدایت کے مطابق انھیں بہترین کھانا کھلاتے ہیں۔ سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا بھائی ابوعزیز ایک انصاری صحابی کی قید میں تھا، یہ کوئی عام آدمی نہ تھا، بدر کے میدان میں نضر بن حارث کے بعد جھنڈا اسی کے پاس تھا۔ یہ اپنی قوم کا بہترین سالار تھا۔ مسلمانوں سے شدید نفرت اور عداوت رکھنے والا یہ شخص ایک نہایت دولت مند ماں کا بیٹا تھا۔

جس انصاری صحابی نے اسے گرفتار کیا، ان کا نام ابو یسر رضی اللہ عنہ تھا۔ ابوعزیز کے بھائی سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں اس کے پاس سے گزرے تو ابو یُسر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے:

(شُدَّ يَدَيْكَ بِهِ، فَإِنَّ أُمَّهُ ذَاتُ مَتَاعٍ لَعَلَّهَا تُفْدِيهِ مِنْكَ)

''اسے اچھی طرح قابو میں کرلو، اس کی ماں بہت مالدار عورت ہے، وہ تمھیں اس کی رہائی

کے عوض بھاری فدیہ دے سکتی ہے۔"

سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے (اَلْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ) کا فریضہ سرانجام دیا۔ ابوعزیز کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ سیدنا مصعب رضی اللہ عنہ کو مخاطب ہو کر کہنے لگا: بھائی! تم میرے بارے میں یہ وصیت کر رہے ہو کہ اسے اچھی طرح سے قابو کر لینا اور مضبوطی سے باندھنا۔" اس کا خیال تھا کہ میرا بھائی میری سفارش کرے گا، مگر سیدنا مصعب رضی اللہ عنہ نے جو جواب دیا وہ سنہری الفاظ سے لکھنے کے قابل ہے: (إِنَّهُ أَخِي دُونَكَ) "تم میرے بھائی نہیں بلکہ دراصل میرا بھائی تو یہ انصاری صحابی ہے۔"

"اس کے ہاتھ نہایت مضبوطی سے باندھنا، اس کی ماں بہت مالدار عورت ہے، وہ تمھیں بھاری فدیہ دے سکتی ہے۔"

دل چسپ بات یہ ہے کہ چند ہی روز بعد ابوعزیز کی والدہ نے مکہ مکرمہ والوں سے پوچھا کہ قریشیوں کی طرف سے سب سے زیادہ فدیہ کتنا ادا کیا گیا ہے تو بتایا گیا کہ اب تک ادا کیے جانے والے فدیہ میں چار ہزار درہم سب سے بڑا فدیہ ہے، چنانچہ اس نے چار ہزار درہم مدینہ طیبہ بھجوا کر اپنے بیٹے کو رہا کروالیا۔

جس انصاری صحابی نے اسے گرفتار کیا تھا وہ تنگدست ہونے کے باوجود اپنے قیدی کو روٹی کھلاتے۔ اس زمانے میں مدینہ طیبہ میں روٹی خاصی مہنگی اور گراں قدر چیز تھی مگر کھجوریں عام تھیں۔ ابوعزیز کا بیان ہے کہ جب وہ کھانا لاتے تو روٹی میرے سامنے رکھ دیتے اور خود کھجوریں کھا کر گزارہ لیتے تھے۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑی ندامت ہوتی، میں روٹی ان کے ہاتھ میں دے دیتا مگر وہ روٹی مجھی کو واپس کر دیتے۔

قارئین کرام! یہ میرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلیٰ اخلاق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو قیدیوں سے حسن سلوک کا حکم دیا۔ صحابہ کرام نے اس حکم پر اتنے شاندار طریقے سے عمل کیا کہ خود تو کھجوریں کھا کر گزارا کر لیتے مگر قیدی کو اچھی اور اعلیٰ خوراک دیتے۔

معرفة الصحابة، محقق:365/20، و تهذيب سيرة ابن هشام:203/1.

خوش نصیب غلام

غزوۂ خیبر 7 ہجری میں ہوا۔ خیبر کا شہر مدینہ طیبہ سے شمال کی جانب کم و بیش 150 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ یہاں یہودیوں کے کئی قلعے تھے۔ ان میں ایک قلعے کا نام ''ناعم'' تھا۔ اس قلعے کے محاصرے کے دوران میں ایک حبشی غلام ''اسلم'' نے اسلام قبول کر لیا۔ اس نے اسلام کیسے قبول کیا؟ آیئے! یہ دلچسپ واقعہ پڑھتے ہیں:

اس کے یہودی مالک کا نام عامر تھا۔ یہ اس کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ اسلم نے اہل خیبر کو جنگ کی تیاری کرتے دیکھا تو پوچھا: یہ آپ کس کے خلاف جنگ کی تیاری کر رہے ہیں؟ یہودی کہنے لگا کہ ہم اس شخص سے جنگ کر رہے ہیں جو اپنے آپ کو نبی خیال کرتا ہے۔ اسلم نے اس بات کو اپنے ذہن میں رکھ لیا۔ وہ حق کا متلاشی تھا۔ اس نے سوچا کہ وہ کیوں نہ اس شخصیت سے ملے جو اپنے آپ کو نبی سمجھتے ہیں۔ جب اللہ کے رسول ﷺ نے خیبر کے علاقے میں پڑاؤ ڈالا تو یہ حبشی غلام اپنی بکریاں ہانکتا ہوا آپ ﷺ کے کیمپ میں حاضر ہو گیا۔ آپ سے ملاقات کی اجازت چاہی۔ اللہ کے رسول ﷺ کے اخلاق اور



خیبر کا قلعہ اور تاریخی بستی

آپ کی تواضع کو دیکھیے کہ آپ نے ایک عام سے حبشی غلام کو ملاقات کی اجازت دے دی۔ اس نے ملاقات کے دوران میں آپ سے پوچھا: آپ کیا کہتے اور کس بات کی دعوت دیتے ہیں؟

آپ ﷺ نے بڑی محبت سے اس سے فرمایا:

أَدْعُو إِلَى الإِسْلَامِ وَأَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ
وَأَنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ وَأَنْ لَّا تَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ.

''میں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اور یہ کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اور عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی کرو۔''

غلام نے پوچھا: اگر میں اللہ پر ایمان لے آؤں اور یہی گواہی دینے لگوں تو مجھے کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا:

(لَكَ الْجَنَّةُ إِنْ مُتَّ عَلٰى ذٰلِكَ)

''اگر تمھیں اسلام پر موت آئی تو تمھارے لیے جنت ہے۔''

اسلم کہنے لگا: میں ایک سیاہ فام، قبیح چہرے والا، عام سا انسان ہوں، میرے جسم سے ناگوار بو آتی ہے، میرے پاس کوئی مال و دولت بھی نہیں۔ اگر میں ان لوگوں کے ساتھ لڑتا ہوا قتل ہو جاؤں تو کیا میں جنت میں جاؤں گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیوں نہیں، اگر تمھیں اس عقیدے پر موت آ جائے تو تمھارے لیے جنت ہے۔'' حبشی غلام وہیں مسلمان ہو گیا۔

ایک دوسری روایت کے مطابق اسلم نے پوچھا کہ اگر میں ایمان لے آؤں، کلمہ پڑھ لوں اور میری موت ایمان پر ہو تو کیا

میں قبیح چہرے والا عام سا انسان ہوں، میرے جسم سے ناگوار بو آتی ہے، میرے پاس کوئی مال و دولت نہیں۔ اگر میں ان لوگوں کے ساتھ لڑتا ہوا قتل ہو جاؤں تو کیا میں جنت میں جاؤں گا؟

مجھے جنت ملے گی؟ اللہ کے رسول ﷺ نے اس سے فرمایا کہ ''ہاں کیوں نہیں؟'' اس نے اسی وقت کلمہ پڑھ لیا اور مسلمان ہو گیا۔ اسلم کہنے لگا: اللہ کے رسول! یہ بکریاں میرے پاس امانت ہیں۔ ان کے بارے میں کیا کروں؟ (اللّٰہ اکبر) قارئین کرام! امانت اور دیانت داری اس کا نام ہے۔ آپ ﷺ حالت جنگ میں ہیں۔ ان بکریوں پر اگر چاہتے تو قبضہ کر لیتے۔ کون پوچھ سکتا تھا؟ مگر یہ بھی مکارم اخلاق میں سے ہے کہ آپ نے اس حبشی چرواہے سے فرمایا کہ ''ان بکریوں کو فوجی کیمپ سے باہر نکالو، پھر انھیں ہانک دو، انھیں کنکریاں مارو، اللہ تعالیٰ تمھاری طرف سے یہ امانت ادا کر دے گا۔''

اسلم اسی وقت کھڑا ہوا، زمین سے کنکریاں لیں اور انھیں بکریوں کی طرف پھینکتے ہوئے کہنے لگا: اپنے مالک کی طرف واپس چلی جاؤ۔ اللہ کی قسم! میں تمھارے ساتھ نہیں رہوں گا۔ وہ بکریاں اکٹھی ہو کر چل پڑیں اور تھوڑی دیر میں قلعہ میں داخل ہو گئیں۔ جب چرواہے کے بغیر بکریاں یہودی مالک کے پاس پہنچیں تو اسے معلوم ہو گیا کہ اس کے غلام نے اسلام قبول کر لیا ہے۔

اس دوران میں اللہ کے رسول ﷺ نے لوگوں کو وعظ فرمایا، انھیں جہاد کی رغبت دلائی۔

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ قلعہ ناعم کے یہودیوں سے لڑنے کے لیے جھنڈا اٹھا کر نکلے تو یہی حبشی



اسلم بھی ان کے پیچھے پیچھے یہود سے لڑنے کے لیے چلا گیا۔ دشمن کے ساتھ جنگ ہوئی تو اس دوران میں وہ شہید ہو گیا۔ اسلم کی میت کو اٹھا کر پیچھے لایا گیا۔ اللہ کے رسول ﷺ کو خبر دی گئی۔

میں نے اس کے سر کے پاس دو خوبصورت آنکھوں والی حوریں دیکھی ہیں، حالانکہ اس نے ابھی تک اللہ کی بارگاہ میں ایک سجدہ بھی نہ کیا تھا۔

قارئین! اب دیکھیے اللہ کے رسول ﷺ کی عظمت، آپ کا اعلیٰ اخلاق کہ آپ اس کی میت کے پاس تشریف لائے۔ اسے دیکھ کر صحابۂ کرام سے ارشاد فرما رہے ہیں:

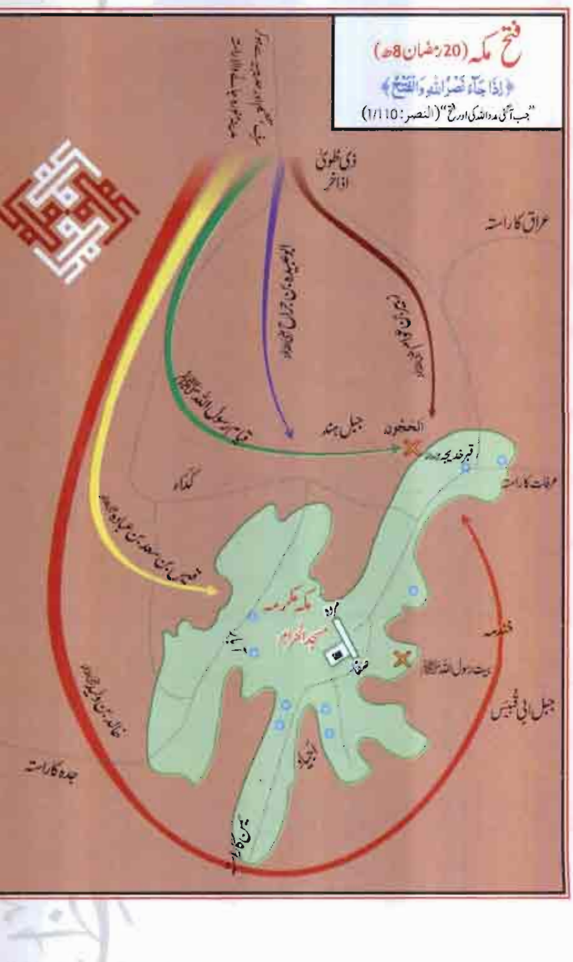
(لَقَدْ أَكْرَمَ اللّٰهُ هٰذَا الْعَبْدَ وَسَاقَهُ إِلٰى خَيْبَرَ وَلَقَدْ رَأَيْتُ عِنْدَ رَأْسِهِ اثْنَتَيْنِ مِنَ الْحُورِ الْعِينِ وَلَمْ يُصَلِّ لِلّٰهِ سَجْدَةً قَطُّ)

''اس غلام کو اللہ تعالیٰ نے عزت دی ہے۔ اسے خیبر کی طرف لایا۔ میں نے اس کے سر کے پاس دو خوبصورت آنکھوں والی حوریں دیکھی ہیں، حالانکہ اس نے ابھی تک اللہ کی بارگاہ میں ایک سجدہ بھی نہ کیا تھا۔''

قارئین کرام! اگر آپ سے کوئی سوال کرے کہ ایسے کون سے صحابی ہیں جنھوں نے ایک نماز بھی نہیں پڑھی اور وہ جنت کے مستحق ہو گئے تو ان میں یہی حبشی غلام اسلم بھی شامل ہیں جنھوں نے کہا تھا کہ میرا چہرہ بدصورت ہے۔ میرے جسم سے بو آتی ہے۔ میرے پاس مال و دولت نہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ اس کی نعش کے قریب کھڑے ہو کر فرما رہے ہیں: ''تیرے چہرے کو اللہ تعالیٰ نے خوبصورت بنا دیا ہے۔ تیری بو کو پاکیزہ بنا دیا، تیرے مال کو زیادہ کر دیا ہے۔ پھر صحابہ کرام سے مخاطب ہو کر فرمایا میں نے اس کی دو بیویوں کو دیکھا ہے جو خوبصورت آنکھوں والی جنت کی حوریں ہیں۔'' (سبحان اللہ)

الخصائص الكبرى:425/1، و السيرة النبوية لابن كثير:361/3.

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی نرم پالیسی کامیاب رہی



فتح مکہ مکرمہ کے روز اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی صورت میں خوں ریزی نہیں چاہتے تھے۔ آپ کی دلی خواہش تھی کہ قریش بغیر لڑائی کے ہتھیار ڈال دیں، چنانچہ آپ نے حکم دیا کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو ایک ایسی جگہ کھڑا کیا جائے جہاں سے وہ مکہ مکرمہ کی طرف جاتے ہوئے تمام لشکر کو دیکھ سکیں، چنانچہ ان کو وادی کی تنگ گزرگاہ پر کھڑا کیا جاتا ہے۔ ان کے ساتھ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ دراصل اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم قریش پر نفسیاتی جنگ مسلّط کرنا چاہتے تھے۔ آپ چاہتے تھے کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ دیکھ لیں اسلامی لشکر کس قدر منظّم اور اسلحے سے لیس ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پلاننگ کامیابی سے ہمکنار ہوتی ہے۔ اسلامی لشکر کو دیکھ کر ابوسفیان نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا کہ قریش اس لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ وادی کے اوپر کھڑے ہیں۔ نیچے سے اسلامی لشکر پوری شان و شوکت سے گزر رہا ہے۔ قبائل اپنے اپنے پرچم لیے گزر رہے ہیں۔ جب کوئی قبیلہ اپنا جھنڈا لیے گزرتا تو ابوسفیان رضی اللہ عنہ پوچھتے: یہ کون لوگ ہیں؟ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ جواب میں فرماتے کہ یہ فلاں قبیلہ ہے۔ اس پر ابوسفیان رضی اللہ عنہ کہتے کہ مجھے اس قبیلے سے کیا واسطہ۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نوسو یا ایک ہزار سپاہیوں پر مشتمل یونٹ کو لے کر گزرے تو ابوسفیان رضی اللہ عنہ حیران رہ گئے۔ اس روز انصار کا پرچم سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ ان کی نظر ابوسفیان رضی اللہ عنہ پر پڑی۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر انھیں جوش آ گیا کیونکہ جتنی بھی لڑائیاں ہوئیں، ان کی قیادت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ فرطِ جوش سے سعد رضی اللہ عنہ کی زبان سے ایک کلمہ نکل گیا: (اَلْيَوْمُ يَوْمُ الْمَلْحَمَةِ، اَلْيَوْمَ تُسْتَحَلُّ الْكَعْبَةُ) ''آج خونریز لڑائی کا دن ہے۔ آج کعبہ میں قتال جائز ہوگا۔''

آج کے دن تو اللہ تعالیٰ کعبہ کی عظمت کو اور زیادہ بڑھائے گا اور آج کے دن تو کعبہ کو غلاف اوڑھایا جائے گا۔

ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے گھبرا کر پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ مہاجرین وانصار کا لشکر ہے۔ انھی میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر پڑی تو پکار اٹھے: اللہ کے رسول! آپ نے سنا کہ سعد بن عبادہ کیا کہہ گزرے ہیں اور پھر سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی بات دُہرا دی کہ آج کشت وخون کا دن ہے۔ آج کعبہ کی حرمت حلال سمجھی جائے گی۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کو دیکھیے کہ آپ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا:

(هٰذَا يَوْمٌ يُعَظِّمُ اللّٰهُ فِيهِ الْكَعْبَةَ، وَيَوْمٌ تُكْسٰى فِيهِ الْكَعْبَةُ)

''آج کے دن تو اللہ تعالیٰ کعبہ کی عظمت کو اور زیادہ بڑھائے گا اور آج کے دن تو کعبہ کو غلاف اوڑھایا جائے گا۔''



قارئین کرام! اسی پر بس نہیں، اللہ کے رسول ﷺ نے تادیباً سعد رضی اللہ عنہ سے جھنڈا لے کر ان کے بیٹے قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کو دے دیا۔ اس طرح آپ نے ایک ایسا فیصلہ فرمایا جس سے نہ تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ناراضی ہوئی نہ دیگر انصار کو۔ یہاں پھر رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کو ملاحظہ کریں کہ آپ نے جھنڈا کسی مہاجر کے سپرد نہیں کیا بلکہ انصاری سے لیا اور اس کے بیٹے کو دے دیا۔ انسانی فطرت اور کمزوری ہے کہ وہ صرف اپنے بیٹے کو خود سے افضل اور بہتر دیکھ کر مطمئن رہ سکتا ہے کسی اور کو نہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزر گئے تو سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے کہا: اب دوڑ کر اپنی قوم کے پاس جاؤ اور اسے سمجھاؤ۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نہایت تیزی سے مکہ مکرمہ پہنچتے ہیں۔ بلند آواز سے اعلان فرمایا: قریش کے لوگو! محمد (ﷺ) تمھارے پاس اتنا بڑا لشکر لے کر آئے ہیں کہ کسی میں اس کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں۔ اسلام لے آؤ، سلامت رہو گے۔ اور جو ابوسفیان کے گھر میں گھس جائے، اسے امان ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کی خواہش اور پالیسی کامیاب رہی ہے۔ آپ نہیں چاہتے کہ اس بلد حرام میں خوں ریزی ہو۔ مشرکین نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بات کو مان لیا ہے۔ اسلامی لشکر مکہ مکرمہ میں بغیر قتال اور خوں ریزی کے داخل ہو رہا ہے۔ صرف سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا مکہ مکرمہ کے چند سر پھروں سے معمولی سا مقابلہ ہوتا ہے۔ خندمہ کے علاقے میں جب بنو بکر اور بنو ہذیل کے آدمی قتل ہوئے تو باقی بھاگ گئے۔ کوئی پہاڑ پر چڑھ گیا، کسی نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا۔ اس روز صفوان بن امیہ جدہ کی طرف اور عکرمہ بن ابی جہل یمن کی طرف بھاگ گیا۔ رسولِ رحمت ﷺ بلا مزاحمت مکہ مکرمہ کو فتح کر لیتے ہیں۔

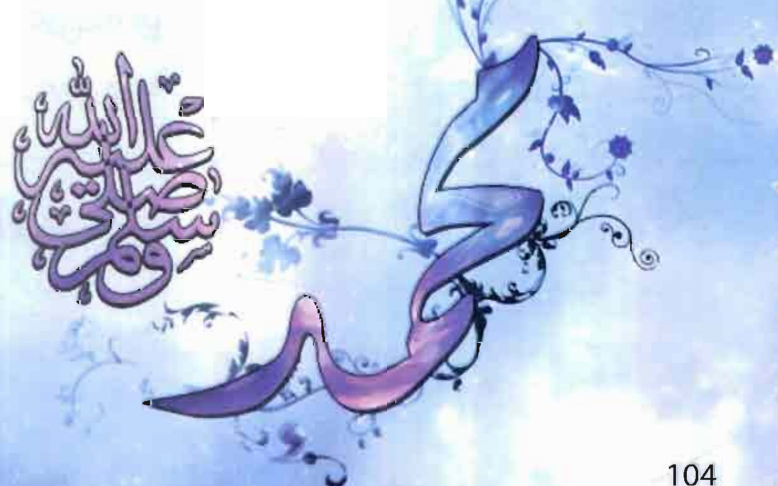
صحيح البخاري، حديث: 4280، والسيرة النبوية لمهدي رزق الله: 563-565، والبداية والنهاية: 4/535-542.

ام المؤمنین کا حسن ادب

ام المومنین سیدہ صفیہ بنت حُیَی بن اخطب بہت بڑے باپ کی بیٹی اوراونچے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ غزوۂ خیبر کے دوران میں جب قلعہ قموص فتح ہوا تو یہ بھی قیدیوں میں شامل تھیں۔ پہلے یہ سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو عطا ہوئیں۔

ایک شخص اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کی کہ آپ نے بنونضیر کے سردار کی بیٹی دحیہ کو دے دی ہے، حالانکہ وہ آپ کے سوا کسی کے لائق نہیں، چنانچہ دحیہ کلبی کو ایک اور لونڈی دے دی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ کو آزاد کر دیا اور ان کی آزادی کو حق مہر قرار دے کر ان سے نکاح کر لیا۔

اس سے پہلے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا مسلمان ہو چکی تھیں۔



اللہ کے رسول ﷺ نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ پر نیل پڑا دیکھا تو دریافت فرمایا: ''صفیہ! یہ نیل کا نشان کیسا ہے؟'' وہ کہنے لگیں: میں اپنے سابقہ شوہر ابن الحقیق کی گود میں سر رکھے سوئی ہوئی تھی کہ میں نے ایک خواب دیکھا کہ میری گود میں چاند اترا ہے۔ میں نے اپنے شوہر کو خواب سنایا تو اس نے میرے چہرے پر زور سے تھپڑ مارتے ہوئے کہا: تو یثرب کے حکمران سے شادی کرنا چاہتی ہے؟ یہ اسی تھپڑ کا نشان ہے۔

اپنے شوہر کو خواب سنایا تو اس نے میرے چہرے پر زور سے تھپڑ مارتے ہوئے کہا: تو یثرب کے بادشاہ سے شادی کرنا چاہتی ہے؟

قارئین کرام! آپ نے یہودی سردار کی بد اخلاقی ملاحظہ کر لی کہ ایک خواب کی وجہ سے تھپڑ مار دیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا خواب سچا کر دیا اور ان کا نکاح اللہ کے رسول ﷺ سے ہو گیا۔ انھیں جہنم سے چھٹکارا مل گیا اور مومنوں کی ماں بننے کا اعزاز حاصل ہوا نیز جنت میں بھی خاتم الانبیاء والمرسلین کی زوجہ محترمہ ہونے کا شرف مل گیا۔

آیئے اب ذرا اپنے پیارے رسول ﷺ کے اخلاق کی ایک جھلک ملاحظہ کیجیے:

آپ ﷺ خیبر سے مدینہ طیبہ واپس آتے ہوئے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ پر ہی سوار تھے۔ آپ نے ان کی اس طرح عزت افزائی کی کہ جب سیدہ اونٹ پر سواری کا ارادہ کرتیں تو آپ ﷺ اونٹ کے پاس جاتے، اپنا گھٹنا آگے کر دیتے تاکہ صفیہ رضی اللہ عنہا اپنا قدم سید الانبیاء کے مبارک زانو پر رکھ کر سوار ہوں۔

ادھر سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا حسن ادب دیکھیے کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کا اس قدر احترام کرتی تھیں کہ اپنا پاؤں کبھی بھی اس مبارک گھٹنے پر نہ رکھتیں بلکہ اپنا گھٹنا اس پر رکھ کر سوار ہو جاتیں۔

اب آیئے دیکھیے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا اللہ کے رسول ﷺ کے اخلاق کے بارے میں کیا گواہی دیتی ہیں۔ سیدہ فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے بہتر اخلاق والا انسان نہیں دیکھا۔ میں خیبر میں رات کو ان

کی اونٹنی پر سوار تھی۔ مجھے اونگھ آتی تو میرا سر کجاوے سے لگ جاتا۔ آپ ﷺ مجھے ہاتھ سے جگاتے ہوئے فرماتے: (يَا هٰذِهِ مَهْلًا، يَا صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ) ''اری ذرا سنبھل کر، اے حیی کی بیٹی صفیہ! ذرا دھیان سے۔''

ایک مرتبہ سیدہ عائشہ اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہما نے یہ بات کہہ دی کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہاں صفیہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ قدر و منزلت والی ہیں کہ ہم اللہ کے رسول کی زوجات بھی ہیں اور آپ کی چچازاد بھی ہیں۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں عرض کر دی تو اللہ کے رسول ﷺ نے اس طرح ان کی تالیف قلبی فرمائی کہ صفیہ تم نے ان سے اس طرح کیوں نہ کہا:

''تم مجھ سے بہتر کیسے ہو سکتی ہو جبکہ میرے شوہر محمد ﷺ میرے باپ ہارون علیہ السلام اور میرے چچا موسیٰ علیہ السلام ہیں''

(وَ كَيْفَ تَكُوْنَانِ خَيْرًا مِّنِّي وَ زَوْجِيْ مُحَمَّدٌ وَ أَبِي هَارُوْنُ وَ عَمِّي مُوسٰى)

''تم مجھ سے کیسے بہتر ہو سکتی ہو جبکہ میرے شوہر محمد ﷺ میرے باپ ہارون علیہ السلام اور میرے چچا موسیٰ علیہ السلام ہیں''

جامع الترمذي، حديث: 3892، والمستدرك للحاكم: 29/4.

قارئین کرام! یہ اللہ کے رسول ﷺ کا اعلیٰ اخلاق تھا کہ آپ نے اپنی بیوی کو ان الفاظ کے ساتھ تسلی دی۔ ان کو بتایا کہ ان کی اہمیت بھی کوئی کم نہیں ہے۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے اخلاق سے بے حد متأثر ہوئیں۔ اسی چیز کا نتیجہ تھا کہ وہ آپ کے ساتھ بے حد محبت کرتی تھیں۔ وہ آپ ﷺ کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز اور محبوب تر سمجھتی تھیں۔ اگر کبھی آپ بیمار پڑتے تو وہ آرزو کرتیں کہ آپ ﷺ صحت و عافیت میں رہیں اور اس کے بدلے میں یہ مرض انہیں لاحق ہو جائے۔



24

امام الانبیاء ﷺ کی پاکیزہ جوانی

اللہ کے رسول ﷺ کی ساری زندگی بڑی مثالی اور ہر قسم کی آلائشوں سے پاک تھی۔ جس طرح آپ ﷺ کا بچپن بڑا خوبصورت، منفرد اور نرالا تھا، اسی طرح آپ کی نوعمری کا دور بھی بڑا عمدہ تھا۔ جس معاشرے میں آپ جلوہ گر ہوئے وہ بہت ہی بگڑا ہوا تھا۔ دور جاہلیت سے اہل مکہ مکرمہ کتنے ہی غلط کام کرتے چلے آرہے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان تمام آلائشوں سے محفوظ رکھا اور اپنے محبوب کی مکمل حفاظت فرمائی۔ یہ حفاظت کیسے فرمائی؟ اس سلسلے میں آیئے ابن الأثیر کے حوالے سے ایک واقعہ ملاحظہ کرتے ہیں:

جونہی میں نے باجے کی آواز سننے کے لیے خود کو تیار کیا، اللہ تعالیٰ نے میرے کانوں کو بند کردیا اور میں وہیں سو گیا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''اہل جاہلیت جو کام کرتے تھے، میرے دل میں دو دفعہ کے سوا کبھی ان کا خیال تک نہیں گزرا، مگر دونوں مرتبہ اللہ تعالیٰ نے میرے اور اس کام کے درمیان رکاوٹ ڈال دی۔ اس کے بعد پھر کبھی مجھے اس کا خیال ہی نہیں آیا یہاں تک کہ اللہ رب العزت نے مجھے رسالت سے مشرف فرمادیا۔''

واقعہ کچھ یوں ہے کہ جو لڑکا میرے ساتھ مکہ مکرمہ میں بکریاں چرایا کرتا تھا، ایک رات میں نے اس سے کہا کہ تم میری بکریوں کی دیکھ بھال کرنا، میں مکہ مکرمہ جا کر نوجوانوں کی قصہ گوئی کی محفل میں شرکت کرتا ہوں۔ اس نے کہا: ٹھیک ہے۔ اس کے بعد میں مکہ مکرمہ روانہ ہو گیا۔ ابھی میں مکہ مکرمہ کے پہلے ہی گھر کے قریب پہنچا تھا کہ باجے کی آواز سنائی دی۔ میں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ مجھے بتایا گیا کہ فلاں شخص کی شادی ہے۔

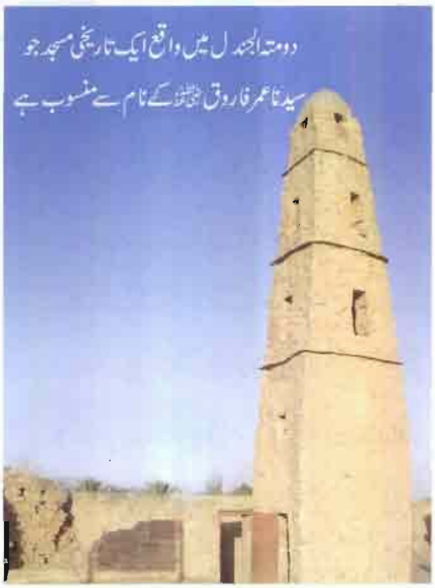
جونہی میں نے باجے کی آواز سننے کے لیے خود کو تیار کیا، اللہ تعالیٰ نے میرے کانوں کو بند کردیا اور میں وہیں سو گیا۔ پھر سورج کی گرمی سے ہی میری آنکھ کھلی اور میں اپنے ساتھی کے پاس واپس آ گیا۔ اس نے پوچھا تو میں نے اسے پوری تفصیل بتائی کہ میں تو وہاں پوری رات سوتا رہا۔

دوسری مرتبہ پھر میں نے اپنے دوست سے وہی بات کہی اور مکہ مکرمہ پہنچ گیا۔ پھر اسی رات کی طرح کا واقعہ پیش آیا۔ اللہ کے رسول ﷺ اس رات بھی سوتے رہے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان تمام لغویات سے محفوظ رکھا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کے بعد پھر کبھی اس قسم کی مجلس میں جانے کا ارادہ نہ ہوا۔

الكامل في التاريخ لابن الأثير:1/568.

یہ غلامی تو ہے، مگر ہے کس کی؟

سیرت نگار اس بات پر متفق ہیں کہ غلاموں میں جس شخصیت نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا وہ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے۔ عرب کا وہ معاشرہ جس میں غلاموں کو نہایت حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور ان کو معمولی معمولی غلطیوں پر اتنی سخت سزائیں دی جاتی تھیں کہ انسانیت کانپ اٹھتی تھی۔ مگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ اخلاق کو دیکھیے کہ آپ کے حسن معاملہ نے غلاموں کو زمانے بھر کا امام بنا دیا۔



دومۃ الجندل میں واقع ایک تاریخی مسجد جو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نام سے منسوب ہے

عرب کا ایک مشہور قبیلہ بنو کلب ہے۔ یہ قبیلہ اپنی شجاعت اور بہادری میں بڑا مانا ہوا تھا۔ یہ لوگ سعودی عرب کے شمال میں دومۃ الجندل کے علاقے میں رہتے تھے۔ حارثہ بن شراحیل کی بیوی اپنے آٹھ سالہ بیٹے زید کے ساتھ میکے گئی ہوئی تھی۔ ان کی بستی پر بنو قیس بن جسرہ کے لوگوں نے شب خون مارا، بہت سارے لوگوں کو گرفتار کیا۔ بستی کا سامان لوٹا، عورتوں اور بچوں کو لونڈیاں اور غلام بنایا اور بھاگ گئے۔ جن بچوں کو غلام بنایا گیا ان میں آٹھ سالہ زید بن حارثہ بھی



طائف میں واقع سوق عکاظ

شامل تھا۔ زید بڑا سلیم الفطرت، گوراچٹا، نہایت ہی خوبصورت اور مؤدب بچہ تھا۔ طائف کے قرب وجوار میں ہر سال عکاظ کا میلہ لگتا تھا جس کی شہرت بڑی دور دور تک تھی۔ لوگ دور دراز سے میلے میں شرکت کے لیے آتے تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں یہاں ایک بازار غلاموں کی خرید وفروخت کا بھی ہوتا تھا جس میں غلاموں کو بھیڑ بکریوں کی طرح فروخت کیا جاتا تھا۔ عکاظ کے میلے میں جن غلاموں کو فروخت کے لیے پیش کیا گیا ان میں زید بن حارثہ بھی شامل تھے۔ مکہ مکرمہ سے دیگر خریداروں کے علاوہ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حکیم بن حزام بھی تھے۔ انھوں نے زید کو دیکھا تو یہ نوجوان پسند آگیا۔ زید کو خریدا اور اسے مکہ مکرمہ لے آئے۔

حکیم بن حزام بڑے ہی شریف الطبع تھے۔ اپنی پھوپھی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نہایت محبت کرتے تھے۔ ایک دن مکہ مکرمہ میں اپنی پھوپھی سے ملے تو ان کی خدمت میں زید رضی اللہ عنہ کو پیش کیا کہ یہ آپ کی خدمت کرے گا۔ اب زید سیدہ کے گھر کا غلام بن کر رہنے لگا۔ وقت گزرتے دیر نہیں لگتی، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو سیدہ نے زید کو آپ کی خدمت کے لیے مامور کر دیا اور کہا: یہ زید اب آپ کا غلام ہے۔ زید کی خوش قسمتی کہ اسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی حاصل ہوگئی، یہ غلامی کیا تھی؟ بس دونوں جہاں کی سعادت اور خوش بختی تھی۔ زید اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرنے لگا۔ اسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہونے کا موقع ملا تو وہ آپ کے اخلاق وکردار سے نہایت متاثر ہوا۔

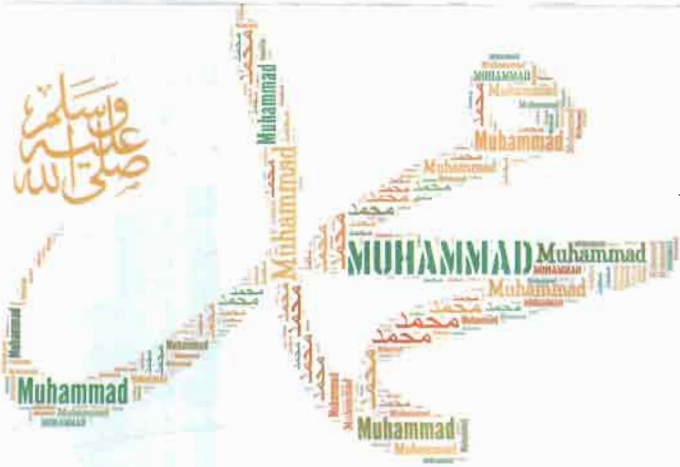
ادھر حارثہ بن شراحیل کلبی اپنے بیٹے کی وجہ سے سخت پریشان تھا۔اس کی والدہ اپنے بیٹے کو یاد کرکے ہر وقت روتی رہتی تھی۔زید کو تلاش کرنے کی پوری کوشش کی جارہی تھی۔حارثہ نے چاروں طرف اعلان کروا رکھا تھا کہ کوئی شخص اسے اس کے بیٹے کے بارے میں اطلاع دے گا تو وہ اسے منہ مانگی قیمت دے کر چھڑوا لائے گا۔اس کے جاننے والے کنبہ قبیلہ کے لوگ جہاں بھی جاتے، زید کے بارے میں معلوم کرتے۔

ایک مرتبہ کچھ لوگ عمرہ یا حج کرنے کے لیے مکہ مکرمہ آئے تو انھیں زید کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ مکہ مکرمہ میں محمد ﷺ کے پاس ہے۔انھوں نے زید کے والد حارثہ کو اطلاع دی تو اس نے بھاری رقم ساتھ لی، اپنے بھائی کو ہمراہ لیا اور مکہ مکرمہ آ گیا۔

یہ نبوت ملنے سے پہلے کا واقعہ ہے۔حارثہ اپنے بھائی کے ہمراہ مکہ مکرمہ پہنچا تو سیدھا اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔اس نے آتے ہی بتادیا کہ وہ اپنے بیٹے کو چھڑانے کے لیے آیا ہے اور اپنے ساتھ معقول معاوضہ بھی لایا ہے۔دونوں بھائی اللہ کے رسول سے کہنے لگے: آپ جتنا بھی معاوضہ طلب فرمائیں ہم دینے کے لیے تیار ہیں، بس ہمارے بیٹے کو ہمارے حوالے کر دیں۔

''میں آپ لوگوں سے کوئی معاوضہ نہیں لوں گا۔زید میری طرف سے آزاد ہے۔بس اس سے پوچھ لو، اگر وہ تمھارے ساتھ جانا چاہتا ہے تو اسے لے جاؤ۔''

قارئین کرام! اب ذرا اخلاق نبوی پر غور کیجیے۔آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''میں آپ لوگوں سے کوئی معاوضہ نہیں لوں گا۔زید میری طرف سے آزاد ہے۔بس اس سے پوچھ لو، اگر وہ تمھارے ساتھ جانا چاہتا ہے تو اسے لے جاؤ۔مجھے کوئی اعتراض نہیں۔میں آزادی کا اختیار تمھارے بیٹے کو دیتا ہوں اور اگر نہیں جانا چاہتا تو اسے چھوڑ دو۔'' سیدنا زید کا والد اور چچا کہنے لگے کہ اس سے زیادہ انصاف کی بات کیا



ہوسکتی ہے۔ وہ اللہ کے رسول ﷺ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنے بیٹے کے پاس آئے۔ زید سے کہا: زید! چلو تمھیں آزادی کا پروانہ مل چکا ہے۔ ہم تمھیں لینے آئے ہیں۔

ادھر زید کا عالم ہی نرالا تھا۔ انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ کی قربت سے جو لذت حاصل کی تھی، آپ کے عدیم النظیر اخلاق اور شفقت و رحمت سے فیض یاب ہوئے تھے، اس کی بنا پر کہنے لگے: میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ میں یہیں **محمد** ﷺ کے قدموں ہی میں زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔ ان کی غلامی پر ہزاروں آزادیاں قربان ہیں۔

میں یہیں **محمد** ﷺ کے قدموں ہی میں زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔ ان کی غلامی پر ہزاروں آزادیاں قربان ہیں۔

زید کا جواب اس کے والد اور چچا کے لیے قطعاً ناقابل یقین تھا۔ وہ ناراض ہوئے اور کہنے لگے: زید! تمھارا ناس ہو، تم غلامی کو آزادی پر ترجیح دے رہے ہو۔ اپنے والد، چچا، اپنے خاندان پر محمد ﷺ کو فوقیت دے رہے ہو۔

اب ذرا زید کا جواب سنیے۔ کہنے لگے: ہاں، یہ غلامی تو ہے مگر دیکھو تو سہی کہ ہے کس کی؟ میں نے **محمد** ﷺ میں جو محبت، الفت، پیار اور جملہ مکارم اخلاق دیکھے ہیں اس کے بعد میں

ان کی ذات بابرکات پر کسی دوسرے کو ترجیح نہیں دے سکتا، چاہے وہ میرا باپ یا چچا ہی کیوں نہ ہو۔ میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گا بلکہ یہیں رہوں گا۔ زید کے والد اور چچا مایوس ہو کر مکہ مکرمہ سے واپس چل دیے۔ اللہ کے رسول ﷺ کو بھی زید کے جواب کی اطلاع مل گئی۔ آپ ﷺ زید کے فیصلے سے اس قدر مطمئن اور مسرور ہوئے کہ اس کو ہمراہ لے کر بیت اللہ شریف میں پہنچے۔ وہ زید کو ایک اعزاز اور تحفہ دے رہے تھے۔ بیت اللہ میں قریش کے اکابر بیٹھے تھے۔ آپ ﷺ لوگوں سے مخاطب ہوئے۔ زید کا ہاتھ آپ کے مبارک ہاتھوں میں تھا، ارشاد فرمایا: ''آج سے زید میرا غلام نہیں، میرا بیٹا ہے۔'' مکہ مکرمہ والے زید کو رشک اور حیرت سے دیکھ رہے ہیں۔ وہ صادق اور امین کا بیٹا بن گیا ہے۔

قارئین کرام! لوگوں نے زید کو اب زید بن محمد کے نام سے پکارنا شروع کر دیا۔ پھر جب تک اللہ تعالیٰ نے اس سے منع نہیں کر دیا تب تک یہی نام چلتا رہا[1]

[1] صحيح البخاري، حديث:4782، و الإصابة: 2/494-497، والاستيعاب، ص:285-287.

ایک ہندو شاعر پنڈت ہری چند اختر کے چند اشعار لکھ رہا ہوں۔ پڑھیں اور لطف اٹھائیں ۔

کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کردیا
کس نے ذروں کو اٹھایا اور صحرا کردیا
کس کی حکمت نے یتیموں کو کیا دُرِّ یتیم
اور غلاموں کو زمانے بھر کا مولا کردیا
کہہ دیا لا تقنطوا اختر کسی نے کان میں
اور دل کو سر بسر محو تمنا کر دیا
آدمیت کا غرض ساماں مہیا کردیا
اِک عرب نے آدمی کا بول بالا کردیا



میں تو نبوت کی نشانیاں تلاش کر رہا تھا

مدینہ طیبہ کے یہود میں گنتی کے لوگ تھے جنہوں نے اسلام قبول کیا اور اللہ کے رسول ﷺ کے صحابی ہونے کا شرف حاصل کیا۔ یہود نے اللہ کے رسول ﷺ کی علامات کو اپنی مذہبی کتابوں میں پڑھ رکھا تھا۔ تورات شریف میں اللہ کے رسول ﷺ کی دو صفات کو بڑے نمایاں طور پر بیان کیا گیا ہے۔ ان میں ایک صفت: (يَسْبِقُ حِلْمُهُ غَضَبَهُ) ''آپ کا تحمل آپ کے غصے پر غالب ہوگا۔'' دوسری صفت: (وَلَا يَزِيدُهُ شِدَّةُ الْجَهْلِ عَلَيْهِ إِلَّا حِلْمًا) ''آپ کے ساتھ شدید جہالت کے سلوک کے باوجود آپ کے تحمل و بردباری میں اضافہ ہی ہوتا چلا جائے گا۔''

محترم قارئین! اس سے پہلے کہ میں آپ کو بڑا خوبصورت واقعہ سناؤں جس میں آپ ﷺ کی مذکورہ دونوں صفات بہت شاندار طریقے سے نظر آتی ہیں، ذرا غور کریں کہ دنیا میں کون سا ایسا شخص ہوگا جس کو غصہ دلایا جائے، اس کے خاندان کو برا بھلا کہا جائے اور وہ تحمل کا ثبوت دے؟......کون ایسا شخص ہوگا جس کے ساتھ مسلسل بدتمیزی کی جائے، مگر اس کے حوصلے اور حلم میں اضافہ ہی ہوتا چلا جائے؟ ہمارے پیارے رسول ﷺ کے اندر یہ دونوں صفات بدرجۂ اتم پائی جاتی تھیں۔ آئیے واقعے کی طرف بڑھتے ہیں:

زید بن سعنہ مشہور یہودی عالم تھا۔ وہ تورات کا عالم تھا اور حق کا متلاشی تھا۔ اس نے تورات میں اللہ کے رسول ﷺ کی صفات پڑھ رکھی تھیں۔ جب اس نے اللہ کے رسول ﷺ کو ان صفات کی روشنی میں

جانچا تو اسے یقین ہوگیا کہ محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں اور آپ کو واقعی اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا ہے۔ مگر اوپر ذکر کی گئی دو صفات ایسی تھیں جن کی وہ تصدیق اب تک نہ کر سکا تھا۔ اس نے ارادہ کیا کہ وہ ان دو صفات کا مشاہدہ کرنے کے بعد اسلام قبول کرلے گا۔

مکارم اخلاق میں سب سے اہم چیز انسان کا حلم، اس کا حوصلہ مند ہونا اور غصہ میں نہ آنا ہے۔

قارئین کرام! مکارم اخلاق میں سب سے اہم چیز انسان کا حلم، اس کا حوصلہ مند ہونا اور غصہ میں نہ آنا ہے۔ دنیا میں ایسے لوگ تھوڑے ہی ہوں گے جن کے ساتھ بدتمیزی کی جائے اور وہ اس کے جواب میں حسن سلوک کا مظاہرہ کریں۔

اوپر گزر چکا ہے کہ زید بن سعنہ حق کی تلاش میں تھا۔ وہ مختلف بہانوں سے اللہ کے رسول ﷺ کی مجالس میں آتا۔ آپ ﷺ سے سوالات کرتا اور مذکورہ صفات کو آپ کی ذات گرامی میں دیکھنے کے لیے بے تاب رہتا تھا۔ چند ہی روز گزرے تھے کہ اسے یہ موقع میسر آگیا۔ آئیے اس سے اگلی بات ہم زید ہی کی زبانی سنتے ہیں۔



اگر مجھے رسول اللہ ﷺ کی ناراضی کا خیال نہ ہوتا تو میں تمھاری گردن اڑا دیتا۔ تمھیں یہ جرأت کیسے ہوئی کہ تم ایسی واہیات گفتگو کرو؟!

زید بن سعنہ کہتا ہے: میں ایک دن اللہ کے رسول ﷺ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص اپنی سواری پر آیا اور اس نے اپنی قوم کے بارے میں بتایا: اللہ کے رسول! میرا تعلق فلاں قبیلے اور بستی سے ہے۔ ان لوگوں نے اسلام قبول کرلیا ہے ۔ میں نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم لوگ اسلام قبول کرلو گے تو تمھارے پاس صبح وشام بڑی وافر مقدار میں رزق آئے گا۔ انھوں نے اسلام قبول کرلیا۔ اب صورت حال یہ ہے کہ ان دنوں قحط سالی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں یہ لوگ بھوک اور بدحالی سے باعث مرتد نہ ہو جائیں، آپ اگر مناسب خیال فرمائیں تو ان کے لیے کچھ مال ومتاع بھجوا دیں تا کہ ان کی بھوک کا مداوا ہو جائے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا گویا آپ ان سے پوچھنا چاہتے تھے کہ کیا ہمارے پاس ان دنوں بیت المال میں کچھ مال موجود ہے جو ان کو بھیجا جا سکے؟

قارئین کرام! مگر یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان ایام میں بیت المال خالی تھا۔ شاید اس لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خاموشی سے بات واضح ہوگئی۔ زید بن سعنہ نے موقع غنیمت جانا اور اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کی: میرے پاس اس مسئلے کا حل موجود ہے۔ آپ مجھے فلاں باغ کی کھجوریں ایک مقررہ مدت کے بعد ادا کردیں، مگر ان کی قیمت ابھی مجھ سے لے لیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (نَعَمْ! لٰكِنْ لَا تُسَمِّ حَائِطَ بَنِي فُلَانٍ) ''تمھارا کہنا درست ہے میں تمہیں متعین مدت کے بعد کھجور کی متعین مقدار ادا کردوں گا، مگر کسی مخصوص باغ کا نام نہ لو۔ ہم آپ کو جہاں سے ممکن ہوا کھجوریں دے دیں گے۔'' زید بن سعنہ کہنے لگا: (قَبِلْتُ) ''مجھے منظور ہے۔''

زید کہتا ہے: (فَأَعْطَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ ثَمَانِينَ مِثْقَالًا مِنَ الذَّهَبِ) ''میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو سونے کے اسّی (80) دینار دیے۔ آپ نے یہ سارا مال اس اعرابی کے حوالے کرتے ہوئے

فرمایا: (أَعجِلْ عَلَيهِمْ وَأَغِثْهُمْ بِهَا) ''جلدی ان کے پاس پہنچو اور اس مال سے اپنی قوم کی مدد کرو۔'' وہ شخص دعائیں دیتا ہوا رخصت ہوگیا۔

اللہ کے رسول ﷺ کے وعدے میں چند روز ابھی باقی تھے، مگر میں نے آپ کے تحمل و بردباری کو جانچنے کا فیصلہ کرلیا۔ اللہ کے رسول ﷺ سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر فاروق اور دیگر صحابہ کرام کے ساتھ ایک جنازے میں شرکت کے لیے بقیع الغرقد میں تشریف لے گئے تھے۔ جب آپ جنازے سے فارغ ہوئے تو میں بھی وہاں پہنچ گیا۔ میں نے اپنے منصوبے کے مطابق اچانک آپ ﷺ کی چادر پکڑ لی اور اسے خوب زور سے کھینچا۔ چادر آپ کے کندھے سے اتر گئی۔ میں نے ساتھ ہی نہایت کرخت لہجے میں کہا:



(أَدِّ مَا عَلَيْكَ مِنْ حَقٍّ وَمِنْ دَيْنٍ يَا مُحَمَّدُ! فَوَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُكُمْ يَا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ! إِلَّا مُطِلًّا فِي أَدَاءِ الْحُقُوقِ وَسَدَادِ الدُّيُونِ)

''اے محمد! میرا حق اور میرا قرضہ واپس کرو، اللہ کی قسم! تم عبدالمطلب کی اولاد حقوق کی ادائیگی اور قرض کی واپسی میں جان بوجھ کر تاخیر کرتے ہو۔''

قارئین کرام! ذرا اوپر والے الفاظ پر غور کیجیے۔ زید کا مطالبہ بڑا ہی غیر معقول اور ناجائز تھا۔ ابھی وعدے کی مدت میں کئی دن باقی تھے۔ پھر انداز ایسا برا کہ آپ ﷺ کے پورے خاندان کو درمیان میں گھسیٹ لیا۔ یہ بدتمیزی، یہ بداخلاقی کسی بھی شخص کو غصہ دلانے کے لیے کافی تھی۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی اس موقع پر موجود تھے اور اس یہودی کی بکواس سن رہے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے بارے میں ہرزہ سرائی سنی تو خاموش نہ رہ سکے۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ گویا ہوئے: او اللہ کے دشمن! تمھاری یہ جرأت کہ تم اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ اس

قسم کی گھٹیا گفتگو کر رہے ہو۔ میں یہ کیا سن رہا ہوں؟ اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! اگر مجھے اللہ کے رسول ﷺ کی ناراضی کا خیال نہ ہوتا تو میں اس بدتمیزی پر تمھاری گردن اڑا دیتا۔ تمھیں یہ جرأت کیسے ہوئی کہ تم ایسی واہیات گفتگو کرو؟!

ادھر اللہ کے رسول ﷺ کا اعلیٰ اخلاق ملاحظہ کیجیے کہ آپ زید بن سعنہ کی یہ نامناسب اور بے تکی گفتگو سن کر بھی مشتعل نہیں ہوئے بلکہ آپ ﷺ کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی اور آپ ﷺ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو مخاطب ہو کر فرمایا: ''عمر! ایسی بات نہ کہو۔ تمھیں چاہیے تھا:

(أَنْ تَأْمُرَنِي بِحُسْنِ الْأَدَاءِ وَتَأْمُرَهُ بِحُسْنِ التَّقَاضِي)

''مجھ سے کہتے کہ میں اس کا قرض خوش اسلوبی سے ادا کر دوں اور اسے سمجھاتے کہ قرض کا تقاضا بھلے طریقے سے کرو۔''

یہودی عالم سیدنا محمد مصطفی ﷺ کے اخلاق کی اس بلندی اور روح کی اس پاکیزگی کے سامنے مبہوت ہو کر کھڑا ہے اور یہ گفتگو سن رہا ہے۔

قارئین کرام! کیا آپ جانتے ہیں کہ اللہ کے محبوب ﷺ نے اس موقع پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو کیا حکم دیا:

(يَا عُمَرُ! خُذْهُ وَأَعْطِهِ حَقَّهُ وَزِدْهُ عِشْرِينَ صَاعاً مِنْ تَمْرٍ جَزَاءَ مَا رَوَّعْتَهُ)

''اے عمر! اسے ساتھ لے جا کر اس کا حق ادا کرو اور اسے بیس صاع (پچاس کلو) کھجوریں زیادہ ادا کرو، یہ اس چیز کا بدلہ ہے جو تم نے اس کو دھمکایا ہے۔'' زید بن سعنہ اللہ کے رسول ﷺ کی گفتگو پوری توجہ سے سن رہا تھا۔ وہ حیران تھا کہ اس قدر اشتعال انگیز گفتگو کے باوجود آپ ﷺ حسب سابق تبسم کناں ہیں۔ بلاشبہ آپ کا حلم غصے پر سبقت لے گیا ہے۔

زید بن سعنہ کہتا ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ مجھے ساتھ لے کر بیت المال گئے۔ میرا قرض واپس کیا اور حسب ہدایت بیس صاع کھجوریں زیادہ دیں۔ جب میں نے کھجوریں وصول کر لیں تو سیدنا عمر فاروق سے کہا: یہ

میرا حق مجھے مل گیا اس بات کی سمجھ تو آتی مگر یہ بیس صاع زیادہ کس لیے دیے جا رہے ہیں؟ فاروق اعظم نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا حکم اسی طرح ہے۔ یہ اس چیز کا بدلہ ہے جو میں نے تمہیں ڈرایا تھا۔

اے عمر! اسے ساتھ لے جا کر اس کا حق ادا کرو اور اسے بیس صاع (پچاس کلو) کھجوریں زیادہ ادا کرو، یہ اس چیز کا بدلہ ہے جو تم نے اس کو دھمکایا ہے۔

زید کہتا ہے: میں نے سیدنا عمر سے کہا: کیا تم مجھے جانتے ہو؟ عمر فاروق نے کہا: تم خود ہی اپنا تعارف کروا دو۔ میں نے کہا کہ میں زید بن سعنہ ہوں۔ (قَالَ عُمَرُ: الحِبْرُ) سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: یعنی وہی جو مشہور یہودی عالم ہے۔ میں نے جواب دیا: ہاں! (الحِبْرُ) قارئین کرام! لگتا ہے کہ سیدنا عمر فاروق نے اس کا نام تو سن رکھا تھا مگر اس سے ملاقات نہیں ہوئی تھی اور وہ اسے پہچانتے نہ تھے۔ اسی لیے انہوں نے تعجب سے کہا (الحِبْرُ) عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: تم نے اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ جس انداز میں گفتگو کی ہے اور ان کے ساتھ جس طرح بد اخلاقی سے پیش آئے ہو، تمھیں ہرگز اس کا کوئی حق نہیں تھا۔ زید بن سعنہ نے کہا: عمر تم بالکل درست کہتے ہو، مگر تمھیں معلوم نہیں کہ میں حق کا متلاشی تھا:

(وَاللّٰهِ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ! مَا مِنْ شَيْءٍ مِنْ عَلَامَاتِ النُّبُوَّةِ إِلَّا وَ قَدْ عَرَفْتُهُ فِي وَجْهِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ حِينَ نَظَرْتُ إِلَيْهِ وَلَكِنَّنِي لَمْ أَخْتَبِرْ مِنْهُ خَصْلَتَيْنِ مِنْ خِصَالِ النُّبُوَّةِ)

اللہ کی قسم! خطاب کے بیٹے! میں نے جب محمد ﷺ پر نگاہ ڈالی تھی تو نبوت کی تمام علامات دیکھ لی تھیں۔ صرف دو صفتیں باقی رہ گئی تھیں۔"

(قَالَ عُمَرُ: وَمَا هُمَا؟) "سیدنا عمر نے پوچھا: وہ کونسی دو صفتیں تھیں؟"

یہودی عالم کہنے لگا:

وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ

(الْأُولَى: يَسْبِقُ حِلْمُهُ غَضَبَهُ، وَالثَّانِيَةُ: لَا تَزِيدُهُ شِدَّةُ الْجَهْلِ عَلَيْهِ إِلَّا حِلْمًا)

پہلی صفت یہ کہ آپ ﷺ کا تحمل ان کے غصے پر غالب ہوگا اور دوسری یہ کہ جیسے جیسے ان کے ساتھ زیادہ بدتمیزی کی جائے گی ویسے ویسے ہی ان کے حوصلے اور برداشت میں اضافہ ہوگا۔‘‘

آج میں نے ان دو صفات کا بھی خوب مشاہدہ کرلیا ہے۔ بلاشبہ اللہ کے رسول ﷺ نبی آخر الزماں ہیں۔ عمر! میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں آج سے اسلام قبول کرتا ہوں۔ پھر زید بن سعنہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی معیت میں مسجد نبوی میں آیا اور سب کے سامنے واشگاف الفاظ میں کہا:

(أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ)

قارئین کرام! کیا دنیا کی کسی لغت میں وہ الفاظ موجود ہیں جن کے ذریعے اس حسن اخلاق کا صحیح معنوں میں تذکرہ کیا جا سکے۔ نہیں اللہ کی قسم! ہم نبی کریم ﷺ کے اخلاق عالیہ کی حقیقی تعریف بیان کرنے سے قاصر ہیں تو پھر آیئے آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کے بیان کے لیے رب العالمین کی کتاب مقدس ہی کے الفاظ کا سہارا لیں۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾

زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے کے بعد تمام غزوات میں آپ کے ہمرکاب رہے۔ یہ انتہائی مالدار شخص تھے۔ مال کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے انھیں دریا دلی سے بھی نواز رکھا تھا۔ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ یہ غزوۂ تبوک کے دوران فوت ہوئے۔

المعجم الكبير للطبراني:223,222/5، ودلائل النبوة لأبي نعيم: 1/91-93، ودلائل النبوة للبيهقي: 6/278-280.



ارے تم نے تو اللہ کی وسیع رحمت کو سکیڑ دیا

اللہ کے رسول ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کے حوالے سے اس واقعے کو امام بخاری اور امام مسلم نے سیدنا ابو ہریرہ اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ آیئے یہ شاندار واقعہ پڑھتے ہیں:

ہم لوگ مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک اعرابی ''بدو'' گاؤں کا رہنے والا مسجد میں آیا۔ اسے پیشاب کی حاجت تھی۔ کچھ دیر کے بعد وہ اٹھا اور مسجد کے ایک کونے میں پیشاب کرنے لگا۔ مسجد اس زمانے میں کچی تھی اس پر کھجور کی ٹہنیوں سے چھت ڈالی ہوئی تھی۔ صحابہ کرام نے اسے دیکھا تو کہنے لگے: (مَهْ مَهْ) یعنی تم یہ کیا کر رہے ہو؟ مسجد میں پیشاب کر رہے ہو؟ انھیں اس بدو کی یہ حرکت نہایت بری لگی۔ ادھر اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: پیشاب کرنے کے دوران اسے پریشان نہ کرو، اسے چھوڑ دو، اسے پیشاب کر لینے دو۔ صحابہ کرام خاموش ہو گئے اور اس نے پیشاب کر لیا۔ جب وہ فارغ ہوا تو معلم حکمت ﷺ نے اسے بلایا اور فرمایا: میرے عزیز بھائی!



(إِنَّ هٰذِهِ الْمَسَاجِدَ لَا تَصْلُحُ لِشَيْءٍ مِنْ هٰذَا الْبَوْلِ وَالْقَذَرِ)

''دیکھو! ان مساجد میں پیشاب کرنا یا گندگی پھیلانا جائز نہیں۔''

(إِنَّمَا هِيَ لِذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَالصَّلَاةِ وَقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ)

''یہ تو صرف اللہ رب العزت کے ذکر، نماز اور قرآن کریم پڑھنے کے لیے بنائی گئی ہیں۔''

صحيح البخاري، حديث:6025، و صحيح مسلم، حديث:285.

ابن ماجہ میں صحیح حدیث کے ساتھ یہ بھی ہے کہ یہ اعرابی اللہ کے رسول ﷺ کے حسن سلوک سے اتنا متأثر ہوا کہ کہنے لگا: (بِأَبِي وَأُمِّي) ''میرے ماں باپ آپ پر قربان''۔ آپ نے مجھے مارا نہ ڈانٹا، نہ گالی دی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ پانی کا ڈول لے کر آؤ اور اسے اس پیشاب والی جگہ پر بہادو۔ اعرابی اللہ کے رسول ﷺ کے اس اخلاق اور محبت سے اس قدر متأثر ہوا کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کے لیے دعا کرنے لگا۔ وہ ایک بدو، دیہاتی تھا، دعا کے آداب سے ناواقف تھا مگر ایک ہی ملاقات میں اللہ کے رسول ﷺ سے شدید محبت کرنے لگا۔ اور محبت کا یہ انداز ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ کہتا ہے:

(اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِي وَمُحَمَّداً وَلَا تَرْحَمْ مَعَنَا أَحَدًا)

''اے اللہ! مجھ پر اور محمد ﷺ پر رحم فرما اور ہمارے علاوہ کسی اور کو اس رحمت میں شامل نہ کرنا۔''

اللہ کے رسول نماز پڑھ رہے تھے۔ نماز سے فارغ ہوئے۔ آپ اس بدو کی دعا سن چکے تھے۔ آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: (لَقَدْ حَجَّرْتَ وَاسِعًا) ''تم نے تو اللہ کی وسیع رحمت کو سکیڑ دیا ہے؟'' (الأعراف 156/7)

جبکہ اللہ رب العزت فرماتا ہے:

(وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ) ''میری رحمت تو اس قدر وسیع ہے کہ اس نے ہر چیز کو ڈھانپ رکھا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: پیشاب کرنے کے دوران اسے پریشان نہ کرو، اسے چھوڑ دو اور پیشاب کر لینے دو۔

سنن أبي داود، حديث: 380، 381، و جامع الترمذي، حديث: 147، و سنن ابن ماجه، حديث: 528، 529، و صحيح البخاري، حديث: 6010.

معزز قارئین کرام! اوپر والا واقعہ جو صحیح حدیث میں ہے اور بالکل درست اور صحیح ہے، ہمارے علماء، دعاۃ، مبلغین اور واعظین کے لیے اس واقعے میں کتنے ہی دروس ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کتنے نرم دل تھے۔ کتنے بردبار اور اعلیٰ اخلاق والے تھے کہ اپنے صحابہ کی غلطیوں کو نظر انداز فرماتے، ان کی اصلاح کرتے، ان کے ساتھ نرمی کا سلوک کرتے، ان کے ساتھ سخت رویہ نہیں اپناتے تھے۔ اس بدو کو آپ نے ڈانٹا نہیں، نہ اسے مارا اور نہ اسے گالی دی بلکہ اس سے انتہائی اچھے انداز میں فرمایا کہ ساتھی! یہ مساجد اس قسم کے کاموں کے لیے تعمیر نہیں کی گئی ہیں۔

کیا یہ واقعہ ہم سب کے لیے قابل غور نہیں ہے کہ ہم مساجد میں آنے والوں کی حوصلہ افزائی کریں، ان کی غلطیوں سے درگزر کریں اور ان پر تنقید کرنے کے بجائے نہایت محبت اور پیار سے ان کی اصلاح کریں۔ اگر کوئی شخص کم علمی اور جہالت کے باعث کوئی نامناسب حرکت کر بیٹھے تو اس کے ساتھ سختی نہ کریں بلکہ نرمی سے اس کو آگاہ کریں تاکہ وہ آئندہ کے لیے سمجھ جائے۔

کاش یہ قبر میری ہوتی

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کے حوالے سے جو واقعہ آپ پڑھنے جا رہے ہیں، اسے پڑھ کر آپ کو اندازہ ہوگا کہ آپ ﷺ کا اپنے عام ساتھیوں کے ساتھ سلوک کتنا عمدہ تھا۔ اس واقعے میں میں نے قدرے تفصیل سے عبداللہ ذوالبجادین کے بارے میں لکھا ہے۔ اس سے آپ کو ان کی زندگی کے بارے میں بھی معلومات حاصل ہو جائیں گی اور اللہ کے رسول ﷺ کا ایک عام شخص کے ساتھ کیسا تعلق اور برتاؤ تھا، اس کا بھی اندازہ ہو جائے گا۔ آیئے! یہ دل نشین واقعہ پڑھتے ہیں:

عہدِ رسالت مآب ﷺ میں مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان مزینہ قبیلے کے لوگ آباد تھے۔ مزینہ قبیلے کے ایک نوجوان عبدالعزیٰ بن عبدنُہم المُزَنی کا والد وفات پا چکا تھا۔ اس نوجوان کی عمر سولہ سال تھی اور ابھی تک اس کی کفالت اس کا چچا کر رہا تھا۔ چچا نہایت مالدار شخص تھا اور اس نے اپنے یتیم بھتیجے کو ہر قسم کی سہولت دے رکھی تھی۔ اچھا کھانا، اچھا لباس، اچھی رہائش، عبدالعزیٰ جو کچھ بھی مانگتا اسے حاضر کر دیتا تھا۔ اس کے لیے خصوصی طور پر دوسرے علاقوں سے اعلیٰ درجے کا لباس منگوایا جاتا۔ سبب یہ تھا کہ عبدالعزیٰ کو مقامی لباس پسند نہیں تھا۔ اس طرح وہ اپنے دوستوں میں بڑا نمایاں نظر آتا تھا۔

عبدالعزیٰ کی بستی کے لوگ بتوں کی پوجا پاٹ کرتے تھے۔ ان سب کے اپنے اپنے علیحدہ علیحدہ بت تھے جنھیں سامنے رکھ کر وہ ان سے اپنی حاجات طلب کرتے تھے۔ یہ اُن دنوں کی بات ہے جب مسلمان

مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے جا رہے تھے۔ چونکہ عبدالعزیٰ کی بستی ان دونوں شہروں کے درمیان تھی، اس لیے آنے جانے والے قافلے اس بستی میں کچھ دیر آرام کرنے کے لیے ٹھہرتے، کچھ قافلے تو رات بھی یہیں گزارتے تھے۔ قافلوں کے لیے سب سے بڑی سہولت یہ تھی کہ یہاں پانی آسانی سے مل جاتا تھا۔ دیگر ضروری اشیاء کی خریداری میں بھی کوئی دشواری پیش نہ آتی۔

ایک دن عبدالعزیٰ کی قسمت جاگ اٹھی۔ کچھ مسلمان مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ جا رہے تھے۔



انھوں نے اس کی بستی میں قیام کیا اور عبدالعزیٰ کو اسلام کی دعوت دی۔ عبدالعزیٰ نہایت سلیمُ الفطرت نوجوان تھا، اس نے فوراً اسلام قبول کرلیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے اسلام کی ضروری تعلیمات سے آگاہ کیا، قرآن کریم کی کچھ آیات سکھائیں جو اس نے فوراً یاد کرلیں۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ طیبہ کی طرف چل دیے۔ عبدالعزیٰ کو قرآن کریم بڑا پیارا لگا۔ اُس نے کلام اللہ کو یاد کرنا شروع کردیا۔ جو مسلمان اس سے ملتا، اس سے قرآن کریم سیکھتا اور اپنی خوبصورت آواز میں اس کی تلاوت کیا کرتا۔ وہ بڑا سمجھ دار اور دانا نوجوان تھا۔ اس نے مناسب وقت کے انتظار میں اپنے اسلام کو چھپائے رکھا اور اس بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتایا۔

عبدالعزیٰ قافلوں کے انتظار میں رہتا

کہ کب کوئی قافلہ آئے اور وہ ان سے قرآن سیکھے۔ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے درخواست کرتا کہ وہ اس کی بستی میں تھوڑا سا اور رُک جائیں تا کہ وہ قرآن سیکھ سکے۔ قریشِ مکہ نے ہر جگہ اپنے جاسوس چھوڑ رکھے تھے کہ اگر کوئی مسلمان ان کے ہتھے چڑھ جائے تو وہ اسے پکڑ کر واپس لائیں۔ عبدالعزیٰ کا چچا بھی اسلام کا سخت مخالف تھا۔

قارئین کرام! کم وبیش تین سال اسی طرح گزر گئے۔ ہجرت کا چوتھا سال شروع ہو چکا تھا۔ ایک مرتبہ قافلے میں شریک کسی مسلمان نے عبدالعزیٰ سے کہہ دیا کہ تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ تم ہجرت کیوں نہیں کرتے؟ عبدالعزیٰ کہنے لگا: تمھاری بات تو ٹھیک ہے مگر میں اپنے پیارے چچا کو کیسے چھوڑ سکتا ہوں؟ میں اس وقت ہجرت کروں گا جب میں اپنے چچا کا ہاتھ پکڑ کر اسے بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کروں گا۔

> تمھیں ہر نعمت، ہر چیز، جس کے تم مالک ہو چھوڑ نا ہوگی۔ میں تم سے تمام آسائشیں اور سہولتیں واپس لے لوں گا۔ حتی کہ تمھارے تن کے کپڑے بھی اتروا لیے جائیں گے۔

عبدالعزیٰ عبادت کے لیے صحرا میں نکل جاتا۔ جب اسے یقین ہو جاتا کہ اسے کوئی دیکھنے والا نہیں ہے تو وہ نماز ادا کرتا۔ اپنے چچا کو ملتا تو اسے بڑے پیار اور حکمت سے کہتا: چچا جان! میں نے یثرب میں محمد نامی ایک شخصیت کے بارے میں سنا ہے کہ وہ ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں۔ وہ چچا کو قرآن کریم کی آیات سناتا۔ ادھر اس کے چچا کا رویہ نہایت سرد تھا۔ وہ جواب میں اسے کچھ نہ کہتا۔ اسی کشمکش میں وقت تیزی سے گزرتا رہا۔ ایک دن اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اس نے بڑی محبت سے اپنے چچا سے کہا: پیارے چچا! میں نے ایک مدت آپ کا انتظار کیا ہے۔ میرا خیال تھا کہ آپ اسلام قبول کر لیں گے، مگر آپ نے اسلام قبول نہیں کیا۔ اب آپ کو یہ بات بتانے کا وقت آ پہنچا ہے کہ میں نے عقیدۂ توحید قبول کر لیا ہے اور (أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا

(رَّسُولُ اللّٰہِ) کا اقرار کرلیا ہے اور اب میں اللہ کے رسول ﷺ کی جدائی مزید برداشت نہیں کرسکتا، لہٰذا میں ہجرت کرکے مدینہ طیبہ جا رہا ہوں۔ میری دلی خواہش ہے کہ آپ بھی میرے ساتھ چلیں۔

پہلے تو چچا کو یقین نہ آیا، اور جب اسے اپنے بھتیجے کے اسلام کا یقین ہو گیا تو وہ شدید غصے میں آ گیا اور کہنے لگا: ''میں نے تمھیں پالا پوسا، تمھارے ساتھ محبت کی اور تمھیں دنیا کی ہر نعمت مہیا کی۔ میں تمھیں حکم دیتا ہوں کہ فوراً اسلام سے باز آ جاؤ۔''

''میں تو کبھی اسلام چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔'' عبدالعزیٰ نے جواب دیا۔

پھر تمھیں ہر نعمت، ہر چیز، جس کے تم مالک ہو چھوڑنا ہوگی۔ میں تم سے تمام آسائشیں اور سہولتیں واپس لے لوں گا۔ سنو! ہر چیز حتی کہ تمھارے تن کے کپڑے بھی تم سے اتروا لیے جائیں گے۔ عبدالعزیٰ گویا ہوا: چچا جان! جیسے آپ کی مرضی۔ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مقابلے میں کسی چیز کو اہمیت اور فوقیت نہیں دے سکتا۔ میں رسول اللہ ﷺ کے بدلے میں ہر نعمت کو ٹھکراتا ہوں۔ چاہے آپ مجھ سے ہر چیز واپس لے لیں۔

چچا غصے سے آگ بگولہ ہو گیا۔ اس نے عبدالعزیٰ کے کپڑوں کو پھاڑ ڈالا اور انھیں ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیا۔ عبدالعزیٰ تقریباً ننگا ہو چکا تھا۔ اسے زمین پر دو ٹاٹ کے ٹکڑے نظر آئے۔ اس نے جلدی سے ایک ٹکڑے سے اپنا ستر چھپا لیا اور دوسرا اپنے کندھے پر ڈال لیا۔

قارئین کرام! آج کل کے مسلمان تو رخصتوں کے دلدادہ ہیں۔ داستانِ عزیمت پڑھنی ہو تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی حیات طیبہ کا مطالعہ کریں کہ انھوں نے کس طرح اسلام کی خاطر قربانیاں دیں۔ ایک روایت میں ذکر ہے کہ وہ اسی حالت میں اپنی والدہ کے پاس گیا۔ اس سے مدد مانگی تو اس نے ایک ٹاٹ بیٹے کی طرف پھینکا جس سے عبدالعزیٰ نے اپنا ستر اور کندھے چھپا لیے۔ والدہ نے بھی صاف جواب دے دیا کہ میں اس سے زیادہ تمھارے لیے کچھ نہیں کر سکتی۔

عبدالعزیٰ کا رخ اب مدینۃ الرسول کی طرف تھا جہاں عالم انسانیت کی سب سے زیادہ شفقت اور محبت کرنے والی اعلیٰ ترین ہستی موجود تھی جس کے اعلیٰ اخلاق کی تاریخِ عالم میں کوئی مثال نہیں ہے۔

عبدالعزیٰ نے آج تک اللہ کے رسول ﷺ کا دیدار نہیں کیا تھا۔ وہ پیدل ہی مدینہ طیبہ پہنچ گیا۔ ان جیسے بے سہارا مہاجرین کے لیے جائے قرار مسجدِ نبوی ہی تھی۔ عبداللہ ذوالبجادین مدینہ طیبہ پہنچے تو رات کا وقت تھا، لہٰذا وہ مسجد نبوی ہی میں لیٹ گئے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی۔ صحابہ کرام کی طرف دیکھا تو ایک اجنبی چہرہ نظر آیا۔ مسجد نبوی میں اصحابِ صُفّہ کے چبوترے پر ایک نوجوان کو دیکھا جس کی عمر تقریباً 21 برس تھی۔ آپ نے سوال فرمایا: (مَنْ أَنْتَ؟) ''تم کون ہو؟'' کہنے لگا: (أَنَا عَبْدُ الْعُزّٰى) ''میں عبدالعزیٰ ہوں''۔ سوال ہوا: ''تم ٹاٹ میں کیوں ملبوس ہو؟'' عبدالعزیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی پوری داستان بیان کرتے ہوئے کہا: میں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اختیار کیا ہے اور دنیا کی ہر نعمت کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے اس نئے ساتھی کو حوصلہ دیا اور فرمایا: ''آج سے تمھارا نام عبدالعزیٰ نہیں بلکہ عبداللہ ذوالبجادین ہے۔'' ذوالبجادین کا معنی ہے ٹاٹ کے دو ٹکڑوں والا، لسانِ نبوت سے نکلا ہوا یہ نام ان کی پہچان بن گیا اور عبداللہ اس پر بہت خوش ہوئے۔

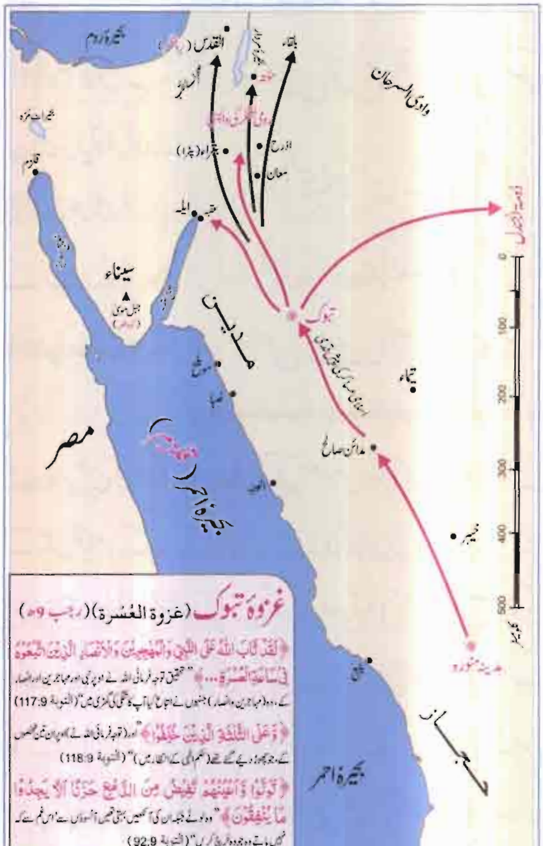
عبداللہ ذوالبجادین اب مسجد نبوی میں رہتے، وہ بڑی بلند آواز سے پورے جوش وخروش سے قرآن کریم کی تلاوت کرتے رہتے۔ وہ قرآن کریم سیکھتے اور اسے خوب پڑھتے حتی کہ انھوں نے قرآن کریم کا بہت سا حصہ پڑھ لیا۔ انھیں قرآن کریم سے شدید محبت تھی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان سے فرمایا تھا: (فَالْتَزِمْ بَابِي) ''میرے دروازے کے قریب ہی رہنا۔'' اور عبداللہ ذوالبجادین واقعی اللہ کے رسول ﷺ کے دروازے کے دربان بن گئے۔ وہ ہر وقت آپ کی خدمت میں حاضر رہتے۔

عبداللہ بڑی اونچی آواز میں ذکر واذکار کرتے تھے۔ ایک مرتبہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (أَمُرَاءٍ هُوَ؟) ''کیا وہ ریاکاری کے لیے اس قدر بلند آواز میں پڑھتا ہے؟'' رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا: (دَعْهُ عَنْكَ فَإِنَّهُ أَحَدُ الْأَوَّاهِينَ) ''نہیں بلکہ وہ تو اللہ کے سامنے آہ وزاری کرنے والوں میں سے ایک ہے۔''

عبداللہ ذوالبجادین مسجد ہی میں رہتے اور اونچی آواز سے قرآن کریم کی تلاوت کرتے۔ ایک دن سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کی:

﴿أَلَا تَسْمَعُ إِلَى هٰذَا الْأَعْرَابِيِّ يَرْفَعُ صَوْتَهُ بِالْقُرْآنِ﴾

اس اعرابی کو دیکھیے کہ یہ کتنی اونچی آواز سے قرآن کریم کی تلاوت کر رہا ہے۔ اس کی وجہ سے لوگوں کو قرآن کی تلاوت کرنے میں دقت پیش آ رہی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:



﴿دَعْهُ يَا عُمَرُ فَإِنَّهُ خَرَجَ مُهَاجِراً إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ﴾

''عمر اسے چھوڑ دو (کچھ نہ کہو)، یہ تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کر کے نکلا ہے۔''

قارئین کرام! ذرا غور کیجیے کہ عبداللہ ذوالبجادین ایک عام سا شخص ہے۔ مدینہ طیبہ میں اس کا کوئی خاندان اور قبیلہ نہیں ہے، نہ ہی وہ کوئی مالدار ہے، اس کے باوجود اللہ کے رسول ﷺ نے اسے اپنے قریبی ساتھیوں میں شامل فرما لیا ہے۔ اسی کو اعلیٰ اخلاق کہتے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ سے اور اللہ کے رسول اس سے محبت کرتے ہیں۔

وقت گزرتے دیر نہیں لگتی۔ چند سال گزرے، اللہ کے رسول ﷺ 9 ہجری میں غزوۂ تبوک کے لیے روانہ ہوئے۔ یہ ایک بڑا لشکر تھا جس میں دیگر مجاہدین اسلام کے ساتھ عبداللہ ذوالبجادین بھی شامل تھے۔ یہ جذبۂ شہادت سے سرشار اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے درخواست کی:

اللہ کے رسول! میرے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس جنگ میں شہادت کی نعمت نصیب فرمائے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی:

(اَللّٰهُمَّ إِنِّي أُحَرِّمُ دَمَهُ عَلَى الْكُفَّارِ)

''اے اللہ! میں اس کا خون کفار پر حرام کرتا ہوں۔''

انھوں نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! میرا یہ تو ارادہ نہ تھا۔ میں تو شہادت کا متمنی ہوں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ذوالبجادین! تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلے ہو۔ اگر تمھیں بخار ہو جائے اور تم بخار سے وفات پا جاتے ہو تو بھی شہید ہو۔''

اے اللہ! میں تجھے گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں آج شام تک ذوالبجادین سے راضی تھا۔ اے اللہ! تو بھی اس سے راضی ہو جا۔

اللہ کے رسول ﷺ تبوک پہنچے۔ ہمارے قارئین کرام کو یہ بات خوب معلوم ہو گی کہ اس غزوہ میں رومیوں کے خلاف کوئی معرکہ نہیں ہوا۔ تبوک میں قیام کے دوران ہی عبداللہ ذوالبجادین کو ایک دن بخار ہو گیا۔ طبیعت زیادہ خراب ہو گئی اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے گھر بار اور آسائشوں بھری زندگی چھوڑنے والا عبداللہ اللہ کو پیارا ہو گیا۔ رؤوف ورحیم نبی کو خبر دی گئی۔ اللہ کے رسول ﷺ شیخین سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو ہمراہ لے کر ان کے کفن دفن کا بندوبست کرنے لگے۔ وہ ایک سرد رات تھی۔ آپ ﷺ کے ایک جسمانی طور پر نحیف ونزار لیکن ایمانی طور پر مضبوط صحابی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آدھی رات کو اٹھے۔ چھوٹے قد کے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول ﷺ سے شدید محبت کرتے تھے۔ قدیم الاسلام تھے، انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے بستر کو دیکھا تو خالی نظر آیا، پھر شیخین کے بستر پر نظر ڈالی تو وہ بھی خالی تھے۔ بڑا تعجب ہوا۔ دل میں خیال آیا کہ کہیں کوئی خطرہ نہ درپیش ہو۔ کھڑے ہو کر چاروں طرف نظر دوڑائی۔ آدھی رات کا وقت، گھپ اندھیرا، پھر انہیں ایک طرف ہلکی سی روشنی نظر آئی۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس روشنی کی طرف چل پڑے۔ مسلمانوں کے کیمپ کے ایک کنارے

عجیب منظر دیکھا۔ انھوں نے دیکھا کہ بلال بن حارث نے ایک چھوٹی سی مشعل پکڑ رکھی ہے، جس کی روشنی میں ایک قبر کھودی جا چکی ہے۔ سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے ہاتھوں میں کسی کی نعش ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں اترے ہوئے ہیں۔ انہیں معلوم ہوا کہ یہ عبداللہ ذوالبجادین کی میت ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں: (أَدْلِيَا إِلَيَّ أَخَاكُمَا) ''اپنے بھائی کو میرے قریب کرو۔''

سیدنا ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذوالبجادین کی نعش تھما رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں: (رِفْقاً بِأَخِيكُمْ) ''اپنے بھائی کو نرمی کے ساتھ تھامو۔'' (رِفْقاً بِأَخِيكُمْ) ''ذرا پیار سے، نرمی سے اور محبت سے پکڑو۔'' کیونکہ (إِنَّهُ كَانَ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ) ''وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا تھا۔'' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیارے ساتھی کو اپنے مبارک ہاتھوں سے اٹھایا اور بڑی محبت اور پیار سے قبر میں اتارا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی بلندی دیکھیے، آپ نے اپنے مبارک ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھا کر اللہ سے دعا فرمائی: (اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَمْسَيْتُ عَنْهُ رَاضِيًا) ''اے اللہ! میں تجھے گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں آج شام تک ذوالبجادین سے راضی تھا۔'' (فَارْضَ عَنْهُ) ''اے اللہ! تو بھی اس سے راضی ہو جا۔''

ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اسے دفن کیا اور فرمایا: (اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ فَإِنَّهُ كَانَ قَارِئاً لِلْقُرْآنِ مُحِبًّا لِرَسُولِ اللّٰهِ.....)

''اے اللہ! اس پر رحمت فرما۔ یہ قرآن کریم کی تلاوت کرنے والا اور رسول اللہ سے محبت کرنے والا تھا۔''

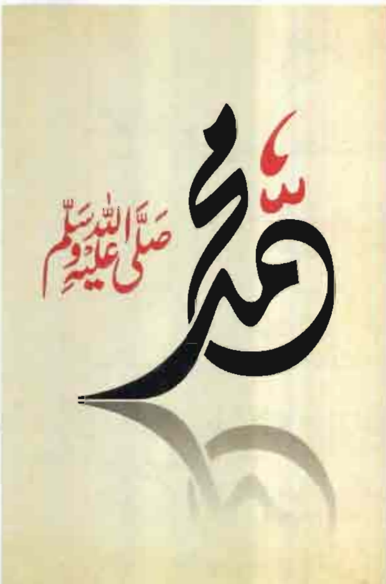
عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو آنکھوں دیکھا حال ہم سے بیان کر رہے ہیں، اس عام سے صحابی کی اتنی قدر و منزلت دیکھتے ہیں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے محبت ملاحظہ فرماتے ہیں تو وہ بے اختیار کہہ اٹھتے ہیں: (يَا لَيْتَنِي كُنْتُ صَاحِبَ اللَّحْدِ) ''کاش! اس قبر میں میں ہوتا۔''

الاستيعاب، ص: 489-490، وأسد الغابة: 228/3،
ودلائل النبوة لأبي نعيم الأصبهاني: 524/2، 526، والسيرة لابن هشام: 171/4-172.

یہ آپ کے لیے تحفہ ہے مگر میری جیب تو خالی ہے

ایک صحابی جن کا نام عبداللہ اور لقب حمار تھا، وہ اللہ کے رسول ﷺ سے شدید محبت کرتے تھے۔کبھی کبھار اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں کوئی تحفہ بھی پیش کر دیتے۔ ایک مرتبہ ایک اعرابی یعنی دیہاتی بدو شہد لیے مدینہ طیبہ میں فروخت کرنے کے لیے آیا۔ عبداللہ نے اس سے یہ شہد خریدا اور اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ آپ کے لیے ہدیہ ہے۔ قارئین کے لیے یہ بات معروف ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ صدقہ قبول نہ فرماتے تھے لیکن تحفہ قبول کرنے سے انکار نہیں کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے عبداللہ کا تحفہ قبول کر لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد شہد فروخت کرنے والا بدو عبداللہ سے اس کی قیمت مانگنے لگا، مگر عبداللہ تو غریب آدمی تھے۔ ان کے پاس تو کوئی درہم و دینار نہیں تھے۔ وہ شہد فروش کو لے کر اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اللہ کے رسول! اسے اس شہد کی قیمت عطا فرمائیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: (أَلَمْ تُهْدِهِ إِلَيَّ؟!) ’’کیا تم نے مجھے یہ تحفہ نہیں دیا تھا؟‘‘ عبداللہ کہنے لگے: ٹھیک ہے میں نے آپ کو تحفہ دیا تھا مگر جس سے یہ تحفہ خریدا تھا، اسے دینے کے لیے میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ کوئی اور ہوتا تو عبداللہ کے اس رویے پر بگڑ جاتا، مگر اللہ کے رسول ﷺ کا حسن اخلاق ملاحظہ فرمائیں کہ آپ ﷺ یہ سن کر مسکرا دیے اور اپنے ساتھی کو اس طرح خوش کر دیا کہ بدو کو معاوضہ دینے کا حکم فرمایا۔

عبداللہ کے اندر ایک کمزوری اور خامی تھی کہ وہ شراب کا رسیا تھا۔ اسلام سے پہلے لوگوں میں شراب نوشی کی عادت عام تھی۔ اسلام لانے کے بعد انھوں نے اس ام الخبائث سے توبہ کر لی مگر کسی وجہ سے عبداللہ اس عادت سے چھٹکارا نہ پاسکا۔ اسے متعدد بار اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں لایا گیا کہ اس نے شراب پی ہے۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اسے کوڑوں، جوتوں اور ٹہنیوں سے مارا جائے۔ چنانچہ اسے کچھ سزا دے کر تعزیر لگا کر چھوڑ دیا جاتا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ عبداللہ کو پھر شراب نوشی کے الزام میں لایا گیا۔ جب اسے سزا مل گئی اور وہ اپنے گھر چلا گیا تو ایک صحابی کے منہ سے یہ کلمات نکل گئے:



(اَللّٰهُمَّ الْعَنْهُ وَمَا أَكْثَرَ مَايُؤْتٰى بِهِ)

''یا اللہ! اس پر لعنت کر، یہ شخص کتنی ہی بار اس جرم میں لایا گیا ہے۔''

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ کتنے مہربان، شفیق اور اعلیٰ اخلاق والے ہیں کہ آپ نے اس صحابی کو فرمایا: (لَا تَلْعَنُوهُ) ''اس پر لعنت مت بھیجو۔''

(فَوَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ، أَنَّهُ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ)

''اللہ کی قسم! میں اس کے بارے میں اتنا ہی جانتا ہوں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے۔''

پھر ارشاد فرمایا:

(لَاتَكُونُوا عَوْنًا لِلشَّيْطَانِ عَلٰى أَخِيكُم)

''اپنے بھائی کے خلاف شیطان کی مدد نہ کرو۔''

صحيح البخاري، حديث:6780، وأسد الغابة:3/217-218، والإصابة:2/102.

30

اللہ کی قسم!
میں نے ان سے بہتر معلم نہیں دیکھا

صحیح مسلم میں ایک حدیث ہے:

(إِنَّ اللّٰهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ، وَيُعْطِي عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطِي عَلَى الْعُنْفِ، وَمَا لَا يُعْطِي عَلَى مَا سِوَاهُ)

''بے شک اللہ نرمی کرنے والا ہے، وہ نرمی کو محبوب رکھتا ہے اور نرمی پر وہ کچھ عطا کرتا ہے جو سختی اور اس جیسی دوسری چیزوں پر عطا نہیں کرتا۔''

صحیح مسلم ہی میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُونُ فِي شَيْئٍ إِلَّا زَانَهُ، وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْئٍ إِلَّا شَانَهُ)

''بلاشبہ نرمی جس چیز میں بھی ہو، اسے خوبصورت بنا دیتی ہے اور جس چیز میں نرمی نہ رہے وہ عیب دار ہو جاتی ہے۔''

صحیح مسلم، حدیث:2594،2593.

جن امور میں یا جس چیز میں بھی نرمی ہو وہ اسے خوشنما، خوبصورت اور وزنی بنا دیتی ہے۔ اور جس چیز میں نرمی نہ ہو وہ اسے عیب دار کر دیتی ہے۔ جب ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی پر نظر دوڑاتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ہمیشہ اپنے ساتھیوں کو نرمی سکھائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے بھی

ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ آپ نے اپنے ساتھیوں کو ہمیشہ آسان اور نرم سلوک کرنے کا حکم دیا۔ اللہ کے رسول ﷺ کے ایک صحابی معاویہ بن حکم السلمی رضی اللہ عنہ تھے۔ ایک مرتبہ یہ مسجد نبوی شریف میں اللہ کے رسول ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے تھے۔ نماز کے دوران میں ایک شخص کو چھینک آئی تو انھوں نے کہا:

(یَرْحَمُكَ اللّٰهُ) ''اللہ تم پر رحم فرمائے۔'' قارئین بخوبی جانتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ جس شخص کو چھینک آئے وہ (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ) کہے اور سننے والا (یَرْحَمُكَ اللّٰهُ) کہے۔ اس کے جواب میں چھینک مارنے والا (یَهْدِيكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ) کہے۔



مسلمان کا مسلمان پر حق

چھینک آئے تو یہ پڑھیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ

چھینک سُننے والا یہ جواب دے:

يَرْحَمُكَ اللّٰهُ

چھینکنے والا پھر یہ کلمات لوٹائے:

يَهْدِيكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ

(صحيح البخاري، حديث:6224)

مگر نماز کی حالت میں چھینک مارنے والا خفیہ طور پر (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ) کہے اور دیگر لوگ خاموش رہیں، یہ نماز کا ادب ہے۔

صحيح البخاري، حديث: 6224.

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا کہ حالت نماز میں چھینک کا جواب نہیں دینا چاہیے، اس لیے انہوں نے (یَرْحَمُكَ اللّٰهُ) کہہ دیا۔ ادھر صحابہ کرام نے معاویہ کو کن انکھیوں سے دیکھنا شروع کر دیا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے اونچی آواز میں کہا کہ (وَاثُكْلَ أُمِّيَاهُ!) ''ہائے! میری ماں مجھے گم پائے، میری

طرف اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو؟

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے جب دیکھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نماز میں بولتے چلے جا رہے ہیں تو انھوں نے اپنے ہاتھوں کو زور زور سے اپنی رانوں پر مارنا شروع کر دیا۔ جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ انھوں نے مجھے خاموش کرانا چاہا ہے تو وہ خاموش ہو گئے۔ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ختم کر لی تو پھر آگے کیا ہوا، وہ سیدنا معاویہ بن حکم السلمی رضی اللہ عنہ سے سنتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

(فَبِأَبِي هُوَ وَ أُمِّي) ''میرے ماں باپ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں۔''

(مَارَأَيْتُ مُعَلِّمًا قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ أَحْسَنَ تَعْلِيمًا مِنْهُ)

''ان سے بڑھ کر خوبصورت طریقے سے سمجھانے والا معلم میں نے ان سے پہلے اور ان کے بعد کبھی نہیں دیکھا۔''

ذرا الفاظ پر غور کیجیے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی عظمت کا تصور کیجیے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: (فَوَاللّٰهِ! مَا قَهَرَنِي وَلَا ضَرَبَنِي وَلَا شَتَمَنِي) ''اللہ کی قسم! آپ نہ تو مجھ سے ناراض ہوئے، نہ مجھے کوئی جسمانی سزا دی اور نہ ہی مجھے برا بھلا کہا۔'' بلکہ ارشاد فرمایا:

(إِنَّ هٰذِهِ الصَّلَاةَ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ)

''بیٹا! ان نمازوں میں لوگوں کے لیے گفتگو کرنا جائز نہیں۔'' (إِنَّمَا هُوَ التَّسْبِيحُ وَالتَّكْبِيرُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ) ''ان میں تو صرف تسبیح و تکبیر اور قرآن کریم کی تلاوت کی جاتی ہے۔''

① صحيح مسلم، حديث: 537.

قارئین کرام! ذرا غور کیجیے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کس محبت اور پیار سے اپنے ساتھی کو نماز کے آداب سکھا رہے ہیں۔ اور معاویہ رضی اللہ عنہ بھی کتنے خوش ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو ان سے ناراض ہوئے، نہ برا بھلا کہا اور نہ ہی انھیں مارا۔ بلاشبہ ایک قائد، ایک رہنما اپنی رعیت کے ساتھ ہمیشہ نرمی کا سلوک کرتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد محبت کرتے تھے۔

میں جانتا ہوں آپ بدلہ نہیں لیں گے

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول ﷺ کے خادمِ خاص تھے۔ انھوں نے دس سال تک آپ ﷺ کی خدمت کی ہے۔ یہ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے بیان کرتے ہیں:

ایک مرتبہ ایک بدو آیا اور آپ ﷺ کی چادر اتنی زور سے کھینچی کہ آپ کے مبارک کندھے پر نشان پڑ گئے۔ بدو نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ نہایت بدتمیزی سے کہنے لگا:

اے محمد (ﷺ)! میرے ان دو اونٹوں پر اللہ کا دیا ہوا مال لدوا دے۔ اور ساتھ ہی کہنے لگا: ہاں سن اے محمد! یہ مال نہ تیرا ہے نہ تیرے باپ کا۔

قارئین کرام! ذرا غور و فکر کیجیے اور ہزار بار سوچیے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے اخلاق کی رفعت و بلندی کس مقام پر ہے کہ آپ اس بدو کی بات سے ناراض نہیں ہوئے بلکہ اس کی اس بے ہودہ گفتگو پر خاموش



رہے۔ آپ اس قدر بلند اور اعلیٰ مقام پر فائز تھے کہ آپ کسی جاہل کی جہالت کا جواب دینا مناسب ہی نہیں سمجھتے تھے۔

تھوڑی دیر بعد آپ ﷺ نے اس بدو سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''سنو! مال تو اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے اور میں اس کا بندہ ہوں۔ لیکن یہ جو تم نے مجھ سے بدتمیزی کی ہے اس کا بدلہ تو لیا جا سکتا ہے۔''

محترم قارئین! جانتے ہیں اس کے جواب میں اس بدو نے کیا کہا؟ کہنے لگا: آپ کی بات تو درست ہے مگر میں جانتا ہوں کہ آپ ایسا نہیں کریں گے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس سے پوچھا: ''آخر کیوں؟'' اس بدو نے اللہ کے رسول ﷺ کے اخلاق کی ایک اعلیٰ صفت بیان کرتے ہوئے کہا:

(لِأَنَّكَ لَا تُكَافِئُ بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ)

''اس لیے کہ آپ برائی کا جواب برائی سے نہیں دیا کرتے۔''

اللہ کے رسول ﷺ نے اس بدو کا جواب سنا تو مسکرا دیے، پھر حکم دیا کہ ''اس کے ایک اونٹ پر جَو اور دوسرے پر کھجوریں لاد دی جائیں۔''[4]

[4] صحيح البخاري، حديث:6088، و سنن أبي داود، حديث:4775، و سنن النسائي، حديث:4780.

قارئین کرام! یہ ہے ہمارے پیارے رسول سید الانبیاء والرسل حضرت محمد ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کی ایک جھلک کہ جس نے بدتمیزی اور زیادتی کی، اسے دو اونٹوں کے بوجھ کے برابر جَو اور کھجوریں عطا کر کے رخصت فرمایا۔

اے اللہ مجھے مساکین ہی کے زمرے میں اٹھانا

اللہ کے رسول ﷺ سید البشر تھے۔ کائنات کی اعلیٰ و افضل ترین ہستی تھے۔ وہ امام الانبیاء تھے۔ اس کے باوجود آپ نہایت منکسرالمزاج اور متواضع راہنما تھے۔ اپنے ساتھیوں میں گھل مل جاتے اور اپنے ساتھیوں کے قریب ہی رہتے۔ جس ساتھی کا جب جی چاہتا اور جہاں چاہتا آپ سے ملاقات کرلیتا۔ کوئی دربان تھا نہ متعین اوقات ملاقات، آپ ﷺ بادشاہ تھے اور نہ ہی بننا چاہتے تھے۔ آیئے! اس سلسلے میں صحیح حدیث روشنی میں ایک واقعہ پڑھتے ہیں جسے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے:

فرشتوں کے سردار حضرت جبریل علیہ السلام اللہ کے رسول ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اسی دوران میں انھوں نے آسمان سے ایک فرشتے کو آتے دیکھا۔ جبریلِ امین کہنے لگے کہ جب سے اس فرشتہ کو پیدا کیا گیا ہے اس سے پہلے وہ کبھی زمین پر نہیں اترا۔ جب وہ فرشتہ زمین پر آیا تو اس نے کہا: محمد ﷺ! اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ آپ بادشاہ نبی بننا چاہتے ہیں یا بندہ نبی بننا چاہتے ہیں؟

جبریل امین نے اللہ کے رسول ﷺ کو مشورہ دیا کہ (تَوَاضَعْ لِرَبِّكَ) ''اپنے رب کے لیے تواضع اختیار کیجیے۔'' اللہ کے رسول ﷺ نے اس فرشتے کے جواب میں ارشاد فرمایا: (لَا بَلْ عَبْدًا رَسُولًا) ''نہیں بلکہ میں بندہ رسول ہی بننا چاہتا ہوں۔''

السلسلة الصحيحة للألباني، حديث: 1002.

قارئین کرام! یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اکثر ایک دعا مانگا کرتے تھے: (اَللّٰهُمَّ أَحْيِنِي مِسْكِينًا) ''اے اللہ! مجھے اس حال میں زندہ رکھ کہ میں مسکین رہوں۔'' (وَأَمِتْنِي مِسْكِينًا) ''اور مجھے مسکین رکھتے ہوئے موت دینا۔'' (وَاحْشُرْنِي فِي زُمْرَةِ الْمَسَاكِينِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ) ''اور قیامت کے دن مجھے مسکینوں کے گروہ میں سے اٹھانا۔''

اللہ کے رسول ﷺ ایک دن یہ دعا مانگ رہے تھے۔ ہماری اماں جان سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ الفاظ سن لیے اور عرض کرنے لگیں: ''اللہ کے رسول! آپ ایسی دعا کیوں مانگ رہے ہیں؟''

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''عائشہ! (إِنَّهُمْ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ قَبْلَ أَغْنِيَائِهِمْ بِأَرْبَعِينَ خَرِيفًا) مسکین لوگ یقیناً مالداروں سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔'' پھر مسکینوں کے ساتھ محبت کرنے والے نبیٔ رحمت نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ایک نصیحت فرمائی: ارشاد فرمایا:

''مسکین کو خالی ہاتھ نہ لوٹانا، اگرچہ آدھی کھجور ہی دو۔ عائشہ! تم مسکینوں سے محبت کرو۔ انھیں اپنے قریب کرو۔ اللہ تمھیں قیامت کے دن اپنے قریب کرے گا۔''

جامع الترمذي، حديث: 2352، وصححه العلامة ناصر الدين الألباني رحمه الله.

اللہ کے رسول ﷺ کتنے متواضع تھے، اس کی ایک مثال پڑھتے ہیں۔ سیدنا سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

(كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَأْتِي ضُعَفَاءَ الْمُسْلِمِينَ وَيَزُورُهُمْ وَيَعُودُ مَرْضَاهُمْ وَيَشْهَدُ جَنَائِزَهُمْ)

''اللہ کے رسول ﷺ کمزور مسلمانوں کے پاس جاتے، ان سے ملاقات کرتے، ان میں سے جو بیمار ہوتا اس کی عیادت کرتے اور جو فوت ہوجاتا اس کی نماز جنازہ پڑھاتے اور تدفین میں شرکت کرتے تھے۔''

السلسلة الصحيحة، حديث: 2112.

وہ فقر وفاقہ سے بے نیاز ہو کر عطا فرماتے ہیں

کسی بھی شخصیت کے اعلیٰ اخلاق کے بارے میں جاننا ہو تو اس کی جود وسخا سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ حسن اخلاق میں کتنی بلندی پر فائز ہے۔ سخاوت ایک ایسی اعلیٰ صفت ہے کہ جس شخص میں پائی جائے وہ لوگوں کے درمیان نہایت درجہ محبوب بن جاتا ہے۔ جہاں تک اللہ کے رسول ﷺ کی عطاء وبخشش کا تعلق ہے جب ہم سیرت کے اوراق پڑھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اس صفت میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس سائل اور حاجت مند آتے، آپ سے مانگتے تو آپ ﷺ کا جواب کیا ہوتا؟ آئیے! سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں:

(مَا سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ شَيْئًا قَطُّ فَقَالَ لَا)

''اللہ کے رسول ﷺ سے جب بھی کسی چیز کا سوال کیا گیا تو کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ نے اس کے جواب میں سائل کو نہ کہا ہو۔''

صحيح مسلم، حديث: 2311.

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک دیہاتی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے آپ ﷺ سے اپنی ناداری و مفلسی کا تذکرہ کیا اور کچھ مالی امداد چاہی۔

قارئین کرام! کیا میں اور آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اسے کیا کچھ عطا فرمایا؟ (فَأَعْطَاهُ غَنَمًا بَيْنَ جَبَلَيْنِ) ''دو پہاڑوں کے درمیان چرنے والی ساری بکریاں اس کو عطا کر دیں۔'' وہ شخص اپنی قوم کی طرف واپس گیا اور ان سے کہنے لگا:

(يَا قَوْمِ! أَسْلِمُوا، فَإِنَّ مُحَمَّدًا لَيُعْطِي عَطَاءً لَا يَخَافُ الْفَقْرَ)

''میری قوم! تم سب کے سب اسلام قبول کر لو کیونکہ محمد (ﷺ) تو اتنا کچھ عطا کر دیتے ہیں کہ انہیں فقر و فاقہ کا اندیشہ ہی نہیں ہوتا۔''

صحيح مسلم، حديث: 2312.

قارئین کرام! یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ اللہ کے رسول نے اپنی امت کو یہی سبق دیا ہے: (يَا ابْنَ آدَمَ أَنْفِقْ) ''آدم کے بیٹے! تم لوگوں پر خرچ کرو'' (أُنْفِقْ عَلَيْكَ) '' میں تم پر خرچ کروں گا۔''

صحيح البخاري، حديث: 4684، و صحيح مسلم، حديث: 993.

یہاں یہ بات بھی سمجھنے اور جاننے والی ہے کہ بعض اوقات ایسا ہوتا کہ اللہ کے رسول ﷺ سے مانگا جاتا مگر آپ کے پاس دینے کے لیے کچھ نہ ہوتا تو اس صورت میں آپ کیسے کیا کرتے تھے؟

مسند احمد اور ابن حبان میں صحیح حدیث کے الفاظ یوں ہیں:

(كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَا يُسْأَلُ شَيْئًا إِلَّا أَعْطَاهُ أَوْ سَكَتَ)

''اللہ کے رسول ﷺ سے جس چیز کا سوال کیا جاتا آپ وہ عطا کر دیتے یا خاموش ہو جاتے۔''

مسند أحمد: 3/279.

بچوں پر شفقت......اعلیٰ اخلاق کی علامت

اللہ کے رسول ﷺ کے مکارمِ اخلاق کے کتنے ہی پہلو ہیں۔ ان میں ایک اہم اور نمایاں پہلو بچوں کے ساتھ محبت وشفقت بھی ہے۔ سیدنا انس بن مالک ؓ جو آپ کے خادمِ خاص تھے، جب بچوں کے پاس سے گزرتے تو انہیں سلام کرتے۔

قارئین کرام! سوچنے کی بات ہے: کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ ہم نے اپنے محلے کے بچوں کو اہتمام سے سلام کیا ہو۔ مگر سیدنا انس ؓ بچوں کو سلام کرتے اور ساتھ ہی ہم جیسے لوگوں کی رہنمائی کرتے ہوئے کہتے: (كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَفْعَلُهُ) ''اللہ کے رسول ﷺ بھی اسی طرح کیا کرتے تھے۔'' مُراد یہ ہے کہ جب اللہ کے رسول ﷺ بچوں کے پاس سے گزرتے تو انھیں سلام کہتے تھے۔

صحيح البخاري، حديث: 6247.



بات صرف بچوں کو سلام کہنے کی نہیں بلکہ آپ بچوں کو پیار کرتے اور ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے تھے۔ آیئے! سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث پڑھتے ہیں:

(كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَزُورُ الْأَنْصَارَ)

''رسول اللہ ﷺ انصار سے ملنے کے لیے تشریف لے جاتے''

(وَيُسَلِّمُ عَلَى صِبْيَانِهِمْ وَيَمْسَحُ رُؤُوسَهُمْ)

''ان کے بچوں کو سلام کہتے اور ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے تھے۔''

صحيح ابن حبان: 342/1، و السلسلة الصحيحة، حديث: 1278.

قارئین کرام! ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔ ان کا گھر مسجد نبوی کے بالکل قریب تھا۔ ان کی والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا اور ان کے سوتیلے والد ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول ﷺ کا بے حد احترام و اکرام کرتے اور عزت و محبت سے پیش آتے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ ان کے باغ میں تشریف لے جاتے تھے۔ اس کے کنویں کا پانی پیتے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا ایک چھوٹا سا بھائی تھا جس کی کنیت ابوعمیر تھی۔ اللہ کے رسول ﷺ اس کے ساتھ شفقت کا مظاہرہ فرماتے اور اس سے باتیں کرتے۔ ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ جب وہاں گئے تو دیکھا کہ انس کا بھائی بہت اداس بیٹھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے اس کی والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا سے پوچھا: ابوعمیر کو کیا ہوا ہے؟ والدہ نے بتایا کہ اس کا ایک چھوٹا سا پرندہ نُغَیر تھا، یہ اس سے کھیلا کرتا تھا۔ پچھلے دنوں وہ مرگیا۔ یہ اس کی جدائی میں اداس ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ آگے بڑھے اور اس چھوٹے سے بچے کی دلجوئی فرمائی، اس کا دل بہلایا، ارشاد فرمایا:

يَا أَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ ''ارے ابا عمیر! تمھارے نغیر کا کیا ہوا؟''

اس پر بچہ خوش ہوا اور کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

صحيح البخاري، حديث: 6203، سنن أبي داود، حديث: 4969.

اللہ کے رسول ﷺ کا یہ اعلیٰ اخلاق تھا کہ آپ بچوں کے ساتھ محبت کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ بچے بھی اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ بے حد محبت کرتے تھے۔

جسے کوئی پوچھنے والا نہ ہو اس کے حامی ہم ہیں

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول ﷺ کے اخلاق عالیہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ مدینہ طیبہ کی لونڈیوں میں سے ایک لونڈی آتی اور رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر جہاں چاہتی آپ کو لے جاتی اور آپ سے گفتگو کرتی۔ صحيح البخاري، حديث:6072.

ایک اور حدیث میں وہ فرماتے ہیں کہ ایک عورت جس کا دماغی توازن درست نہ تھا۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی: اللہ کے رسول! مجھے آپ سے ایک کام ہے۔ ارشاد فرمایا:

(يَا أُمَّ فُلَانٍ! انْظُرِي أَيَّ السِّكَكِ شِئْتِ، حَتّٰى أَقْضِيَ لَكِ حَاجَتَكِ)

''فلاں کی ماں! دیکھو اگر تمہیں مجھ سے کوئی کام ہے اور میرے ساتھ جانے سے وہ کام ہو سکتا ہے تو جس جگہ مجھے لے جانا چاہو میں تمہاری مدد کے لیے جانے کو تیار ہوں۔''

پھر کائنات کی اعلیٰ ترین شخصیت ایک پگلی کے ہمراہ تشریف لے گئی یہاں تک کہ اس کا کام ہو گیا۔ صحيح مسلم، حديث:2326.

قارئین کرام! ایسا ہوتا ہے کہ ایک ایسی عورت جس کا دماغی توازن بھی درست نہیں اور اسے کوئی پوچھنے والا نہیں، عام طور پر لوگ ایسے مسکینوں سے گریز کرتے ہیں، مگر یہاں نقشہ یہ ہے کہ وہ بلا خوف اور بے جھجک گلی میں بیٹھ جاتی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ بھی اس کے پاس تشریف فرما ہیں۔ وہ خاتون بلا تکلف آپ کو اپنی ضرورت کے متعلق آگاہ کرتی ہے۔

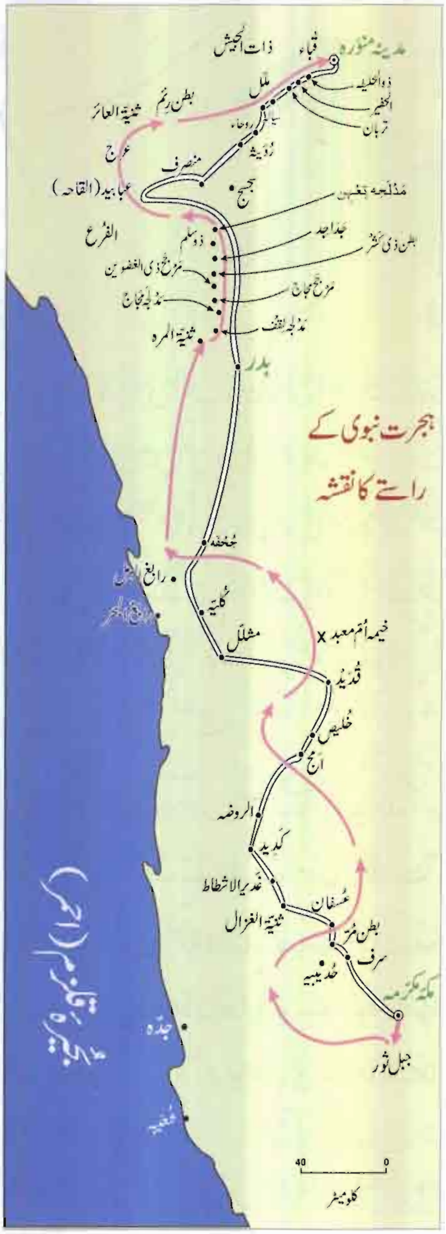
آج وعدہ نبھانے کا دن ہے

اللہ کے رسول ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے جا رہے تھے۔ آپ کے ہمراہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، ان کے غلام عامر بن فہیرہ اور اس قافلے کے گائیڈ عبداللہ بن اریقط تھے۔ یہ قافلہ جب بنو مدلج کے علاقے قدید سے گزر رہا تھا تو اسے بنو مدلج کے بدو سردار سراقہ بن مالک نے روکنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ لمبے قد کا یہ بدو بہت بڑا شہسوار تھا۔ اسے قریش کے اعلان کی خبر مل چکی تھی کہ جو شخص (معاذ اللہ) رسول اللہ ﷺ کو زندہ یا مردہ حالت میں پکڑ کر لائے گا اسے سو اونٹوں کا انعام ملے گا۔ سراقہ انعام کے لالچ میں پیچھا کرنے لگا۔ اس نے فال بھی نکالی جس کا نتیجہ اس کی خواہش کے برعکس نکلا۔ فال کے مطابق قافلے کے پیچھے جانے میں اسے کوئی فائدہ نہ تھا، مگر اسے تو سو اونٹوں کے انعام کی ہوس نے اندھا کر دیا تھا۔ اس نے فال کو نظر انداز کر دیا۔

ادھر اللہ کے رسول کی زبان اقدس سے نکلا (اَللّٰهُمَّ اکْفِنَاهُ بِمَا شِئْتَ) ''اے اللہ! تو جیسے چاہے ہمیں اس سے بچا لے۔'' ادھر اللہ کے رسول ﷺ کی زبان سے یہ کلمات نکلے، ادھر سراقہ کے گھوڑے کے اگلے دونوں پاؤں سخت زمین میں دھنس گئے اور وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔ اس نے متعدد مرتبہ پیچھا کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ اب اس کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ جو بھی اس قافلے کا پیچھا کرے گا،

وہ برباد و ہلاک ہو جائے گا۔ اس کو یقین ہو گیا کہ محمد (ﷺ) غالب ہو کر رہیں گے۔

سراقہ امان کا طلب گار ہوا، جو اسے مل گئی۔ سراقہ نے کہا: (اُكْتُبْ لِي كِتَابًا يَكُونُ بَيْنِي وَبَيْنَكَ آيَةً) ''میرے لیے پروانۂ امن لکھ دیجیے جو میرے اور آپ کے درمیان نشانی کے طور پر رہے گا۔'' رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ کو حکم دیا کہ سراقہ کو امان نامہ لکھ دو۔ سراقہ نے اللہ کے رسول ﷺ کو قریش کے عزائم اور سو اونٹوں کے انعام کے بارے میں آگاہ کیا۔ آپ ﷺ کو زادِ راہ اور ساز و سامان کی پیش کش کی مگر آپ ﷺ نے کسی بھی قسم کا سامان لینے سے انکار کر دیا اور صرف یہ فرمایا: ''ہمارے بارے میں راز داری سے کام لینا۔''



سراقہ نے یہ امان نامہ سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ غزوۂ حنین کے موقع پر جعرانہ میں قیام فرما تھے۔ انصاری صحابہ کرام کی ایک جماعت اللہ کے رسول ﷺ کا پہرہ دے رہی تھی تا کہ اجازت کے بغیر کوئی آگے نہ جا سکے۔ بنو مدلج کا یہ بدو سردار تمام رکاوٹوں کو عبور کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسے روکنے لگے۔ (إِلَيْكَ، إِلَيْكَ، مَاذَا تُرِيدُ) ''ارے، ارے کہاں جاتے ہو، کیا چاہتے ہو؟'' سراقہ کی یہ شان ہے کہ اس نے



وہی امان نامہ اپنی جیب سے نکالا۔ ادھر اللہ کے رسول ﷺ بھی اس کی آواز سن رہے تھے۔ اس نے اپنی دونوں انگلیوں میں اس دستاویز کو بلند کیا اور قدرے اونچی آواز میں کہنے لگا: ''یا رسول اللہ! میں ہوں سراقہ بن مالک بن جعشم اور یہ رہی میری دستاویز۔'' اللہ کے رسول ﷺ نے سراقہ کی طرف دیکھا، آپ کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ وہ وقت یاد آ گیا جب قدید کے علاقے میں اس بدو نے ان کا پیچھا کیا تھا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (هٰذَا يَوْمُ وَفَاءٍ وَبِرٍّ) ''آج وفا نبھانے، نیکی اور احسان کرنے کا دن ہے۔'' اسے میرے قریب آنے دو۔

سراقہ اللہ کے رسول ﷺ کے قریب ہوا۔ آپ کو سلام کیا اور اسلام قبول کر لیا اور صحابی ہونے کا شرف حاصل کر لیا۔ سراقہ نے اللہ کے رسول ﷺ سے ایک سوال کیا: اللہ کے رسول! میں اپنے اونٹوں کے لیے حوضوں میں پانی بھرتا ہوں۔ میرے اونٹوں کے علاوہ دیگر لوگوں کے اونٹ بھی وہاں آ جاتے ہیں۔ اگر میں ان کو بھی پانی پلاؤں تو کیا میرے لیے اجر ہے؟ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: (فِي كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ) ''ہر جاندار چیز کے ساتھ بھلائی کرنے میں اجر و ثواب ہے۔''

صحيح البخاري، حديث: 3906، والسيرة لابن هشام: 2/489-490، والمعجم الكبير للطبراني: 7/133، حديث: 6602، وأسد الغابة: 2/412-414.

بالآخر وہی ہوا جس کا ڈر تھا

غزوۂ حنین فتح مکرمہ کے فوراً بعد ہوا۔ نبی کریم ﷺ نے حنین کے میدان میں تاریخی فتح حاصل کی اور طائف کی جانب روانہ ہوئے۔ غزوہ طائف کے بعد آپ ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار حنین کی طرف واپس تشریف لا رہے تھے۔ سیدنا ابورُھم غِفاری کی اونٹنی اللہ کے رسول ﷺ کی اونٹنی کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ یہ اونٹنی بڑی طاقتور اور تیز تھی۔ اللہ کے رسول ﷺ ان سے باتیں بھی کر رہے تھے جو ان کے لیے بہت عزت اور شرف کی بات تھی۔ اِدھر ان کی اونٹنی ان کے قابو میں نہ آ رہی تھی۔ انھیں ڈر تھا کہیں یہ اللہ کے رسول ﷺ کی اونٹنی سے ٹکرا نہ جائے۔ وہ اسے ایک طرف رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ مسلسل اس کی مہار کو کھینچ کر رکھے ہوئے تھے مگر اونٹنی ان کے قابو سے باہر تھی۔ پھر وہی ہوا جس کا انھیں ڈر تھا۔ ان کی اونٹنی اللہ کے رسول ﷺ کی اونٹنی سے ٹکرا گئی۔ جس کی وجہ سے اللہ کے رسول ﷺ کے پاؤں میں چوٹ آ گئی۔

ابورھم کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں چھڑی تھی۔ آپ نے میرے پاؤں پر چھڑی سے ہلکا سا مارا اور فرمایا: ''تم نے مجھے تکلیف دی ہے۔'' ابورھم بن ابی حدرد کہتے ہیں: میری کیفیت یہ تھی کہ مارے شرم اور خوف کے اپنا چہرہ چھپا رہا تھا۔

المغازي للواقدي:625، و أسد الغابة:466/4، و صحيح ابن حبان:246/16.

میں سخت پریشان اور شرمندہ تھا اور سوچ رہا تھا: یہ میری بدقسمتی ہے کہ میری وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو

تکلیف پہنچی۔ میں سوچ رہا تھا کہ میرے بارے میں قرآن میں آیت نازل ہوگی اور اس میں میرے لیے عذاب کا حکم نازل ہو جائے گا کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچائی ہے۔ جب ہم اپنی رہائش گاہ پر اترے تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: سنو! میں تمھاری سواریوں کو چرایا کرتا تھا لیکن آج میں چرانے سے معذرت خواہ ہوں۔ میں گھر سے چلا گیا۔ جب شام کو واپس آیا تو میں نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا:

کوئی میری تلاش میں آیا تھا؟



انھوں نے جواب دیا: ہاں، ہاں! اللہ کے رسول ﷺ تمھاری تلاش میں آئے تھے۔ میں نے اپنے دل میں کہا: اللہ کی قسم! وہی بات ہوگئی جس کا مجھے ڈر تھا۔ میں نے ان سے دوبارہ پوچھا: کون کون آیا تھا؟ کہنے لگے: ایک انصاری بھی تمھاری تلاش میں آیا تھا۔ میں مزید خوف زدہ ہوگیا۔ میں پریشان حال تھا، پھر بھی میں ہمت کر کے اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں پہنچ گیا۔

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کو دیکھیے کہ جب آپ ﷺ نے اپنے اس ساتھی کو دیکھا تو آپ مسکرا دیے اور مسکراتے ہوئے فرمایا: ''ساتھی! شام کو میں نے تجھے اپنی چھڑی سے تکلیف پہنچائی تھی؟'' صحابی کو اس غیر متوقع محبت وشفقت پر بہت خوشگوار حیرت ہوئی۔ وہ خود کو ملامت کرتے ہوئے آ رہے تھے کہ ان کی وجہ سے اللہ کے رسول ﷺ کو تکلیف اٹھانی پڑی۔ آپ ﷺ کے سامنے بھیڑوں کا ایک ریوڑ تھا۔ ان بھیڑوں پر اون تھی۔ آپ ﷺ نے اس ریوڑ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ''یہ تمام بھیڑیں تمھاری ہیں۔''

اللہ اکبر! اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے ساتھی کو ذرا سی چھڑی چھوئی تھی، اس کا بدلہ یوں دیا کہ بکریوں کا ایک پورا ریوڑ ہی عطا فرما دیا۔ ابورہم کہتے ہیں: میں اللہ کے رسول ﷺ سے یہ تحفہ حاصل کر کے روانہ ہوا۔ میں نے بھیڑوں کی گنتی کی تو ان کی تعداد 80 تھی۔

المغازي للواقدي: 625، وأسد الغابة: 3/211-212.

معمولی چرواہے کے لیے منصب جلیل



مکہ مکرمہ کے باسی 15 سالہ ابومحذورہ کا اصل نام اوس بن ربیعہ تھا۔ اپنے ساتھیوں کی معیت میں مکہ مکرمہ کے گرد ونواح میں بکریاں چرانا اس کے روز مرہ کے معمولات میں شامل تھا۔ ایک دن وہ وادی حنین کے قریب جعرانہ کے پہاڑوں میں اپنے دوستوں کے ساتھ بکریاں چرا رہا تھا کہ اچانک ایک طرف سے اذان کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی، وہ ان دل نشین کلمات کی طرف متوجہ ہوا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فتح مکہ مکرمہ کے بعد حنین کا رخ کیا تھا۔ وہاں سے واپسی پر آپ جعرانہ میں مقیم تھے۔ ظہر کا وقت ہوا تو سیدنا بلال بن رباح رضی اللہ عنہ نے اپنی خوبصورت آواز میں اذان دینا شروع کی۔ فضا کو چیرتی ہوئی یہ صدا ابومحذورہ اور اس کے ساتھیوں نے بھی سنی۔ یہ نوجوان خوش مزاج تھے۔ ابومحذورہ نے بلال رضی اللہ عنہ کی نقل اتارنا شروع کردی۔ انھوں نے مذاق ہی مذاق میں اذان کہنا شروع کردی۔

بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: اللّٰہ اکبر۔ ابومحذورہ نے بھی کہا: اللّٰہ اکبر

بلال رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے کیمپ میں اذان دے رہے تھے۔ ابومحذورہ اپنی بکریوں میں کھڑا ان کلمات کو اسی انداز میں دہراتا جا رہا تھا۔ ابومحذورہ کی آواز بڑی خوبصورت اور صاف تھی۔ خوش قسمتی اس کی راہ دیکھ رہی تھی، ہوا یہ کہ اس کی اذان کی آواز اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک بھی جا پہنچی۔ جب اس نے اذان ختم کی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی بن ابی طالب اور سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہما کو حکم دیا: ''جس لڑکے نے ابھی ابھی اذان دی ہے، اسے میرے پاس بلا کر لاؤ۔'' وہ وادی کے دوسری طرف گئے اور بکریاں چرانے والے ان لڑکوں کو لے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لڑکوں سے پوچھا: ''ابھی ابھی تم میں سے کس نوجوان نے اذان کے کلمات دہرائے تھے؟''

لڑکے خجالت اور حیا کے مارے خاموش رہے۔

اللہ کے رسول کی حکمت اور محبت دیکھیں کہ آپ نے انھیں ڈانٹنے کے بجائے ایک سے کہا: ''تم اذان سناؤ۔'' اس نے اذان دینا شروع کی مگر اس کی آواز اچھی نہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے سے کہا: اب تم اذان دو۔'' یہ آواز اس کی بھی نہ تھی جس کی سماعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔

اب آپ نے تیسرے لڑکے سے فرمایا: ''تم اذان دو۔'' اس نے اذان دینا شروع کی۔ اس کی آواز بڑی خوبصورت تھی۔ اس کنیت ابومحذورہ تھی۔ اسی نے پہلے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی نقل اتاری تھی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے استفسار فرمایا: ''ابھی ابھی تمھی نے اذان دی تھی؟''

ابومحذورہ نے اثبات میں سر ہلایا اور کہنے لگا: جی ہاں! وہ میں ہی تھا۔

ابومحذورہ کے دوسرے ساتھی تو بھاگ گئے، مگر ابومحذورہ کو بیٹھے رہنے کا حکم ہوا۔ یہ ابھی تک مسلمان نہ ہوا تھا۔ اسے یہ خوف تھا کہ کہیں میرے قتل کا حکم جاری نہ ہو جائے۔ کیونکہ اس نے تو مذاق میں بلال رضی اللہ عنہ کی نقل اتاری تھی مگر رحیم وشفیق اور اعلیٰ اخلاق والے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابومحذورہ کی طرف اپنے مبارک ہاتھ کو بڑھاتے ہوئے اس کا عمامہ اتارا اور اس کے لیے دعا فرمائی: (اَللّٰھُمَّ بَارِكْ فِيهِ وَاهْدِهِ إِلَى الْـــــإِسْلَامِ) ''اے اللہ! اسے برکت عطا فرما اور اسے اسلام کی ہدایت عطا فرما۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا

مبارک ہاتھ ابومحذورہ کے سر پر پھیرا اور ایک بار پھر وہی دعا فرمائی: (اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيهِ وَاهْدِهِ إِلَى الْإِسْلَامِ) ادھر ابومحذورہ آپ کے اخلاق، محبت اور دعا سے اتنا متأثر ہوا کہ اسی وقت کہنے لگا: (أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ).

ابومحذورہ چند ہی منٹوں میں کفر اور شرک کے اندھیروں سے نکل کر اسلام کے نورانی راستے کا راہی بن گیا۔ کہاں اس کو یہ خوف اور ڈر تھا کہ کہیں اسے سزا نہ دی جائے کیونکہ اس نے اذان کا مذاق اڑایا تھا۔

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ کی بے شمار خوبیوں میں ایک خوبی یہ بھی تھی کہ آپ نے ہر شخص سے وہی کام لیا جس کا وہ اہل تھا، جسے وہ بآسانی انجام دے سکتا تھا۔ ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی آواز بڑی خوبصورت تھی۔ مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ حرم مکی میں خوبصورت اذان دینے والے شخص کی ضرورت تھی۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ ابومحذورہ اس ذمہ داری کو بڑی خوبی سے پورا کر سکتے ہیں تو ان کا انتخاب کر لیا اور ابومحذورہ سے ارشاد فرمایا: (اِذْهَبْ مُؤَذِّنًا فِي أَهْلِ مَكَّةَ، أَنْتَ مُؤَذِّنُ أَهْلِ مَكَّةَ). ''جاؤ تم اہل مکہ مکرمہ کے مؤذن ہو۔ تمھیں مکہ والوں کے لیے مؤذن مقرر کیا جاتا ہے۔''

ابومحذورہ رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ پہنچ کر بیت اللہ شریف میں مؤذن کی ذمہ داری سنبھال لی۔ مکہ مکرمہ کے گورنر سیدنا عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ تھے۔ انہیں ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کے بطور مؤذن تقرر کے احکامات مل چکے تھے۔ ابومحذورہ رضی اللہ عنہ اب مؤذنِ حرم مکی تھے۔ ان کے لیے یہ فخر اور اعزاز کی بات تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے بالوں پر شفقت بھرا ہاتھ پھیرا تھا۔ انہوں نے مسرت وشادمانی کے احساس سے سرشار ہو کر یہ ذمہ داری سنبھال لی اور زندگی کے آخری سانس تک مؤذنِ حرم مکی رہے۔ کہاں ایک معمولی چرواہا اور کہاں اللہ کے عزت وحرمت والے گھر میں پانچوں نمازوں کے لیے اللہ کی طرف لوگوں کو بلانے کا منصب جلیل! یہ شرف وفضیلت ان کی وفات کے بعد نسل در نسل چلتی رہی اور ان کی اولاد تین سو سال تک حرم مکی میں مؤذن رہی۔

الاستيعاب، ص:842-844، والإصابة: 203/7،
و صحيح مسلم، حديث: 379، و سير أعلام النبلاء: 117/3-119.

ایک ذہین وفطین خاتون کا کارنامہ

عکرمہ بن ابوجہل کا تعلق بنو مخزوم سے تھا۔ یہ اس باپ کا بیٹا تھا جسے اللہ کے رسول ﷺ نے اس امت کا فرعون کہا تھا۔ ابوجہل بن ہشام مخزومی اسلام اور اللہ کے رسول ﷺ کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ اس نے اللہ کے رسول ﷺ کو جس طرح تنگ کیا اور آپ کی راہ میں روڑے اٹکائے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اگر باپ اسلام کا دشمن تھا تو بیٹا بھی کسی سے کم نہ تھا۔ بدر کے لیے جب قریش کا لشکر نکلا تو عکرمہ بھی قریش کے لشکر میں پیش پیش تھا۔ یہ عرب کا مانا ہوا شہسوار، سیدنا خالد بن ولید کا بچپن سے جگری دوست اور نہایت بہادر انسان تھا۔ بدر کے میدان میں اپنے باپ کے ساتھ کھڑا عکرمہ اپنے باپ کا دفاع کر رہا تھا۔ جب معوّذ اور معاذ رضی اللہ عنہما نے ابوجہل پر حملہ کیا تو یہی عکرمہ تھا جس نے آگے بڑھ کر معاذ کے کندھے پر اس زور سے تلوار ماری کہ ان کا بازو کندھے سے کٹ گیا۔ صرف تھوڑا سا گوشت لٹکتا رہ گیا۔ غزوۂ بدر میں ہزیمت کے بعد عکرمہ کی اسلام دشمنی میں مزید اضافہ ہو گیا۔ غزوۂ احد میں یہ اکیلا ہی نہیں بلکہ اپنی بیوی ام حکیم کی ہمراہی میں شامل ہوا۔ قریش نے میمنہ پر خالد بن ولید کو اور میسرہ پر اسی کو مقرر کیا تھا۔ غزوۂ احد میں مسلمانوں کو جو نقصان اٹھانا پڑا اس میں عکرمہ کی ذہانت اور حربی صلاحیت کا خاصا عمل دخل تھا۔

غزوۂ خندق میں بھی عکرمہ نہ صرف موجود تھا بلکہ قریش کے قائدین میں شامل تھا۔ یہ ان گنے چنے

بہادروں میں سے ایک تھا جنھوں نے ایک جگہ سے خندق کو عبور بھی کیا مگر مسلمانوں کی طرف سے بھرپور جوابی کارروائی کے باعث وہاں سے بھاگ نکلا۔

فتح مکہ مکرمہ کے موقع پر مسلمان لشکر کا مقابلہ کرنے کے لیے چند ہی سر پھرے آگے بڑھے تھے۔ ان میں عکرمہ بھی شامل تھا۔ خندمہ کے علاقے میں صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو کے ساتھ اس نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی مگر سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں فوجی دستے نے ان پر دھاوا بولا اور یہ لوگ چند لاشیں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ ان بھگوڑوں میں عکرمہ بھی شامل تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے جنگی جرائم کے مرتکب بعض مجرموں کے بارے میں حکم جاری فرمایا کہ اگر یہ بیت اللہ کے غلاف سے چمٹے ہوئے ہوں تو بھی ان کو قتل کر دیا جائے۔ ان مجرموں میں عکرمہ بن ابی جہل بھی شامل تھا۔ عکرمہ جان بچا کر طائف کے راستے یمن کی طرف بھاگ گیا۔



چند روز گزرے تو اس کی بیوی ام حکیم، ہند بنت عتبہ کے ساتھ خدمت نبوی میں حاضر ہوتی ہے اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتی ہے۔ یہ نہایت سمجھ دار، ذہین و فطین خاتون ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتی ہے۔ عرض کرتی ہے: اللہ کے رسول! عکرمہ آپ کے ڈر سے یمن بھاگ گیا ہے۔ اسے قتل ہونے کا اندیشہ ہے، آپ ازراہِ کرم اسے معاف فرما دیں اور امان بھی عطا کر دیجیے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: (هُوَ آمِنٌ) ”اسے ہماری طرف سے امان ہے۔“ ام حکیم رضی اللہ عنہا نے اللہ کے رسول ﷺ سے اپنے خاوند کے لیے امان حاصل کر لی تو اس کی تلاش کے لیے یمن کی طرف روانہ

ہوئیں۔ جاتے ہوئے اپنے رومی غلام کو بھی ساتھ لے لیا۔ یہ خبیث غلام راستے میں ان کو بہکانا چاہتا تھا۔ خاندانی عورت تھیں، مسلمان بھی ہو چکی تھیں۔ اس خاتون نے نہایت سمجھ داری سے کام لیا۔ حیلے بہانے سے اسے ''عک'' کے ایک قبیلے تک لے آئیں۔ ان کے پاس آ کر اس غلام کے خلاف مدد مانگی تو انھوں نے اسے باندھ دیا۔ کہنے لگیں: عکرمہ کے آنے تک انتظار کرنا۔ اس کا فیصلہ وہی کرے گا۔

ام حکیم رضی اللہ عنہا نے تہامہ کے ساحل پر عکرمہ کو ڈھونڈ لیا۔ کشتی میں سوار ہو چکا تھا۔ ام حکیم رضی اللہ عنہا عکرمہ سے واپسی کے لیے اصرار کر رہی ہیں، مگر عکرمہ ہے کہ انکار کر رہا ہے، ڈر رہا ہے، اپنے انجام سے خوف زدہ ہے کہ کہیں مکہ مکرمہ میں اسے قتل نہ کر دیا جائے۔

> اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! عکرمہ آپ کے ڈر سے یمن بھاگ گیا ہے۔ اسے قتل ہونے کا اندیشہ ہے۔ آپ ازراہِ کرم اسے معاف فرما دیں اور امان بھی عطا کر دیجیے۔

ام حکیم رضی اللہ عنہا واقعی بڑی حکیم اور دانا عورت تھیں۔ اپنے خاوند کو نہایت محبت اور پیار سے سمجھا رہی ہیں۔

میرے چچازاد! میں اس شخصیت کے پاس سے آ رہی ہوں جو سب سے زیادہ نیک، صلہ رحمی کرنے والے اور سب سے بہتر انسان ہیں۔ اپنے آپ کو تباہی میں کیوں ڈالتے ہو؟ اور پھر بڑی تفصیل سے ام حکیم رضی اللہ عنہا عکرمہ کو بتا رہی ہیں کہ وہ کس طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے امان حاصل کرنے میں کامیاب رہی ہیں۔ عکرمہ تعجب سے پوچھ رہا ہے: کیا فی الواقع تم میرے لیے امان حاصل کر چکی ہو؟ ام حکیم رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کو یقین دلا رہی ہیں: میں نے بذاتِ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی ہے تو انھوں نے تمھارے لیے معافی کا اعلان فرمایا ہے اور تمھاری تمام سابقہ لغزشوں سے صرف نظر کر لیا ہے۔ تم میرے ساتھ مکہ مکرمہ چلو، تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ عکرمہ کو یقین آ گیا: اس کی بیوی واقعی درست کہہ رہی تھی: وہ واپس مکہ مکرمہ آنے کے لیے آمادہ ہو گیا۔

راستے میں ام حکیم رضی اللہ عنہا نے رومی غلام کی بدکرداری کا ذکر کیا کہ اس نے کس طرح اس کو ورغلانے کی

کوشش کی، تو یہ غیور مخزومی سردار صبر نہ کر سکا۔ مکہ جانے اور اسلام قبول کرنے سے پہلے اس بستی میں پہنچا جہاں اس کا غلام اپنے انجام کا منتظر تھا۔ عکرمہ نے رومی غلام کو دیکھا تو آنکھوں میں خون اتر آیا، تلوار کے ایک ہی وار سے اس بدکردار کو واصلِ جہنم کر دیا۔ عکرمہ اور اس کی بیوی ام حکیم رضی اللہ عنہا دونوں قریش کی شاخ بنو مخزوم کے معزز افراد تھے۔ ان کے مکہ مکرمہ پہنچنے کی خبر پہلے سے پہنچ چکی ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کو دیکھیے کہ آپ اس سردار کا استقبال کس طرح کر رہے ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سردار کو خوش آمدید کہتے ہوئے اس طرح لپکتے ہیں کہ آپ کی چادر مبارک کندھوں سے گر جاتی ہے۔ ایک روایت کے مطابق اس قدر جلدی سے آگے بڑھے کہ چادر مبارک کندھوں سے گر گئی۔ ایک روایت کے مطابق اس قدر جلدی سے آگے بڑھے کہ چادر اوڑھنے کی بھی پروا نہ کی۔ انھیں فرما رہے ہیں: (مَرْحَبًا بِالرَّاكِبِ الْمُهَاجِرِ) ''خوش آمدید اے مہاجر بن کر آنے والے سوار!''

ام حکیم رضی اللہ عنہا بھی نقاب اوڑھے اس مجلس میں موجود ہیں۔ عکرمہ کو اس پذیرائی پر یقین نہیں آ رہا۔ میں اتنا بڑا مجرم، میں نے اسلام کی راہ میں کتنے روڑے اٹکائے، میں نے تو بے حساب مال کفر کی مدد کے لیے خرچ کیا اور میرا اس طرح استقبال! بے یقینی کے عالم میں اپنی بیوی کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے: اس نے مجھے بتایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے امان دی ہے؟

ارشاد فرمایا: (صَدَقَتْ فَأَنْتَ آمِنٌ) ''اس نے سچ کہا، تمھیں امن وامان حاصل ہے۔''

عکرمہ کی غلط فہمی دور ہو گئی۔ اب وہ پوچھ رہا ہے: یہ بتلائیے کہ آپ کی دعوت کیا ہے اور آپ کس طرف بلاتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں:

(أَدْعُوكَ إِلَى أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ)

''میں تمھیں معبودِ برحق کی الوہیت کی شہادت کی طرف اور اپنی رسالت کی گواہی دینے کی طرف دعوت دیتا ہوں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم عکرمہ کو ارکانِ اسلام بتا رہے ہیں۔ اسلام کے چیدہ چیدہ احکام اور آداب کا تذکرہ ہو رہا ہے۔

عکرمہ کی آنکھوں سے تعصب کی پٹی اتر چکی ہے۔آپ ﷺ کا اعلیٰ اخلاق، آپ کا حسنِ تعامل اور عفوو درگزر جو سنا تھا اسے دیکھ چکا ہے۔ وہ آپ سے بے حد متأثر ہوا ہے۔اس کے ساتھ ہی وہ آپ ﷺ کے روبرو کلمۂ توحید پڑھ رہا ہے، اس کی شہادت دے رہا ہے۔

عکرمہ رضی اللہ عنہ اب صحابیٔ رسول بن چکے ہیں۔اللہ کے رسول ﷺ بھی نہایت خوش ہیں۔کسی بھی قائد کی اس سے بڑی کامیابی اور خوبی کیا ہوسکتی ہے کہ اس کا سب سے بڑا دشمن اور سب سے بڑے دشمن کا بیٹا اس کے سامنے سرنگوں ہو جائے۔ نبی کریم ﷺ اس بات کی حد درجہ کوشش فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص بھی آپ ﷺ کے ذریعے نار جہنم سے بچ سکے اسے بچا لیا جائے۔عکرمہ اپنے گزشتہ گناہوں اور کرتوتوں پر نادم ہیں، عرض کرتے ہیں: اللہ کے رسول! مجھے ایسے کلمات بتلائیں جنہیں میں پڑھتا رہوں۔

ارشاد فرمایا: تم یہ کہا کرو:

(أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنَّ مُحَمَّداً رَّسُولُ اللّٰهِ)

عرض کرتے ہیں: مزید کیا پڑھوں؟ فرمایا: ''تم کہو کہ میں اللہ تعالیٰ کو اور تمام حاضرین کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں مسلمان، مہاجر اور مجاہد ہوں۔''

عکرمہ رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول ﷺ سے درخواست کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے میرے بے شمار گناہوں کی معافی کے لیے دعا فرمایئے۔

قارئین کرام! جانتے ہیں عکرمہ پر اللہ کے رسول ﷺ کے اس اخلاق کا کیا اثر ہوتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے وعدہ کر رہے ہیں:

اے میرے خالق و مالک! میں اسلام کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے جتنا خرچ کیا کرتا تھا اب اس سے دوگنا تیری راہ میں خرچ کروں گا۔ تیرے دین کو روکنے کے لیے جس قدر لڑائی کیا کرتا تھا، اب اس سے دوگنا تیری راہ میں جہاد کروں گا۔

الاستيعاب، ص: 524، وسير أعلام النبلاء: 323/1، والسيرة النبوية للدكتور الصلابي: 541/2-543.



اس شاعر کے نصیب جاگ اٹھے

مکہ مکرمہ میں قریش کا ایک شاعر عبداللہ بن زبعری تھا۔ یہ قریشی النسل تھا اور اس کے ذیلی قبیلے بنوسہم سے تعلق رکھتا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ کا شدید دشمن، اسلام سے سخت بغض رکھنے والا عبداللہ فتح مکہ مکرمہ کے بعد اپنی جان کے ڈر سے نجران بھاگ گیا۔ اس زمانے میں شاعروں کے اشعار مخالفین کے لیے بڑی اہمیت کے حامل سمجھے جاتے تھے۔ عبداللہ ساری زندگی اللہ کے رسول ﷺ کی مخالفت میں اشعار کہتا رہا اور قریش کو آپ کے خلاف بھڑکاتا رہا۔ شاعرِ اسلام حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی ان لوگوں کو ترکی بہ ترکی جواب دیتے رہے۔ جب یہ نجران بھاگا تو وہاں بھی اسے سیدنا حسان رضی اللہ عنہ کے اشعار سے واسطہ پڑ گیا۔ انھوں نے اپنے اشعار میں اسے بزدلی اور راہِ فرار اختیار کرنے پر عار دلائی۔ وہ اشعار تو یقیناً بہت سارے ہیں مگر ہم صرف ایک شعر کا مفہوم بیان کر کے آگے بڑھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ! ہمارے لیے عظیم ہستی محمد ﷺ کو باقی رکھے۔ یہ وہ ہستی ہیں جن کے ساتھ بغض و عناد نے تجھے نجران کے علاقے میں لا پھینکا ہے۔ اے ابن زبعری! اللہ تعالیٰ تجھے دائمی ذلت آمیز زندگی، اہانت آمیز سلوک اور نحوست میں رکھے۔''

جب عبداللہ بن زبعری تک یہ اشعار پہنچے تو وہ سخت تلملایا۔ اپنے معاملات کا کئی بار جائزہ لیا اور غور وفکر کیا کہ میں کس شخصیت کی مخالفت کرتا رہا اور کیوں کرتا رہا؟ اپنے ماضی میں جھانکا۔ اللہ کے رسول ﷺ کا اعلیٰ اخلاق یاد آ گیا۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے اس بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرمایا تو اس کا ذہن صاف ہو گیا۔ اللہ نے ہدایت دی اور اس نے اسلام لانے کا فیصلہ کر لیا۔ پھر وہ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ مکہ مکرمہ پہنچا تو سیدھا اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ گزشتہ زندگی پر ندامت کا اظہار کیا اور اسلام قبول کر لیا۔ ساتھ ہی عرض کر رہا ہے کہ اللہ کے رسول! میں نے اپنی گزشتہ زندگی میں آپ کے اور اسلام کے متعلق عداوت کا جس طرح بھی اظہار کیا، اس کی معافی کی دعا فرما دیں۔ ادھر اللہ کے رسول ﷺ کی یہ شان ہے کہ آپ اس نئے ساتھی کو تسلی دے رہے ہیں۔ اسے پرانے گناہوں پر عار نہیں دلا رہے۔ فرمایا:

''اسلام گزشتہ تمام کوتاہیوں اور گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔''

اللہ کے رسول عبداللہ کو اپنے قریب کر لیتے ہیں۔ اس سے محبت بھرا سلوک فرماتے ہیں اور ایک کپڑوں کا جوڑا بھی عنایت فرماتے ہیں۔ مؤرخین نے بالاتفاق ذکر کیا ہے کہ عبداللہ، رسول اللہ ﷺ کے حسنِ سلوک سے اس قدر متأثر ہوا کہ اس نے بہت عمدہ اشعار کہے جن میں وہ اللہ کے رسول کی مدح بیان کرتا ہے اور آپ ﷺ سے گزشتہ دور میں کہے ہوئے اشعار پر ندامت کا اظہار کرتا ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ بڑے عمدہ شاعر تھے۔ انھوں نے اسلام لانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی مدح میں بڑی تعداد میں ایسے اشعار کہے جن کے ذریعے وہ حالت کفر میں کہے ہوئے اشعار کی تلافی کر دیتے ہیں۔

أسد الغابة:3/239، والاستيعاب:450، والسيرة النبوية لابن هشام:4/61.

بزرگوں کو گھر پر ہی رہنے دیا ہوتا، ہم وہیں آجاتے

ابوقحافہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد گرامی تھے۔ فتح مکہ مکرمہ کے موقع پر اسلام قبول کرتے ہیں۔ انھوں نے اسلام کیسے قبول کیا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا؟ آیئے! اس واقعے کو سیدہ اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا کی زبانی سنتے ہیں:



مکہ مکرمہ فتح ہو چکا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ شریف میں تشریف فرما ہیں کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے والد گرامی کو لیے ہوئے بیت اللہ کے صحن میں داخل ہوتے ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ان کا یار غار اپنے بوڑھے اور ضعیف والد کو لیے حاضر ہو رہا ہے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھرانے کی اسلام کے لیے بے شمار قربانیاں ہیں۔ آپ اس گھرانے کو اعزاز دے رہے ہیں۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا:

(هَلَّا تَرَكْتَ الشَّيْخَ فِي بَيْتِهِ حَتّٰى أَكُونَ أَنَا آتِيهِ فِيهِ)

''اس بزرگ آدمی کو گھر پر ہی رہنے دیتے؟ میں خود وہاں جا کر ان سے مل لیتا۔''

اسے کہتے ہیں اعلیٰ اخلاق اور بڑا پن جس کا مظاہرہ رسول اللہ ﷺ کر رہے ہیں۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عرض کرتے ہیں: ''نہیں، اللہ کے رسول ﷺ زیادہ مناسب یہی تھا کہ یہ چل کر آپ کے پاس آتے۔''

قارئین کرام! ذرا اس منظر کو آنکھوں کے سامنے لائیں۔ ایک طرف بیت اللہ شریف ہے۔ کائنات کے امام کے سامنے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے والد ابوقحافہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ ابوقحافہ کے سینے پر ہاتھ پھیر کر فرما رہے ہیں: (أَسْلِمْ) ''اسلام لے آؤ۔'' ابوقحافہ اسی وقت کلمۂ شہادت پڑھتے ہیں:

(أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً رَّسُولُ اللّٰهِ)

اللہ کے رسول ﷺ بوڑھے ابوقحافہ کو شفقت بھری نگاہ سے دیکھ رہے ہیں۔ ان کے سر کے بال بالکل سفید ہیں۔ آپ ﷺ ارشاد فرما رہے ہیں: (غَيِّرُوا هٰذَا مِنْ شَعْرِهِ) ''ان کے بال رنگ دو۔'' ایک روایت کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کے والد کے اسلام لانے پر مبارک باد بھی دی۔

صحیح مسلم، حدیث: 2102، وأسد الغابة: 575/3، والاستیعاب، ص: 504، و مسند أحمد: 160/3، و 349/6.

اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے اعلیٰ اخلاق سے اپنی امت کو اپنا منہج، اپنا اصول اور طریقہ بتا دیا کہ ہم مسلمان بوڑھوں کا ادب کرتے ہیں، ان کو عزت واحترام دیتے ہیں۔ اسی لیے ارشاد فرمایا:

(لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَيُوَقِّرْ كَبِيرَنَا)

''جو ہمارے چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کا احترام نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں۔''

بوڑھوں کی اس طرح عزت افزائی کی کہ ارشاد فرمایا:

(إِنَّ مِنْ إِجْلَالِ اللّٰهِ إِكْرَامَ ذِي الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ)

''بلاشبہ سفید بالوں والے ضعیف العمر شخص کی تعظیم اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں سے ہے۔''

سنن أبي داود، حدیث: 4843.

وانک لعلی خلق عظیم

42 اخلاق نبوی

اللہ کی قسم! یہ سچی نبوت ہے

مکہ مکرمہ فتح ہو چکا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ ابھی مکہ مکرمہ میں ہی مقیم ہیں۔ مکہ مکرمہ کے تین بڑے چودھری: ابوسفیان بن حرب، عتاب بن اسید اموی اور حارث بن ہشام کعبہ کے صحن میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے سیدنا بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اذان دیں۔

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اپنی خوبصورت اور بلند آواز میں کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دینا شروع کی۔ ان کی آواز سے حرم مکی گونج رہا ہے۔

عتاب اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا ہے کہ اچھا ہوا، میرا باپ اسید یہ اذان سننے سے پہلے ہی وفات پا چکا ہے، ورنہ اسے ایک ناگوار آواز سننا پڑتی۔

ابوجہل کا بھائی حارث بن ہشام بولا: اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ محمد ﷺ حق پر ہیں تو میں ان کا پیروکار، ان کا فرماں بردار بن جاؤں۔

ابوسفیان بن حرب کہنے لگا: واللہ! میں کچھ نہیں کہوں گا کیونکہ اگر میں بولوں گا تو (اس نے بیت اللہ کے صحن میں پڑی ہوئی کنکریوں کی طرف اشارہ کر کے کہا) یہ کنکریاں بھی میرے بارے میں خبر دے دیں گی۔

تھوڑی دیر گزری تو اللہ کے رسول ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ''تم لوگوں نے ابھی جو باتیں کی ہیں، ان کی اطلاع مجھے مل چکی ہے۔'' اب آپ ﷺ نے ان میں سے ہر ایک کی باتیں دُہرا دی ہیں۔ ہر ایک کو بتا رہے ہیں: تم نے یہ کہا ہے، تم نے یہ کہا ہے۔

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ نے ان کو نہ ڈانٹا نہ طعنہ دیا بلکہ بذریعۂ وحی ان کو بتا دیا کہ وہ لوگ آپس میں کیا باتیں کر رہے تھے۔

حارث بن ہشام اور عتاب بن اسید بول اٹھے: ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ اللہ کی قسم! کوئی اور شخص ہمارے پاس نہیں تھا۔ ہم تینوں ہی تو بیٹھے آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ کوئی اور شخص ہمارے پاس بیٹھا ہوتا تو ہم کہتے کہ اس نے آپ کو ہمارے خیالات سے آگاہ کیا ہے۔ یہ یقیناً نبوت ہے کہ بذریعہ وحی آپ کو اطلاع ہوگئی۔

ان پر اللہ کے رسول ﷺ کے کرم کا، آپ کے اعلیٰ اخلاق کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ سچے مسلمان بنتے ہیں۔ اسی عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو یہ اعزاز ملتا ہے کہ انھیں مکہ مکرمہ کا گورنر مقرر کیا جاتا ہے۔ وہ ارتداد کے زمانے میں نہ صرف ثابت قدم رہے بلکہ اہل مکہ مکرمہ کو بھی ادھر ادھر بھٹکنے نہ دیا اور اس کامیابی سے اپنی ذمہ داریوں کو پورا کیا کہ وہ اپنی زندگی کے آخری وقت تک مکہ مکرمہ کے گورنر رہے۔

الرحیق المختوم، ص: 411، و مختصر سیرۃ الرسول، ص 400-401، وأسد الغابۃ: 3/549-550.

جہاں تک سیدنا حارث بن ہشام مخزومی رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے تو وہ یرموک کی جنگ میں پیاسے جام شہادت نوش کرتے ہیں۔

سیدنا ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ نے اسلام لانے کے بعد اسلام کی جو خدمت کی، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ انھوں نے اسلام کی خاطر اپنی دونوں آنکھیں قربان کر دیں۔ طائف کے محاصرے کے دوران میں ان کی ایک آنکھ چلی گئی جبکہ جنگ یرموک میں دوسری آنکھ کی بینائی بھی جاتی رہی۔

یاد رہے نبی ﷺ کے پردادا ہاشم اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے پردادا عبد شمس سگے بھائی تھے۔

أسد الغابۃ: 11/643-645، والاستیعاب، ص: 8071.


بنو سعد کے علاقے میں واقع سیدہ حلیمہ سعدیہ کے گھر کے آثار کی ایک تصویر

43 اخلاقِ نبوی

بہن کا احترام واکرام

اللہ کے رسول ﷺ نے اپنا بچپن بنو سعد میں گزارا۔ آپ کو سیدہ حلیمہ سعدیہ نے دودھ پلایا۔ آپ کی رضاعی بہن شیماء بنت حارث بن عبدالعزیٰ سعدیہ تھیں۔ اللہ کے رسول ﷺ بچپن میں سیدہ حلیمہ کی اولاد کے ساتھ بکریاں چرانے کے لیے جاتے، آپ ﷺ کی رضاعی بہن شیماء آپ کو اپنی گود میں اٹھاتی، آپ سے پیار کرتی، آپ کو جھولا جھلاتی، آپ کو لوریاں دیتی، سائے میں بٹھاتی اور کہہ اٹھتی:

يَا رَبَّنَا أَبْقِ لَنَا مُحَمَّدَا حَتَّى أَرَاهُ يَافِعًا وَ أَمْرَدَا

ثُمَّ أَرَاهُ سَيِّدًا مُسَوَّدَا وَأَكْبِتْ أَعَادِيهِ مَعًا وَالْحُسَّدَا

وَأَعْطِهِ عِزًّا يَدُومُ أَبَدَا

''اے ہمارے رب! محمد (ﷺ) کو زندگی عطا کرتا کہ میں آپ کو نوجوانی کی حالت میں دیکھوں، پھر میں قوم کے سردار کی حیثیت سے دیکھوں۔ اے ہمارے رب! آپ کے تمام دشمنوں اور حاسدوں کو نامراد



کردے۔(اے اللہ!) آپ کو ایسی عزت عطا کر جو تا ابد باقی رہے۔''

الإصابة في تمييز الصحابة: 206/8

سیدہ شیماء کی یہ لوریاں اور یہ دعائیں قبول ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ سید الاوّلین والآخرین محمد ﷺ کو کائنات کا امام بنا کر مبعوث کرتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے بنوسعد میں فصیح عربی زبان سیکھی اور کم وبیش چار پانچ سال کا عرصہ بنوسعد میں گزارنے کے بعد واپس اپنی والدہ کے پاس مکہ مکرمہ میں تشریف لاتے ہیں۔ ساری عمر آپ کو اپنا بچپن، اپنے رضاعی والدین، بہن بھائی، ان کی محبت اور ان کا پیار نہیں بھولا۔ امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ''الاصابہ'' میں فرماتے ہیں کہ جب غزوۂ حنین ہوا تو بنوسعد جو اصل میں ہوازن قبیلے سے ہیں، یہ بھی مشرکین کے ساتھ آئے اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کی۔ غزوۂ حنین میں اللہ تعالیٰ نے بالآخر مسلمانوں کو فتح دی تو بے شمار مال و دولت، مویشی، اونٹ اور بکریاں مال غنیمت میں ملے۔ ان کے ساتھ بے شمار لونڈیاں اور غلام بھی تھے۔

قارئین کرام! راقم الحروف کو جعرانہ کے مقام پر جانے کا اتفاق ہوا ہے۔ میں وہاں خاصی دیر تک پھرتا

رہا۔ میں اس مقام کو دیکھنے کی کوشش کرتا رہا جہاں اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی رضاعی بہن شیماء کی عزت افزائی فرمائی تھی۔

مسلمانوں نے حنین کے قیدیوں میں سیدہ حلیمہ کی بیٹی اور رسول اللہ ﷺ کی رضاعی بہن شیماء بنت حارث کو بھی پیش کیا۔ انھوں نے بے خبری میں دیگر قیدیوں کے ہمراہ ان پر بھی سختی کی تو شیماء کہنے لگی: تمھیں معلوم ہے کہ میں تمھارے ساتھی (یعنی رسول اللہ ﷺ) کی رضاعی بہن ہوں؟ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی بات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اسے اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔

شیماء آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہی کہنے لگی: اللہ کے رسول! میں آپ کی رضاعی بہن ہوں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: (مَا عَلَامَةُ ذٰلِكَ؟) ''اس کی کوئی نشانی بھی ہے؟''

شیماء نے عرض کیا: میری پشت پر دانت سے کاٹنے کا ایک نشان ہے۔ یہ آپ نے اس وقت کاٹا تھا جب میں آپ کو پشت پر اٹھائے ہوئے تھی۔

اللہ کے رسول نے علامت پہچان لی۔ آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کو ملاحظہ کیجیے کہ آپ نے شیماء کے لیے اپنی چادر بچھادی اور ارشاد فرمایا: (إِنْ أَحْبَبْتِ فَأَقِيمِي عِنْدِي مُحَبَّةً مُكَرَّمَةً)

''اگر تم پسند کرو تو میرے پاس رہو۔ تمھیں بڑی چاہت اور عزت دی جائے گی۔''

(وَإِنْ أَحْبَبْتِ أَنْ أُمَتِّعَكِ وَتَرْجِعِي إِلٰى قَوْمِكِ فَعَلْتُ)

''اور اگر تم پسند کرو کہ میں تمھیں ساز و سامان دے دوں اور تم اپنی قوم میں واپس چلی جاؤ تو میں یہ بھی کر دوں گا۔''

شیماء کہنے لگی: آپ مجھے کچھ ساز و سامان دے دیجیے اور مجھے اپنی قوم میں واپس بھیج دیجیے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے انھیں بہترین ساز و سامان سے نوازا اور واپس بھیج دیا۔ شیماء اپنے رضاعی بھائی کے اعلیٰ اخلاق سے نہایت متأثر ہوئیں اور اسلام قبول کر لیا۔ سیرت ابن ہشام کے مطابق آپ ﷺ نے انھیں تین غلام، ایک لونڈی، کچھ اونٹ اور چند بکریاں عنایت فرمائیں۔

الإصابة:8/205-206، والاستيعاب:899، وأسدالغابة:7/166، والسيرة النبوية لابن هشام:4/101.

ہم انسانوں کی شکلیں نہیں بگاڑا کرتے

سہیل بن عمرو مکہ مکرمہ کے نمایاں افراد میں سے تھا۔ یہ بڑا زبردست خطیب اور شاعر تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ جب طائف سے واپس تشریف لائے تو مکہ مکرمہ میں کسی شخص کی پناہ میں داخل ہونا چاہتے تھے۔ پہلے آپ ﷺ نے بنوخزاعہ کے ایک آدمی کے ذریعے اخنس بن شریق کو پیغام بھیجا کہ وہ آپ ﷺ کو پناہ دے مگر اخنس نے یہ کہہ کر معذرت کر لی تھی کہ میں حلیف ہوں اور حلیف پناہ دینے کا اختیار نہیں رکھتا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے سہیل بن عمرو کے پاس یہی پیغام بھیجا مگر اس نے بھی معذرت کر لی۔ الرحیق المختوم، ص: 152.

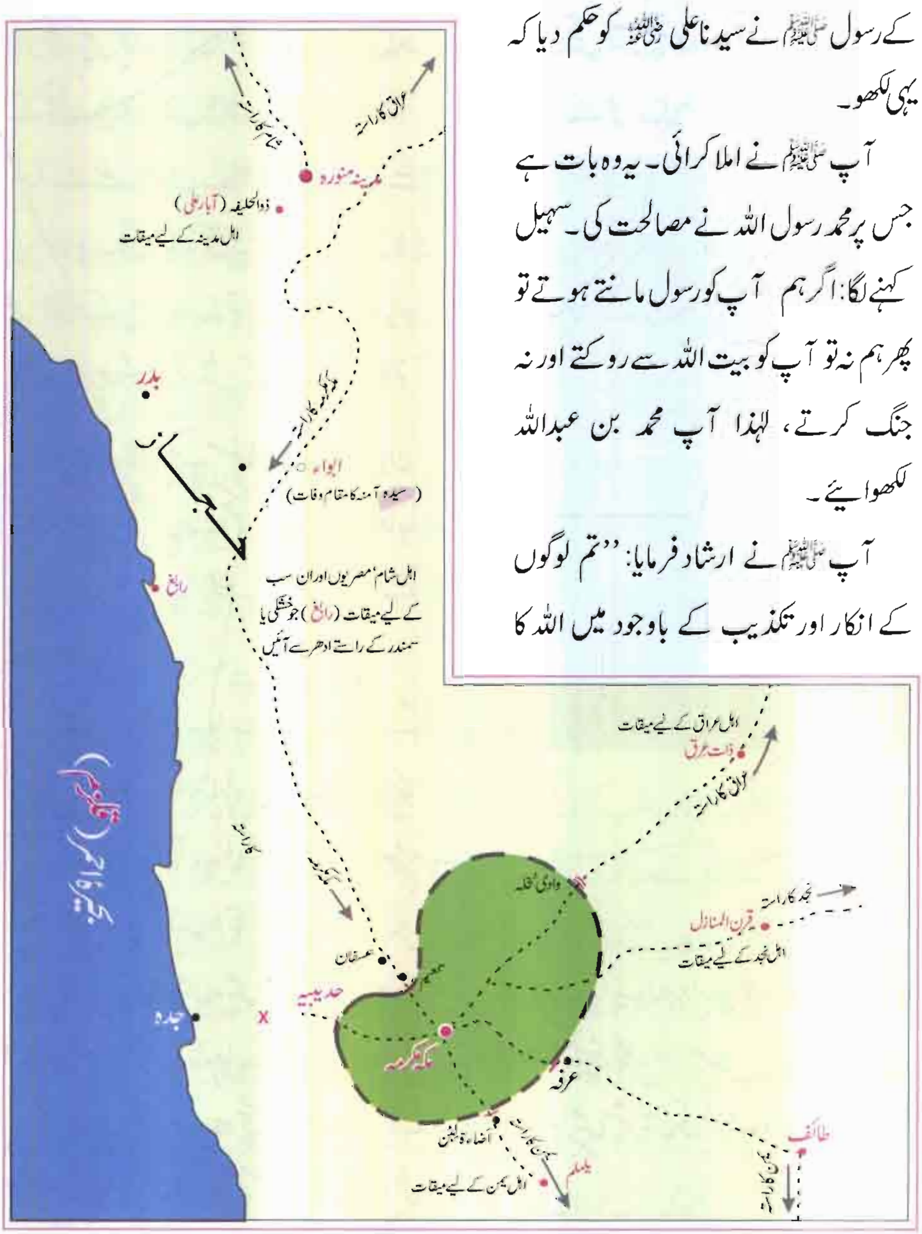
سہیل غزوۂ بدر کے قیدیوں میں شامل تھا۔ یہ زبردست خطیب اور شاعر تھا۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زہر اگلنا اس کا مرغوب مشغلہ تھا۔ ام المؤمنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا رشتے دار تھا۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول ﷺ کو مشورہ دیا تھا کہ اس کے اگلے دانت اکھڑوا دیے جائیں تاکہ یہ آپ ﷺ کے خلاف تقریریں نہ کر سکے مگر آپ ﷺ نے یہ بات پسند نہ کی۔ آپ نے فرمایا: ہم انسانوں کی شکلیں بگاڑنے کا کام نہیں کرتے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر جس شخص نے مشرکین کی طرف سے صلح پر دستخط کیے وہ سہیل بن عمرو ہی تھا۔ اس شخص کی اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ کتنی عداوت تھی، اس کی ایک جھلک دیکھتے ہیں اور پھر آگے بڑھتے ہیں۔

معاہدہ حدیبیہ کے موقع پر سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ صلح کی تحریر لکھیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم املا کروا رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''علی! لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔'' سہیل فوراً بولا: ہم نہیں جانتے رحمٰن کیا ہے؟ آپ یوں لکھیے: (بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ) ''اے اللہ! تیرے نام سے۔'' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ یہی لکھو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے املا کرائی۔ یہ وہ بات ہے جس پر محمد رسول اللہ نے مصالحت کی۔ سہیل کہنے لگا: اگر ہم آپ کو رسول مانتے ہوتے تو پھر ہم نہ تو آپ کو بیت اللہ سے روکتے اور نہ جنگ کرتے، لہٰذا آپ محمد بن عبداللہ لکھوائیے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم لوگوں کے انکار اور تکذیب کے باوجود میں اللہ کا



رسول ہی ہوں۔ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ محمد بن عبداللہ لکھیں اور رسول اللہ کے الفاظ مٹا دیں۔ لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے گوارا نہ کیا کہ وہ ان الفاظ کو مٹا دیں، جب انہوں نے تردد کا اظہار کیا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے ہاتھوں سے یہ الفاظ مٹا دیے۔ اس کے بعد دستاویز لکھی گئی۔

قارئین کرام! ایک منظر اور دیکھتے ہیں۔ حدیبیہ کے میدان میں جبکہ صلح کا معاہدہ لکھا جا رہا تھا، سہیل کے حقیقی بیٹے ابو جندل رضی اللہ عنہ اپنی بیڑیاں گھسیٹتے آ پہنچے۔ وہ مکہ مکرمہ سے کسی نہ کسی طرح قریش کی قید سے نکل کر آئے تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کے سامنے اپنے آپ کو پیش کر دیا۔

معاہدے کی ایک شق یہ بھی تھی کہ قریش کا جو آدمی اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر، یعنی بھاگ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائے تو اسے واپس کر دیا جائے گا لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں سے جو شخص پناہ کی غرض سے بھاگ کر قریش کے پاس جائے گا تو قریش اسے واپس نہیں کریں گے۔

ابو جندل رضی اللہ عنہ جب مسلمانوں کے درمیان آ گئے تو انھوں نے دہائی دی کہ مسلمانو! مجھے بچاؤ۔ سہیل کہنے لگا: یہ پہلا شخص ہے جس کے ذریعے معاہدے کی جانچ ہوگی، طے شدہ شرط کے مطابق آپ کو اسے واپس کرنا ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "ابھی تو معاہدہ لکھا جا رہا ہے۔ ابھی تو اس پر کسی کے دستخط بھی نہیں ہوئے"۔

سہیل کہنے لگا: آپ اسے واپس نہ کریں گے تو میں آپ سے صلح ہی نہیں کروں گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اسے میری خاطر ہی چھوڑ دو۔"

سہیل بولا: میں آپ کی خاطر بھی نہیں چھوڑ سکتا۔

ارشاد فرمایا: "نہیں، اتنا تو کر ہی دو۔"

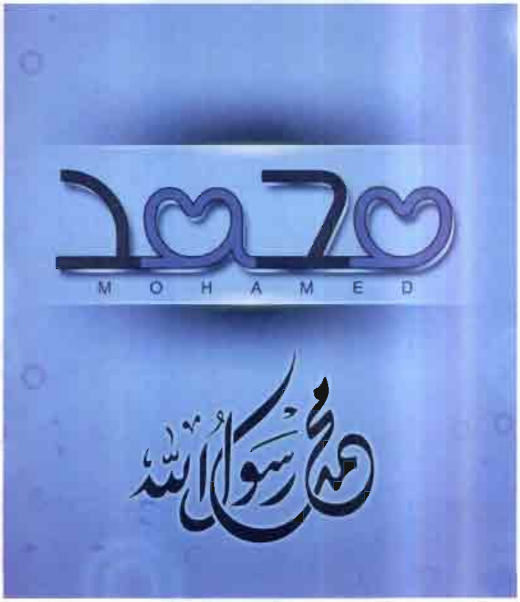
سہیل کہنے لگا: نہیں، میں نہیں کر سکتا۔ اور ابو جندل کے چہرے پر ایک زوردار چانٹا رسید کرتے ہوئے اسے مکہ مکرمہ واپس لے جانے کے لیے ان کے کرتے کا گلا پکڑ کر گھسیٹنے لگا۔

ابو جندل زور زور سے چیخ کر کہنے لگے: اے اہل اسلام! کیا میں مشرکین کی طرف واپس کیا جاؤں گا تاکہ وہ مجھے میرے دین کے متعلق فتنے میں ڈال دیں؟

رسول اللہ ﷺ انھیں صبر کی تلقین کر رہے ہیں۔ فرمایا: ابوجندل! اسے اپنے لیے باعثِ ثواب سمجھو۔ ہم نے قریش کے ساتھ صلح کر لی ہے۔ ہم بدعہدی نہیں کر سکتے۔''

صحیح البخاري، حدیث:4181,2732,2731، والرحیق المختوم، ص:351، وأسد الغابة:2/585, 587.

قارئین کرام! آپ نے اوپر سہیل بن عمرو کا اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ بدلحاظی کا حال پڑھ ہی لیا ہے کہ کس طرح اللہ کے رسول ﷺ ابوجندل رضی اللہ عنہ کے معاملے میں فرما رہے ہیں: میری خاطر ہی اسے چھوڑ دو، مگر وہ انکار کر رہا ہے۔



مگر آئیے! ہم فتح مکہ مکرمہ کے روز دیکھتے ہیں کہ سہیل بن عمرو کیا کر رہا ہے؟

جب نبیٔ رحمت ﷺ نے اعلان فرمایا کہ جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے گھر کے اندر بیٹھ جائے، اسے بھی امان ہے تو سہیل نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا۔ اس کا بیٹا عبداللہ پہلے سے مسلمان ہو چکا تھا۔ اس نے اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ میرے لیے محمد ﷺ سے امان طلب کرو۔ مجھے ڈر ہے کہ مجھے قتل کر دیا جائے گا۔ خود سہیل کہتا ہے: میں محمد ﷺ اور آپ کے صحابہ کے ساتھ اپنے گزشتہ سلوک کو یاد کرتا تو مجھے نظر آتا کہ مجھ سے زیادہ برا سلوک کرنے والا کوئی نہ تھا۔ حدیبیہ کے روز رسول اللہ ﷺ سے جس طرح پیش آیا تھا، کوئی اور ایسے پیش نہ آیا تھا۔ اس روز میں نے ہی وہ مسودہ طے کیا اور مزید یہ کہ میں جنگِ بدر اور احد میں بھی مسلمانوں کے مدِمقابل رہا تھا۔ جب بھی قریش کوئی مخالفانہ کارروائی کرتے میں ان کے ساتھ ہوتا۔

مگر قارئین کرام! اس کے باوجود ہزار بار قربان جائیے اللہ کے رسول ﷺ کے حلم و بردباری پر۔ آپ کے اعلیٰ اخلاق کو ملاحظہ کیجیے کہ جب عبداللہ بن سہیل رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت

> اللہ کی قسم! سہیل تو بڑا دانا اور معزز ہے۔ اس جیسا عظیم شخص اسلام سے بے بہرہ نہیں رہ سکتا۔

کرتے ہیں: اللہ کے رسول! کیا آپ سہیل کو امان دیں گے؟

ارشاد فرمایا: (نَعَمْ هُوَ آمِنٌ بِأَمَانِ اللّٰهِ فَلْيَظْهَرْ)

''ہاں! وہ اللہ تعالیٰ کے عہد و پیمان سے مامون و محفوظ ٹھہرا۔ اسے چھپنے کی ضرورت نہیں، اسے چاہیے کہ سامنے آ جائے۔'' اور پھر ارد گرد بیٹھے ساتھیوں کی طرف شفقت بھری نگاہوں سے دیکھا اور فرمایا:

''جو شخص سہیل بن عمرو کو ملے، اس کی طرف تیز نگاہ سے بھی نہ دیکھے اور سہیل کو چاہیے کہ وہ باہر نکلے۔ اللہ کی قسم! سہیل تو بڑا دانا اور معزز ہے۔ سہیل جیسا عظیم شخص اسلام سے بے بہرہ نہیں رہ سکتا۔'' اور پھر فرمایا: (وَلَقَدْ رَأَى مَا كَانَ يُوضَعُ فِيهِ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ لَهُ بِنَافِعٍ) ''اس نے اچھی طرح دیکھ لیا ہے کہ جس کے لیے اسے دوڑ دھوپ کرائی جاتی تھی، اس نے اسے کوئی نفع نہیں پہنچایا۔''

عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سہیل کی طرف جاتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے جو فرمایا ہے اس کے گوش گزار کرتے ہیں۔ اور پھر سہیل ایک گواہی دیتا ہے، وہ کہتا ہے کہ ''اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر ایفائے عہد والا کوئی نہیں۔ وہ بچپن سے ہی اپنے وعدوں کو پورا کرنے والے ہیں۔'' سہیل کو امان مل گئی ہے، وہ ابھی مسلمان نہیں ہوا۔ مگر مکہ مکرمہ میں عام زندگی گزار رہا ہے۔ چند دن گزرے، اللہ کے رسول ﷺ حنین کے لیے تشریف لے جاتے ہیں اور جب آپ جعرانہ میں تشریف فرما ہوئے تو سہیل بن عمرو نے آ کر اسلام قبول کر لیا۔ اللہ کے رسول نے ان کو 100 اونٹ عطا فرمائے۔

المستدرك للحاكم: 281/3، والمغازي للواقدي، ص:569،
والسيرة النبوية للدكتور محمد علي الصلابي: 539/2، والاستيعاب، ص:461-462.

اللہ کے رسول ﷺ نے سہیل کے بارے میں جو الفاظ کہے تھے، ان کی جو صفات بیان کیں تھیں، ان کو وہ عمر بھر نہیں بھولے۔ وہ بقایا زندگی صلح پسندی اور نیکی کا تذکرہ کرتے رہے اور بڑے اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔



ایسا سمجھدار شخص اسلام سے دور نہیں رہ سکتا

خالد بن ولید اسلام لانے سے پہلے اور بعد میں بھی بڑے شہسوار اور سمجھدار جنگی کمانڈر تھے۔ یہ مخزومی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ بچپن میں یہ اور عکرمہ بن ابوجہل گہرے دوست تھے۔ دونوں ہی گھڑ سواری کے ماہر تھے۔ جب کبھی مکہ مکرمہ میں گھڑ سواری یا تیر اندازی کا مقابلہ ہوتا تو دونوں دوست ہمیشہ سب پر سبقت لے جاتے۔ خالد کا والد ولید بن مغیرہ اسلام کے شدید دشمنوں میں سے تھا۔ اور خالد بھی اسلام دشمنی میں باپ سے کم نہ تھے۔

غزوہ احد میں مشرکین کی طرف سے خالد شریک ہوئے تو ان کو سو گھڑ سواروں کے دستے کا کمانڈر بنایا گیا۔ علاوہ ازیں لشکر کے دائیں حصے پر خالد ہی کو مقرر کیا گیا۔ جب احد کی لڑائی ہوئی تو اس میں خالد کا کردار کسی سے مخفی نہیں۔ جیسے ہی انھوں نے دیکھا کہ ''عینین'' نامی پہاڑی پر جو تیر انداز مقرر ہیں وہ اپنی

جگہ چھوڑ کر مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے ہیں تو خالد بن ولید کو جو مشرکین کے گھڑ سواروں کے کمانڈر بھی تھے، مسلم لشکر کو نرغے میں لینے کا سنہری موقع ہاتھ آ گیا۔

وہ کوہ احد کے اوپر سے چکر کاٹ کر مسلمانوں پر حملہ آور ہو جاتے ہیں۔ دوسرے مشرکین جو میدان جنگ سے بھاگ رہے تھے، وہ بھی دوبارہ جنگ کی طرف پلٹے اور دونوں اطراف سے مسلمانوں کو گھیرے میں لے لیا۔ اور اس غیر متوقع صورت حال میں ستر مسلمان شہید ہو جاتے ہیں۔

میرے بھائی!
بہت ہوگئی، اب لوٹ
آیئے اور جو ہو چکا
اس کی تلافی کیجیے۔

خالد بن ولید غزوۂ خندق میں بھی شامل تھے۔ اسی طرح جب مسلمان حدیبیہ کے علاقے میں جمع تھے تو خالد بن ولید مشرکین کے شاہسواروں کے ہمراہ نکلتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ عسفان میں آمنا سامنا ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو بے خوف ہو کر نماز ظہر پڑھائی اور جب خالد بن ولید اور ان کے ساتھیوں کا ارادہ بنا کہ مسلمانوں پر اس وقت حملہ کریں جب وہ نماز پڑھ رہے ہوں، آپ ﷺ اپنے ساتھیوں کو صلاۃ الخوف پڑھاتے ہیں۔ خالد اپنے ارادے میں ناکام رہتے ہیں۔

خالد بن ولید کا بھائی ولید بن ولید پہلے ہی مسلمان ہو چکا تھا۔ خالد کے جنگی جرائم بھی بہت زیادہ تھے۔ وہ ہر میدان میں مسلمانوں کے خلاف نکلا تھا۔ احد کی ہزیمت کا سبب بھی وہی تھا' مگر قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ کے اخلاق کو دیکھیے۔ یہ آپ کی عفو و درگزر کرنے کی پالیسی ہے کہ آپ اس سب کچھ کے باوجود تمنا ہی کر رہے ہیں کہ خالد کو مسلمان ہو جانا چاہیے۔ کوئی اور حاکم ہوتا تو وہ ایسے لوگوں کو چن چن کر گرفتار کرتا، انھیں قتل کرواتا' مگر آیئے ذرا دیکھتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ عمرۃ القضاء کے موقع پر جب مکہ مکرمہ پہنچے تو خالد کے بارے میں کیا فرما رہے ہیں؟

عمرۃ القضاء کے موقع پر جب مسلمان مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو بیشتر قریش اپنے گھربار چھوڑ کر مکہ مکرمہ کو خالی کر گئے تھے اور وہ پہاڑوں پر چڑھ کر اسلامی لشکر کو دیکھ رہے تھے۔ خالد بن ولید کا بھائی

ولید رضی اللہ عنہ اپنے بھائی خالد کو تلاش کرتا ہے مگر وہ نہیں ملتا تو وہ خالد کو خط لکھتا ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم...... مجھے تم جیسے عقل مند شخص پر تعجب ہے جو اسلام سے پہلو تہی برت رہا ہے۔ کیا اب بھی کوئی شخص اسلام سے ناواقف رہ سکتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے تمھارے متعلق دریافت فرمایا ہے۔ آپ فرما رہے تھے: (أَيْنَ خَالِدٌ؟) ''خالد کہاں ہے؟''

میں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ اسے لے آئے گا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح لوگوں کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔

آپ نے ارشاد فرمایا: (مَا مِثْلُهُ جَهِلَ الْإِسْلَامَ......) ''خالد جیسا شخص اسلام سے بے بہرہ نہیں رہ سکتا۔''

اور مزید فرمایا: (وَلَوْ كَانَ جَعَلَ نِكَايَتَهُ وَجِدَّهُ مَعَ الْمُسْلِمِينَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ) ''اگر وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر مشرکین کے خلاف لڑے''

(لَكَانَ خَيْرًا لَهُ) ''تو یہ اس کے لیے خیر و برکت کا باعث ہوگا۔''

(وَلَقَدَّمْنَاهُ عَلَى غَيْرِهِ) ''اور ہم اسے دیگر لوگوں پر مقدم رکھیں گے۔''

ولید بن ولید اپنے خط کے آخر میں لکھ رہے ہیں: میرے بھائی! بہت ہوگئی، اب لوٹ آیئے اور جو ہو چکا اس کی تلافی کیجیے۔

ولید بن ولید



خالد بن ولید کو خط ملا۔ انہیں اللہ کے رسول ﷺ کی پیش کش اور آپ کی باتیں بڑی اچھی لگیں۔ اللہ تعالیٰ بھی ان کے ساتھ بھلائی چاہتا تھا۔ کہتے ہیں: میرے دل میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

قارئین کرام! ان دنوں وہ ایک خوبصورت خواب دیکھتے ہیں جس کی تعبیر انھیں اسلام قبول کرنا ہی لگتی ہے۔ اور پھر وہ ایک دن مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ آپ کے ساتھ عمرو بن العاص اور عثمان بن طلحہ بھی ہیں۔

جب آپ مدینہ طیبہ پہنچے تو ان کا بھائی ولید دوڑتا ہوا آیا۔ کہنے لگا: بھائی جان! جلدی کیجیے، رسول اللہ ﷺ کو آپ کی آمد کی اطلاع دے دی گئی ہے۔ آپ کے آنے سے وہ بڑے خوش ہیں اور وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔

خالد بن ولید کہتے ہیں: میں نے اپنا بہترین لباس زیب تن کیا اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔

قارئین کرام! ذرا چشم تصور سے اس منظر کو دیکھیے! اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے ایک بڑے دشمن اور دشمن کے بیٹے کو دیکھا تو خالد کہتے ہیں: آپ ﷺ تبسم فرما رہے تھے۔ میں نے خدمت نبوی میں سلام پیش کیا تو آپ ﷺ نے خندہ پیشانی سے جواب دیا۔

میں نے کہا: (إِنِّي أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ)

اور اللہ کے رسول اس کے جواب میں فرما رہے ہیں:

(اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هَدَاكَ)

''ہر قسم کی تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے تمھیں ہدایت دی۔''

(قَدْ كُنْتُ أَرَى لَكَ عَقْلًا رَجَوْتُ أَنْ لَّا يُسْلِمَكَ إِلَّا إِلَى الْخَيْرِ)

''مجھے تمھاری دانش مندی اور دور اندیشی سے امید تھی کہ وہ تمھیں ضرور نیکی و خیر سے وابستہ کرے گی۔''

خالد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے عرض کی کہ میں نے اسلام سے بڑی دشمنی کی ہے، میرے لیے مغفرت کی دعا مانگیں۔ ارشاد فرمایا: (اَلْإِسْلَامُ يَجُبُّ مَا كَانَ قَبْلَهُ) ''اسلام سابقہ گناہوں کو کاٹ کر رکھ دیتا ہے۔'' میں نے عرض کی: اس کے باوجود بھی میرے لیے دعا کیجیے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کو دیکھیے کہ آپ اپنے اس نئے ساتھی کی کس طرح حوصلہ افزائی فرما رہے ہیں:

(اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِخَالِدٍ كُلَّ مَا أَوْضَعَ فِيهِ مِنْ صَدٍّ عَنْ سَبِيلِكَ)

''اے اللہ! خالد آج تک تیرے راستے سے روکنے کے لیے جتنی کوششیں کرتا رہا ہے اس کی وہ سب کوتاہیاں معاف فرما دے۔''

قارئین کرام! جانتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید، عمرو بن العاص اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم کے اسلام لانے پر کیا ارشاد فرمایا تھا؟:

(إِنَّ مَكَّةَ قَدْ أَلْقَتْ إِلَيْنَا فِلْذَاتِ كَبِدِهَا)

''مکہ مکرمہ نے اپنے جگر گوشے (نہایت قیمتی فرزند) ہمارے حوالے کر دیے ہیں۔''

المستدرك للحاكم:3/297-299، والسيرة النبوية للصلابي:2/480-482، والاستيعاب، ص:233-235، و أسد الغابة:2/140-143، والإصابة:2/215-219.

میں عادل نہیں ہوں تو پھر دنیا میں کون عادل ہے؟!

اللہ کے رسول ﷺ کی حکمت عملی تھی کہ آپ نے حنین کے مال غنیمت میں سے بعض معروف شخصیات کو تالیف قلوب کے لیے زیادہ حصہ دیا۔ ان میں قریش کے سرداروں کے علاوہ بعض بدوی قبائل کے سرداران بھی شامل تھے۔ اقرع بن حابس بنو تمیم کا سردار تھا، اسے سو اونٹ عطا فرمائے۔ اس کے علاوہ قیس بن عدی، سہیل بن عمرو، حویطب بن عبدالعزیٰ اور عیینہ بن حصن کو سو سو اونٹ دیے۔

آپ ﷺ نے اس موقع پر چند روسائے عرب کو بھی نوازا۔ انھیں دوسرے لوگوں پر مقدم رکھا۔ اتنے میں ایک آدمی نے یہ ہرزہ سرائی کی کہ اللہ کی قسم! یہ تقسیم ایسی ہے جس میں عدل نہیں ہوا اور نہ ہی اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا مندی پیش نظر رکھی گئی ہے۔

اس بدو کی اس ہرزہ سرائی کو سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سن رہے تھے۔ دل میں سوچا کہ میں اس کی بکواس کو اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں ضرور عرض کروں گا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اللہ کے

رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور انھیں اس بدو کی گفتگو اور ہرزہ سرائی سے مطلع کر رہے ہیں۔

اللہ کے رسول پر یہ بے بنیاد الزام تھا۔ آپ سے بڑھ کر عدل و انصاف کرنے والا کون ہوسکتا ہے۔ چہرۂ اقدس سرخ ہوگیا۔ ارشاد فرمایا:

(فَمَنْ يَّعْدِلُ إِنْ لَّمْ يَعْدِلِ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ)

''اگر اللہ اور اس کا رسول عدل و انصاف نہیں کریں گے تو پھر کون کرے گا؟''

اور پھر اس صابر و شاکر رسول ﷺ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو یاد کیا۔ اور آپ کی تواضع کو دیکھیے، ارشاد فرما رہے ہیں:

(يَرْحَمُ اللّٰهُ مُوسٰى، قَدْ أُوذِيَ بِأَكْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ)

''اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے، ان کو اس سے بھی زیادہ ستایا گیا مگر انھوں نے صبر کیا۔''

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ کے حلم، عفو و درگزر کو ملاحظہ کیجیے۔ یہ آپ کا اعلیٰ اخلاق تھا کہ آپ نے یہ حکم نہیں دیا: جاؤ! اس قسم کی باتیں کرنے والے کو بلا کر لاؤ۔ وہ تو واجب القتل ہے، اسے تو جیل میں ڈالنا چاہیے بلکہ یہ الزام لگانے والے کو اللہ کے رسول ﷺ نے کچھ بھی نہیں کہا۔

ادھر سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں تہیہ کرلیا کہ آج کے بعد اس قسم کی بات اللہ کے رسول ﷺ کو نہیں پہنچاؤں گا۔

صحیح البخاري، حدیث: 3150، و صحیح مسلم، حدیث: 1062، و السیرة النبویة للصلابي: 568/2.



47

اللہ کے رسول! ہم پر احسان فرمائیے......

بنو ہوازن طائف اور اس کے گرد و نواح کے رہنے والے اصلی عرب تھے۔ آج بھی اس قبیلہ کی اولاد "العتیبی" کے نام سے بڑی مشہور و معروف ہے۔ بلکہ میرے ایک "العتیبی" دوست کے مطابق سعودی عرب کا سب سے بڑا قبیلہ یہی ہے۔ یہ قبیلہ طائف سے لے کر ریاض کے علاقے تک پھیلا ہوا ہے۔

غزوۂ حنین میں بنو ہوازن اور ثقیف پیش پیش تھے۔ بنو ہوازن سے تعلق رکھنے والا مالک بن عوف اس فوج کا سپہ سالار مقرر ہوتا ہے۔ اس کی رائے تھی کہ بال بچے اور تمام جانور ساتھ لے کر چلیں تا کہ بھاگنے کا تصور ہی نہ رہے۔ ہر چند کہ اس رائے کی اسی قبیلے کے ایک بہادر اور تجربہ کار شخص درید بن صمہ نے شدید مخالفت کی مگر وہ نہایت بوڑھا ہو چکا تھا، اس لیے اس کی بات نہ مانی گئی۔

غزوۂ حنین کے آغاز میں مسلمانوں کو غیر متوقع حالات کے باعث ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا، مگر اللہ کے رسول کی بہادری ملاحظہ کیجیے کہ جب لوگ دوڑ رہے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ دشمن کی طرف آگے بڑھ رہے ہیں۔ خچر پر سوار اسے ایڑ لگا رہے ہیں اور فرما رہے ہیں:

(أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبُ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبُ)

''میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔''

اس وقت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے خچر کی لگام پکڑ رکھی تھی۔ آپ کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے رکاب تھام لی۔ دونوں خچر کو روک رہے ہیں کہ کہیں تیزی سے آگے نہ بڑھ جائے۔

سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نہایت بلند آواز سے لوگوں کو بلا رہے ہیں۔ او بیعت رضوان والو! کہاں ہو؟ لوگ اس آواز پر بھاگے چلے آئے۔ چند ہی منٹوں میں اللہ کے رسول ﷺ کے اردگرد بہت سے جاں نثار جمع ہو گئے۔ انہوں نے دشمن کا اس طرح سامنا کیا کہ فریقین کے درمیان شدید جنگ شروع ہو گئی۔ اللہ کے رسول ﷺ زمین سے ایک مٹھی بھر مٹی لے کر دشمن کی طرف پھینکتے ہوئے فرما رہے ہیں: (شَاهَتِ الْوُجُوهُ) . ''(دشمنوں کے) چہرے بگڑ جائیں۔'' یہ مٹھی بھر مٹی اس طرح پھیلی کہ دشمن کا کوئی آدمی ایسا نہ تھا جس کی آنکھ اس سے بھر نہ گئی ہو۔ اس کے بعد دشمن کی قوت ٹوٹتی چلی گئی اور اسے شکست فاش ہوتی ہے۔ دشمن بھاگ رہا ہے۔ ایک حصہ طائف کی جانب اور ایک نخلہ کی طرف اوطاس کی راہ لے رہا ہے۔ یہاں ایک معمولی جھڑپ سے ہی دشمن پسپا ہو گیا۔ معروف سردار درید بن صمہ یہاں قتل ہوا۔

مسلمانوں کو جو مال غنیمت بہت وافر مقدار میں ملا ہے، آیئے اس کی تفصیل جانتے ہیں:

قیدی چھ ہزار (6000)' اونٹ چوبیس ہزار (24000)' بکریاں چالیس ہزار (40000) سے زیادہ' چاندی چار ہزار (4000) اوقیہ یعنی کم و بیش 152 کلوگرام۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کو جمع کرنے کا حکم دیا اور جعرانہ کے مقام پر اسے مسعود بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں دے دیا۔ اور خود غزوۂ طائف کے لیے روانہ ہو گئے۔

صحيح البخاري، حديث: 4315، 4317، 4323، وصحيح مسلم، حديث: 1775-1777، والرحيق المختوم، ص 422-424، والسيرة النبوية لمهدي رزق الله: 2/161-156.

قارئین کرام! کیا آپ جانتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مال غنیمت کو تقسیم کیوں نہیں کیا؟

یہ رسولِ رحمت ﷺ کا اعلیٰ اخلاق تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ چاہتے تھے کہ بنو ہوازن تائب ہو کر آ جائیں اور انھوں نے جو کچھ کھویا ہے، سب لے جائیں۔ مگر ان کی طرف سے تاخیر ہوتی چلی گئی۔

ہمارے نزدیک خاندانی شرف کے برابر کوئی چیز نہیں۔ گویا انھوں نے اعلان کر دیا کہ ہمیں مال نہیں چاہیے، ہمیں قیدی عورتیں اور بچے دے دیں۔

جب آپ ﷺ غزوۂ طائف سے واپس آئے تو پھر مالِ غنیمت تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ مؤلفۃ القلوب کے تحت قریش مکہ مکرمہ کے بڑے بڑے سرداروں کو عطیات ملتے ہیں' لوگوں کو اتنا دیا، اتنا دیا کہ لوگوں میں مشہور ہو جاتا ہے کہ محمد ﷺ اس طرح بے دریغ عطیات دیتے ہیں کہ انھیں فقر کا اندیشہ ہی نہیں۔

قارئین کرام! سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو ان کے بیٹوں سمیت تین سو اونٹ اور اٹھارہ کلو چاندی ملتی ہے۔ اکیلے صفوان بن امیہ کو تین سو اونٹ دیے جا رہے ہیں۔ اسے بکریوں کا ریوڑ الگ سے ملا تھا۔

مال غنیمت تقسیم ہو چکا ہے اور ادھر ہوازن کا وفد مسلمان ہو کر اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وفد میں چودہ افراد ہیں۔ ان کا سربراہ اور خطیب ابوصُرَد زہیر بن صرد ہے۔ یہ وفد عرض کر رہا ہے: اللہ کے رسول! ہم عرب کے اصلی باشندے ہیں۔ قریش سے خاندانی تعلق ہے۔ ہم پر جو مصیبت آئی ہے وہ آپ سے پوشیدہ نہیں، لہٰذا ہم پر احسان فرمایئے، اللہ تعالیٰ آپ پر احسان فرمائے گا۔

اس تمہید کے بعد اب خطیب ہوازن ابوصرد کھڑا ہوا ہے۔ عورتوں اور بچوں کے کیمپ کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا: یہاں آپ کی پھوپھیاں اور خالائیں ہیں جو آپ کو دودھ پلاتی رہی ہیں۔ یہ وہ ہیں جنھوں

نے آپ کی پرورش کی ہے۔ اور پھر اس نے عرب کے دو بڑے اور مشہور بادشاہوں حارث بن ابوشمر اور نعمان بن منذر کا نام لے کر کہا کہ اگر ہم نے ان کو دودھ پلایا ہوتا اور ان پر اس قسم کا احسان کیا ہوتا اور پھر ہم پر وہ مصیبت نازل ہوتی جو ہم پر نازل ہوئی ہے تو ہم ان سے مہربانی کی امید رکھتے۔ جہاں تک آپ ﷺ کا تعلق ہے آپ تو اللہ کے رسول ہیں۔ ہمارے گھرانوں میں جن جن بچوں کی پرورش ہوئی ہے ان تمام سے آپ اعلیٰ، افضل اور بہتر ہیں۔

ابوصرد شاعر تھا۔ عربوں کے ہاں عادت تھی کہ وہ اپنی خطابت میں نثر کے بعد اشعار کا سہارا لیتے۔ جو بات نثر میں نہ کہہ سکتے چند اشعار میں اپنا مدعا بیان کر دیتے۔ پھر اس نے اشعار پڑھنے شروع کر دیے۔ آیئے صرف ایک شعر پڑھ کر آگے بڑھتے ہیں:

اُمْنُنْ عَلَيْنَا رَسُولَ اللّٰهِ فِي كَرَمٍ   فَإِنَّكَ الْمَرْءُ نَرْجُوهُ وَنَنْتَظِرُ

''اللہ کے رسول! سخاوت کرتے ہوئے ہم پر احسان فرمایئے آپ تو ایسے شخص ہیں جن سے ہم امیدیں لگائے منتظر بیٹھے ہیں۔''

دیگر اشعار میں وہ کہتا ہے:

''ان عورتوں پر آپ احسان فرمایئے جن کا آپ دودھ پیتے رہے۔''

اللہ کے رسول ﷺ وفد کی گزارشات کو پورے اطمینان کے ساتھ سن رہے ہیں۔ وفد کا مطالبہ ہے کہ آپ مہربانی کر کے قیدی اور مال واپس کر دیں۔

ہوازن کے وفد نے اس طرح بات کی کہ نبی ﷺ کا دل پسیج گیا۔ آپ ﷺ ارشاد فرما رہے ہیں: ''میرے ساتھ جو لوگ ہیں، تم انھیں دیکھ ہی رہے ہو۔ مجھے سچ بات زیادہ پسند ہے۔ بتاؤ کہ تمھیں اپنے بال بچے زیادہ محبوب ہیں یا مال زیادہ پسند ہے۔''

مجلس میں کچھ لمحات کے لیے سناٹا چھا گیا۔ عربوں کے ہاں بال بچے نہایت محبوب اور عزت والے سمجھے جاتے تھے۔ ان کا قیدی اور غلام بنایا جانا...... انھیں کسی صورت گوارا نہ تھا۔

وفد کے ارکان نے یک زبان ہو کر کہا: ہمارے نزدیک خاندانی شرف کے برابر کوئی چیز نہیں۔ گویا

انھوں نے اعلان کر دیا کہ ہمیں مال نہیں چاہیے، ہمیں قیدی عورتیں اور بچے دے دیں۔

اللہ کے رسول ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کو ملاحظہ کیجیے کہ چاہتے تو غلاموں کو آزاد کرنے کا حکم جاری فرما دیتے، مگر آپ ﷺ اپنے جاں نثار صحابہ کرام سے مشورہ کر کے انھیں اعتماد میں لینا چاہتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ دل سے چاہتے ہیں کہ ان قیدیوں کو رہائی مل جائے، اسی لیے ارشاد فرمایا: ''جب میں ظہر کی نماز پڑھ لوں تو تم لوگ اٹھ کر کہنا: ہم چاہتے ہیں کہ مسلمان رسول اللہ ﷺ کے پاس ہماری سفارش کریں۔ آپ ﷺ ان کی سفارش مان لیں اور ہمارے قیدیوں کو رہا کر دیں اور اللہ کے رسول ﷺ بھی مسلمانوں کے ہاں ہماری سفارش کریں۔ مسلمان بھی آپ ﷺ کی سفارش مان لیں اور ہمارے قیدیوں کے معاملے میں رعایت کریں اور انھیں آزاد کر دیں۔''

چنانچہ جب اللہ کے رسول ﷺ نے ظہر کی نماز ادا کی تو بنو ہوازن نے وہی بات کہی جس کا انھیں کہا گیا تھا۔ کہنے لگے: لوگو! ہم رسول اللہ ﷺ کو مسلمانوں کے پاس اور مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کے پاس سفارشی بناتے ہیں۔

قارئین کرام! ذرا اللہ کے رسول ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کو تو دیکھیے کہ آپ چاہتے ہیں کہ قیدیوں کو رہائی مل جائے، چنانچہ خود ہی ان کو تدبیر بتا رہے ہیں۔ کائنات کے سب سے اعلیٰ اخلاق والے سید ولد آدم ﷺ اعلان کر رہے ہیں: ''جو میرے اور بنو عبدالمطلب کے حصے کے قیدی ہیں، وہ میں آپ لوگوں کو واپس کرتا ہوں۔''

مہاجرین نے اپنے قائد کے الفاظ سنے تو وہ اعلان کر رہے ہیں کہ جو ہمارے حصے کے قیدی ہیں ہم انھیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ ادھر انصار بھی یہی اعلان کر رہے ہیں کہ ہمارے قیدی بھی آزاد ہیں۔ بعض بدو سرداروں نے کچھ پس و پیش اور تردد سے کام لیا مگر بالآخر وہ بھی رضامند ہو گئے اور بنو ہوازن کے تمام چھ ہزار قیدی رہا کر دیے گئے۔

صحيح البخاري، حديث: 4318-4319، والرحيق المختوم، ص: 427-428، والسيرة النبوية للصلابي: 2/568-570، والسيرة النبوية لمهدي رزق الله: 2/174.

جو چیز تمھاری ہے ہی نہیں اس میں نذر کیسی؟!!

اللہ کے رسول ﷺ کا اخلاق صرف مسلمانوں یا عامۃ الناس ہی کے لیے نہیں تھا بلکہ آپ کے اخلاق اور آپ کی رحمت سے حیوانات اور شجر و حجر بھی استفادہ کرتے تھے۔

آیئے حیوان کے ساتھ آپ کی رحمت کے حوالے سے ایک واقعہ پڑھتے ہیں:



ایک مرتبہ مدینہ طیبہ پر دشمنوں نے شب خون مارا اور جاتے وقت اللہ کے رسول ﷺ کی اونٹنی لے گئے اور ایک انصاری عورت کو بھی قیدی بنا کر اپنے ساتھ لے گئے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی اس اونٹنی کا نام ''العضباء'' تھا اور یہ بہت زیادہ تیز دوڑتی تھی۔ جب کبھی اونٹوں کی دوڑ کا مقابلہ ہوتا یا لشکر کے ساتھ چلتی تو یہ سب سے آگے ہوتی، اس لیے یہ مدینہ طیبہ کے لوگوں میں بڑی مشہور تھی۔

شب خون مارنے والے لوگ جب اپنی بستی میں پہنچے تو انھوں نے اس عورت کو رسیوں سے

باندھ دیا۔ اس عورت نے سوچنا شروع کیا کہ وہ کس طرح ان کے چنگل سے آزاد ہو سکتی ہے۔ رات کا وقت تھا، یہ لوگ تھکے ہوئے تھے۔ اپنے باڑوں اور گھروں کے سامنے ہی سو گئے۔ ادھر یہ عورت جاگتی رہی، اسے کیسے نیند آ سکتی تھی؟ اس نے کسی نہ کسی طرح اپنی رسیاں کھول لیں اور اپنے آپ کو آزاد کر لیا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا کہ لوگ گہری نیند سو رہے تھے۔ وہ اونٹوں کی طرف متوجہ ہوئی کہ ان میں سے کسی پر بیٹھ کر مدینہ طیبہ پہنچ جائے۔

اس عورت نے اس اونٹنی پر بیٹھے بیٹھے یہ نذر مان لی کہ اگر یہ صحیح سلامت اسے مدینہ طیبہ لے گئی تو وہ اسے ذبح کر دے گی۔

جب وہ ایک اونٹ کے قریب ہوئی تو اس نے بلبلانا شروع کر دیا۔ عورت کو یہ بھی خوف تھا کہ کہیں لوگ جاگ نہ جائیں۔ وہ دوسرے اونٹ کے قریب ہوئی تو اس نے بھی آوازیں نکالنی شروع کر دیں۔ وہ تیسرے اور چوتھے اونٹ کے پاس گئی، چونکہ اونٹ اس کو پہچانتے نہ تھے، اس لیے اسے دیکھ کر بلبلانے لگے۔ جب وہ اللہ کے رسول ﷺ کی اونٹنی ''العضباء'' کے پاس گئی تو اونٹنی سدھائی ہوئی تھی، اس لیے وہ خاموش رہی۔ اس عورت نے اس کی رسی کھولی، پلک جھپکتے اس پر سوار ہو گئی، اسے ہنکارا، چلنے کا اشارہ کیا تو وہ چل پڑی۔ تھوڑی دیر بعد اونٹنی کی رفتار اتنی تیز ہو گئی کہ وہ ہوا سے باتیں کرنے لگی۔ اس کا رخ مدینہ طیبہ کی طرف تھا۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے یہ اونٹنی پورے مدینہ طیبہ میں معروف تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ کی ہے اور بہت تیز دوڑتی ہے۔ اونٹوں کی ایک خوبی ہے کہ وہ اپنے گھر کا راستہ نہیں بھولتے۔ اونٹنی نے مدینہ طیبہ کی طرف اپنے گھر کا رخ کیا، ادھر تھوڑی دیر بعد وہ لوگ بھی جاگ پڑے۔ دیکھا کہ عورت بھاگ گئی ہے اور اونٹنی بھی غائب ہے۔ وہ اپنے اونٹوں پر سوار ہوتے ہیں اور اونٹنی کا پیچھا کرتے ہیں۔ مگر ''العضباء'' بہت تیز رفتار تھی۔ وہ ان کی پہنچ سے دور جا چکی تھی، لہٰذا مایوس ہو کر واپس آ گئے۔

یہ واقعہ جس کی اصل صحیح مسلم اور مسند احمد میں ہے، اس کے راوی عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس عورت نے اس اونٹنی پر بیٹھے بیٹھے یہ نذر مان لی کہ اگر یہ صحیح سلامت اسے مدینہ طیبہ لے گئی تو وہ اسے ذبح کر دے گی۔ العضباء اسے لیے مدینہ طیبہ پہنچ جاتی ہے۔ اس عورت کو قطعاً معلوم نہ تھا کہ یہ اونٹنی اللہ کے رسول ﷺ کی ہے۔

لوگوں نے اونٹنی کو دیکھا تو کہنے لگے: یہ تو اللہ کے رسول ﷺ کی اونٹنی ''العضباء'' ہے۔ عورت کہنے لگی: میں نے تو نذر مانی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے نجات دی تو میں اسے ذبح کر دوں گی۔ لوگوں نے اس پر تعجب کیا اور اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ بیان کیا۔

قارئین کرام! اب دیکھیے اللہ کے رسول ﷺ کس طرح ایک حیوان کے ساتھ رحمت اور شفقت کا برتاؤ کرتے ہیں۔ ارشاد فرمایا: (بِئْسَمَا جَزَتْهَا) ''اس خاتون نے اس بے زبان کے احسان کا بہت برا بدلہ دیا ہے۔'' مراد یہ کہ وہ اسے دشمنوں کے چنگل سے چھڑوا کر لائی اور یہ اس کا بدلہ اس طرح دے رہی ہے کہ اسے ذبح کرنے کے درپے ہے۔

قارئین کرام! اس موقع پر اللہ کے رسول ﷺ نے ایک اصول اور قانون بیان فرما دیا:

(لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِي مَعْصِيَةٍ) ''گناہ کے کاموں کی نذر کو پورا نہیں کیا جائے گا۔''

(وَلَا فِيمَا لَا يَمْلِكُ الْعَبْدُ) ''جس چیز کا کوئی شخص مالک نہیں ہے اس کے بارے میں وہ نذر نہیں مان سکتا۔'' یہ خاتون اس اونٹنی کی مالک تو نہ تھی، لہٰذا اسے کیسے اور کہاں سے اجازت مل گئی کہ اسے ذبح کرے۔

صحیح مسلم، حدیث: 1641، و مسند أحمد: 434-432/4.

خندق والوں سے کہو، کھانے کے لیے آجائیں

اللہ کے رسول ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کی ایک علامت یہ بھی تھی کہ آپ ﷺ سب لوگوں سے بڑھ کر ایثار اور قربانی کرنے والے تھے۔ آپ ﷺ کی حیات طیبہ کو پڑھ کر دیکھیں کہ آپ نے ساری زندگی دکھ اور تنگی برداشت کر کے لوگوں میں خوشیاں تقسیم کی ہیں۔ یہ جو واقعہ ہم پڑھنے جا رہے ہیں یہ بلاشبہ اللہ کے رسول ﷺ کا معجزہ ہے، مگر اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے ساتھیوں سے کس قدر محبت فرماتے تھے، ہر مشکل اور تنگی کے وقت ان کے کام آتے تھے۔

غزوۂ خندق کے موقع پر خندق کی کھدائی ہو رہی ہے۔ ایک ہزار صحابہ کرام خندق کھود رہے ہیں۔ ان میں انصار اور مہاجرین سبھی شامل ہیں۔ خود اللہ کے رسول ﷺ ان کی براہ راست نگرانی کر رہے ہیں۔ آپ خود بھی بنفس نفیس کھدائی میں عملاً شریک ہیں۔ شدید سردا اور بہت تیز ہوا چلتی تھی۔ تنگ دستی بھی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے ہاتھوں سے مٹی کھودتے اور اسے پشت پر اٹھا کر پھینکتے۔ صحابہ کرام محاذ جنگ پر ہی دن رات گزارتے تھے۔ گھر جانے کی اجازت نہ تھی۔ انھیں اکثر و بیشتر اوقات کھانے کے لیے کم ہی ملتا۔ ان حالات میں ایک انصاری صحابی بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کی بیٹی کو اس کی والدہ عمرہ بنت رواحہ نے بلایا۔ ماں کے دونوں ہاتھوں میں کھجوریں ہیں، بیٹی کے دامن میں ڈال کر کہنے لگیں: بیٹی! یہ ناشتہ اپنے والد اور اپنے ماموں عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہما کو پہنچا دو۔

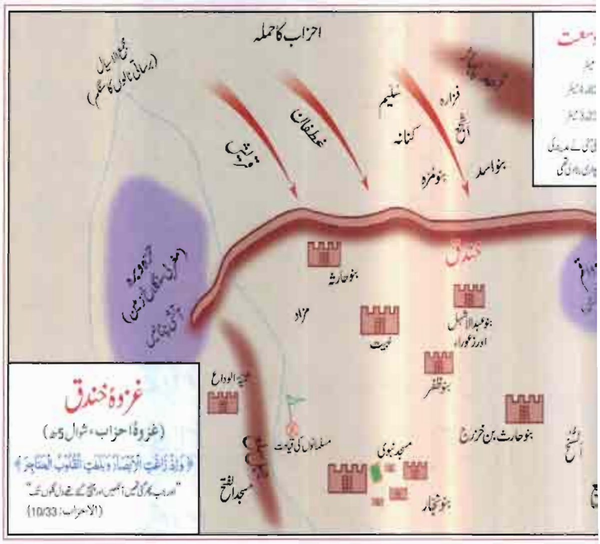
جب وہ کھجوریں لے کر خندق کے موقع پر پہنچیں اور اپنے والد اور ماموں کو تلاش کرنے لگیں تو اس دوران میں ان کا گزر اللہ کے رسول ﷺ کے قریب سے ہوا۔

بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کی بیٹی کہتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے دیکھا تو بڑی محبت سے فرمایا:

(تَعَالَيْ يَابُنَيَّةُ مَا هٰذَا مَعَكِ) ''پیاری بیٹی ادھر آ ؤ، تم کیا لے کر آئی ہو؟'' میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ کچھ کھجوریں ہیں، میری ماں نے مجھے دی ہیں کہ میرے والد بشیر بن سعد اور ماموں عبداللہ بن رواحہ ان سے ناشتہ کر لیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: (هَاتِيهِ) ''انھیں یہاں لاؤ۔''

میں نے کھجوریں آپ ﷺ کے ہاتھوں میں ڈال دیں۔ کھجوریں بس اتنی سی تھیں کہ آپ ﷺ کے دونوں ہاتھ بھی نہ بھرے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ دو تین سو گرام کھجوریں تھیں۔



آپ نے حکم دیا کہ ایک کپڑا لایا جائے۔ کپڑا لایا گیا تو اسے زمین پر بچھا دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے کھجوریں اس کپڑے پر ڈال دیں۔ کھجوریں سارے کپڑے پر بکھر گئیں۔

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کو ملاحظہ کریں کہ آپ نے صرف مخصوص لوگوں کو دعوت نہیں دی بلکہ قریب بیٹھے ہوئے شخص سے فرمایا:

(أَصْرِخْ فِي أَهْلِ الْخَنْدَقِ أَنْ هَلُمُّوا إِلَى الْغَدَاءِ) ''خندق کھودنے والوں کو آواز دو کہ وہ آ کر کھانا کھا لیں۔''

لوگوں نے آواز سنی تو رحمت عالم کی طرف بھاگتے چلے آ رہے ہیں۔ چادر کے چاروں طرف لوگوں کا ہجوم ہے۔ وہ کھجوریں کھا رہے ہیں۔ یہ میرے نبی ﷺ کا معجزہ تھا کہ کھجوریں ہیں کہ برابر بڑھتی چلی جا رہی ہیں۔ تمام اہل خندق سیر ہو کر چلے گئے، ادھر کھجوریں تھیں کہ کپڑے کے اطراف میں گرتی رہیں۔

السيرة النبوية لابن هشام :229،228/3، ودلائل النبوة للبيهقي: 427/3، ودلائل النبوة للأصبهاني: 499/2-500.

50

ہم نے اس سے بہتر نمائندہ نہیں دیکھا

نجد کے علاقے میں قبیلہ بنو سعد بن بکر کا سرکردہ شخص ضمام بن ثعلبہ انتہائی شاندار گفتگو کرتا تھا۔ اس کی عربی نہایت فصیح و بلیغ تھی۔ وہ بات کرتا تو سننے والے حیران رہ جاتے۔ نہایت گورا چٹا رنگ، بالوں کے پٹے کانوں کی لو تک نکلے ہوئے جیسے چاند کے گرد ہالہ ہو۔ جس کسی سے ملتا، اس کو اپنا بنالیتا۔ بڑے ہی اعلیٰ اخلاق کا مالک ضمام ایک دن مدینہ طیبہ پہنچ جاتا ہے۔ وہ کیسے مدینہ طیبہ آیا آیئے پڑھتے ہیں:

> کیوں نہ ہم اپنے ایک ایلچی کو مدینہ طیبہ بھجوائیں جو براہ راست اللہ کے رسول ﷺ سے سوالات کرے اور تمام باتوں کی تصدیق کر آئے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے داعیانِ توحید کو نجد کے علاقے کی ایک بستی میں اسلام کی تبلیغ کے لیے بھیجا۔ اس بستی کے لوگ طبعاً شریف، دور اندیش اور معاملہ فہم تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے سفیر سے اسلام کے بارے میں خاصی معلومات لیں۔ بڑے سوال و جواب کیے۔ دین اسلام کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی پہچان؟ محمد رسول ﷺ اس دنیا میں کیوں مبعوث ہوئے؟ نماز، روزہ، حج، زکاۃ بنیادی ارکان اسلام پر خوب بحث ہوئی۔ ایک دن اس قوم کے سمجھ دار لوگ اکٹھے ہوئے اور کہنے لگے کہ کیوں نہ ہم اپنے ایک ایلچی کو مدینہ طیبہ بھجوائیں جو براہ راست اللہ کے رسول ﷺ سے سوالات کرے، ان سے

بالمشافہ ملاقات کرے اور ان باتوں کی تصدیق کرآئے۔انھوں نے ایک نہایت سمجھ دار شخص کو 9 ہجری میں مدینہ طیبہ بھیجا۔

یہ واقعہ پڑھنے سے آپ کو اس امر کا اندازہ بھی ہو جائے گا کہ اللہ کے رسول ﷺ کتنے اعلیٰ اخلاق اور بلند حوصلے والے تھے ۔ ایک بدوی کے سوالات کے جوابات کس خندہ پیشانی سے دیے اور اس کے نتائج کیا نکلے۔ یہ واقعہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں کتابوں میں مختلف الفاظ کے ساتھ مذکور ہے ۔ میں نے اسے عام فہم انداز میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔



ضمام بن ثعلبہ اونٹنی پر سوار مدینہ طیبہ پہنچا تو سیدھا مسجد نبوی میں آیا۔ بدو فطری بے خوفی کی وجہ سے اپنی اونٹنی مسجد نبوی ہی میں لے آیا۔ اونٹنی کو مسجد کے ایک کونے میں بٹھایا اور سیدھا اس حلقے کی طرف بڑھا جہاں سرورکائنات ﷺ اپنے صحابہ کرام کے درمیان تشریف فرما ہیں۔قریب پہنچا تو نہ سلام نہ دعا،سیدھا بدوی لہجے میں پوچھتا ہے: محمد ﷺ کہاں ہیں؟ اللہ کے رسول ﷺ صحابہ کرام کے درمیان زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔

صحابۂ کرام کہنے لگے کہ یہ جو روشن چہرے والے ٹیک لگائے بیٹھے ہیں، یہی محمد ﷺ ہیں۔

ضمام اب اللہ کے رسول ﷺ سے براہ راست مخاطب ہوا۔ کہنے لگا: کیا آپ ہی ابن عبدالمطلب ہیں۔آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''تمھارے سوال کا جواب دیا جا چکا ہے۔''

پھر اس نے اپنا تعارف کروایا، نام بتایا اور کہنے لگا: میری قوم نے چند باتوں کی تحقیق کے لیے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ میں بدو ہوں۔ میرے لب و لہجے اور انداز گفتگو کی درشتی کو محسوس نہ فرمایئے گا۔

قارئین! ذرا اپنے پیارے رسول ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کو ملاحظہ کیجیے، آپ ﷺ اس پر ناراض نہیں ہوئے کہ تمھیں گفتگو کا طریقہ اور سلیقہ آنا چاہیے بلکہ آپ فرما رہے ہیں:

''جو انداز گفتگو چاہو اختیار کر لو۔ جو جی میں آئے پوچھو، میرے دل میں ہرگز کوئی میل نہیں آئے گا۔تم بے تکلف ہو کر اطمینان سے بات کرو''۔

وہ اب سوال کر رہا ہے اور اللہ کے رسول ﷺ نہایت اطمینان سے اس کے سوالوں کے جوابات دے رہے ہیں۔ میں آپ کو آپ کے رب اور آپ سے پہلے گزری ہوئی امتوں کے رب کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا آپ کو واقعی اللہ رب العزت نے تمام ابنائے آدم کی طرف نبی اور رسول بنا کر بھیجا ہے۔ ارشاد فرمایا: ''اللہ کی قسم! حقیقت یہی ہے۔''

پھر اس نے رمضان کے بارے میں سوال کیا۔ اگلا سوال زکاۃ کے بارے میں تھا: کیا واقعی آپ کو اللہ نے حکم دیا ہے کہ امراء سے زکاۃ لے کر اسے فقراء میں تقسیم کریں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے اثبات میں جواب دیا۔

ضمام بے ساختہ کہنے لگا: آپ جو شریعت لے کر آئے ہیں، میں اس پر ایمان لاتا ہوں۔

صحیح مسلم میں ہے کہ ضمام نے پوچھا: ان بلند و بالا آسمانوں کو کس نے بنایا؟ ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے۔''

اس نے دریافت کیا: یہ زمین کس نے بچھائی ہے؟

ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے۔''

اس نے سوال کیا: ان پہاڑوں کو کس نے نصب کیا ہے؟

آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے۔''



ضمام نے کہا: جس ذات نے آسمانوں کو بلند کیا، زمین کو فرش بنایا، پہاڑوں کو نصب کیا، اس کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا اسی نے آپ کو ہمارے لیے مبعوث کیا ہے؟ یہ سوال بڑا اہم تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ ٹیک لگا کر بیٹھے تھے، آپ نے اپنی ٹیک چھوڑ دی۔ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ چہرۂ اقدس احساس ذمہ داری سے سرخ ہو گیا۔

ارشاد فرمایا: (اَللّٰهُمَّ نَعَمْ) ''اللہ شاہد ہے کہ واقعہ یہی ہے۔''

ضمام نے ارکان اسلام کے بارے میں کچھ سوالات کیے، کلمۂ شہادت پڑھا، مسلمان ہونے کے شرف سے مشرف ہوا اور کہنے لگا: اللہ کی قسم! جو کچھ آپ نے ارشاد فرمایا ہے میں اس میں نہ کمی کروں گا نہ اضافہ۔ پھر وہ مجلس سے اٹھا اور واپس چلا گیا۔ اللہ کے رسول ﷺ اسے شفقت بھری نگاہوں سے واپس جاتا دیکھ رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے اسی عالمِ مسرت میں صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا:

(مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى هٰذَا)

''جو کسی جنتی کو دیکھنا چاہتا ہے، وہ اس شخص ضمام بن ثعلبہ کو دیکھ لے۔''

قارئین کرام! آپ نے اپنے پیارے رسول ﷺ کا اعلیٰ اخلاق ملاحظہ کیا کہ کس طرح آپ نے ایک بدوی کے سوالوں کے جوابات دیے۔ اب دیکھیے کہ اس ساری گفتگو کا نتیجہ کتنا خوبصورت نکلتا ہے!!

ضمام جلد ہی اپنی قوم بنو سعد بن بکر میں واپس پہنچ جاتے ہیں۔ ان کا اصل قبیلہ ہوازن تھا۔ یہ لات اور عزیٰ کی پوجا کرتے تھے۔ قوم نے جب ضمام کو دیکھا تو ان کے استقبال کے لیے جمع ہو گئی۔ ضمام کی ایک

خوبی یہ بھی تھی کہ وہ سچی بات کو بہت عمدہ انداز سے پر اعتماد لہجے میں بیان کرتے تھے۔ پہلی بات جو انھوں نے کہی وہ یہ تھی:

(بِئْسَتِ اللَّاتُ وَالْعُزّٰى)

''کیا ہی برے ہیں لات اور عزیٰ''۔

قوم کے لوگ بولے:

ضمام رک جاؤ۔ یہ ہمارے معبود جس سے ناراض ہو جائیں اسے کوڑھ پن اور جذام میں مبتلا کر دیتے ہیں، سو ان امراض سے ڈرو اور ان کی مخالفت نہ کرو۔ کہنے لگے: (وَيْلَكُمْ) ''تمھارا ستیاناس ہو۔'' (إِنَّهُمَا وَاللّٰهِ لَا يَضُرَّانِ وَلَا يَنْفَعَانِ) ''اللہ کی قسم! یہ دونوں نہ نفع دے سکتے ہیں نہ ہی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔''

''کیا ہی برے ہیں لات اور عزیٰ''۔ اللہ کی قسم! یہ دونوں نہ نفع دے سکتے ہیں نہ ہی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

اللہ رب العزت نے ہماری رہنمائی کے لیے اپنے رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے۔ ان پر اپنی کتاب کو نازل فرمایا: (اِسْتَنْقَذَكُمْ بِهِ مِمَّا كُنْتُمْ فِيهِ) ''تم جس گمراہی میں تھے، اس نے تمھیں اس سے نجات دلائی۔''

(وَإِنِّي أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ)

ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ نے جب کلمۂ شہادت کا اقرار کیا تو شام ہونے تک تمام مرد و خواتین مسلمان ہو چکے تھے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ہم نے اپنی قوم کے لیے ضمام بن ثعلبہ سے بہتر کوئی نمائندہ نہیں دیکھا۔

صحيح البخاري، حديث: 63، و صحيح مسلم، حديث: 12، 14، وسنن أبي داود، حديث: 486، 487، وسنن ابن ماجه، حديث: 1402، و صحيح السيرة لإبراهيم العلي: 502-503، والاستيعاب: 379-380، ومسند أحمد: 264/1، والإصابة: 395/3، ومجموع الفتاوى لابن تيمية: 366/4-368.



51 اخلاق نبوی

معافی نہ ملی تو بھوکا پیاسا جان دے دوں گا!

اس کا نام تو ابوسفیان ہی تھا مگر یہ ابوسفیان بن حرب نہیں بلکہ ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب تھا۔ قریشی اور ہاشمی، اللہ کے رسول ﷺ کا صرف چچازاد بھائی ہی نہیں آپ کا دودھ شریک بھائی بھی تھا۔ اسے بھی سیدہ حلیمہ سعدیہ نے کچھ دن دودھ پلایا تھا۔ اعلان نبوت سے پہلے یہ آپ ﷺ کا نہایت گہرا دوست بھی تھا۔ کسی وقت آپ سے جدا نہ ہوتا تھا مگر جب آپ نے اعلان نبوت کیا تو یہ شخص اللہ کے رسول ﷺ کا شدید دشمن بن گیا۔ اپنے وقت کا بڑا شاعر تھا اور اللہ کے رسول ﷺ کی ہجو میں اشعار کہا کرتا تھا۔

ابوسفیان بن حارث غزوۂ بدر میں شریک ہوتا ہے۔ میدان جنگ سے بھاگتا ہے اور جان بچا کر مکہ مکرمہ پہنچ جاتا ہے۔ مکہ مکرمہ میں جب معرکۂ بدر میں مشرکین کی شکست کی خبر پہنچی تو لوگوں کو یقین نہ آیا۔ ایک دن زمزم کے کنویں کے قریب کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے جن میں ابولہب بڑا نمایاں تھا کہ اچانک کچھ شور ہوا۔ لوگوں نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب آیا ہے۔ لوگ منتظر تھے کہ جنگ کی تفصیلات سے آگاہی ملے، وہ کھڑے ہو گئے۔ اس کے چچا ابولہب نے کہا: بھتیجے میرے پاس آؤ۔ میری عمر کی قسم! تمھارے پاس میدان جنگ کی خبر ہے۔ ابوسفیان ابولہب کے پاس بیٹھ گیا۔ لوگ اردگرد کھڑے ہیں اور ابوسفیان کی بات سننے کے منتظر ہیں۔ ابولہب نے پوچھا: بھتیجے! ذرا بتاؤ لوگوں کا بدر میں کیا حال رہا؟

ابوسفیان کہنے لگا: بس کچھ نہیں چچا۔ ان لوگوں سے ہمارا مقابلہ ہوا۔ ہم نے اپنے کندھے ان کے حوالے کر

52 اخلاق نبوی

قوم کے معزّز شخص کی عزت کرو

سیدنا جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کا تعلق یمن سے تھا اور آپ اپنے قبیلے کے سردار تھے۔ یہ جب یمن سے مدینہ منورہ پہنچے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ ابھی یہ مسجد نبوی میں داخل نہیں ہوئے تھے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو ان کی آمد کی اطلاع ان الفاظ میں دی۔ ارشاد فرمایا:

''اس دروازے یا اس راستے سے تمھارے پاس یمن والوں کا بہترین شخص داخل ہوگا۔''

جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرتے ہیں اور بیعت کا شرف حاصل کرتے ہیں۔

دیے۔ وہ ہمیں جیسے چاہتے قتل کرتے تھے اور جیسے چاہتے قید کرتے تھے۔ اللہ کی قسم! اس کے باوجود میں اپنے لوگوں کو ملامت نہیں کر سکتا۔ دراصل ہمارا مقابلہ کچھ ایسے گورے چٹے لوگوں سے ہوا جو آسمان و زمین کے درمیان چتکبرے گھوڑوں پر سوار تھے۔ اللہ کی قسم! نہ وہ کسی چیز کو چھوڑتے تھے اور نہ کوئی چیز ان کے مقابل ٹھہر سکتی تھی۔ اس پر سیدنا عباس بن عبدالمطلب کے غلام ابو رافع نے کہا کہ اللہ کی قسم! یہ تو فرشتے تھے۔ اس موقع پر ممکن تھا کہ ابوسفیان اسلام کے حوالے سے سوچتا کہ وہ کونسی مخلوق تھی جنھوں نے قریش کو قتل

ابوسفیان بن حارث رسول اللہ ﷺ کا گہرا دوست تھا لیکن اعلان نبوت کے بعد شدید دشمن بن گیا۔

ملاحظہ کیجیے اللہ کے رسول ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کو کہ آپ نے اس سردار قبیلہ کی کس طرح عزت افزائی فرمائی اور انھیں پوشاک پہنائی۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنے ساتھیوں کی تربیت فرمائی: ارشاد ہوا:

(إِذَا أَتَاكُمْ كَرِيمُ قَوْمٍ فَأَكْرِمُوهُ)

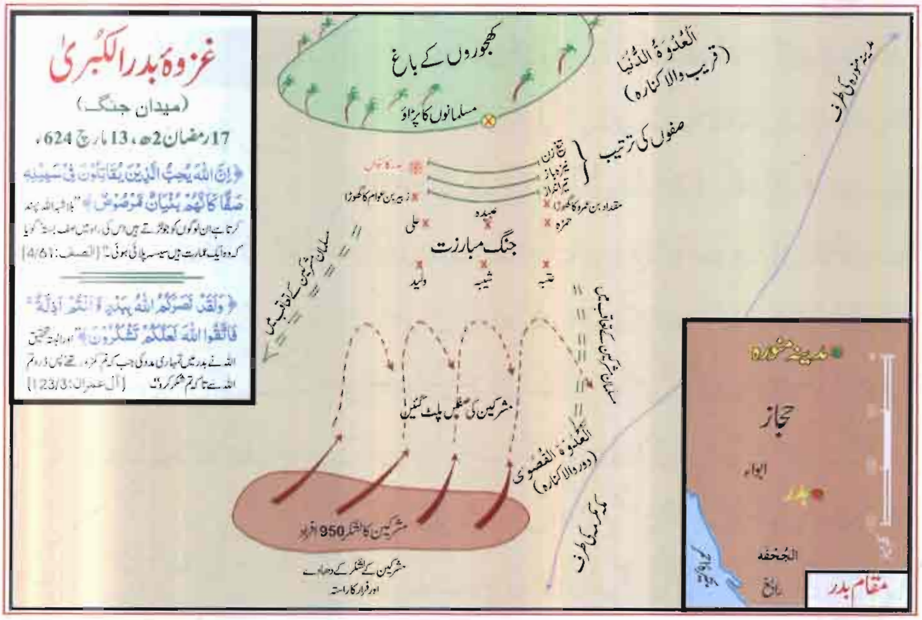
''جب تمھارے پاس کسی قوم کا معزز سردار آئے تو اس کی عزت کیا کرو۔''

ابن سعد کا بیان ہے کہ جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ اکیلے نہیں بلکہ ایک وفد کے ساتھ آئے جس میں ایک سو پچاس افراد شریک تھے۔ سیر أعلام النبلاء: 2/530-536، و سنن ابن ماجه، حديث: 3712، و الطبقات لابن سعد: 1/347.

اور آیئے اس حدیث کو پڑھتے ہیں جس کے راوی سیدنا جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ حدیث کتنی اہم اور بامعنی ہے۔ فرماتے ہیں:

(بَايَعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى إِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ)

''میں نے نماز کے قیام، زکاۃ کی ادائیگی اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنے پر رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی۔'' صحيح البخاري، حديث: 57، و صحيح مسلم، حديث: 56.



کیا اور قریش شکست سے دوچار ہوئے، وہ فرشتے ہی تھے لیکن ابوسفیان کی قسمت میں ابھی کئی سال مزید بھٹکنا تھا۔ ابولہب یہ سن کر آپے سے باہر ہو گیا اور وہ غصے میں آ کر ابورافع کو مارنے لگا۔

ابوسفیان بن حارث جس کا اصل نام سیرت نگاروں نے مغیرہ لکھا ہے، بیس سال اللہ کے رسول کی مخالفت کرتا رہا مگر جب اللہ تعالیٰ ہدایت دینے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو راہیں خود بخود ہموار ہونے لگتی ہیں۔ آنکھوں سے کفر اور شرک کی پٹی اتر جاتی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت دلوں میں گھر کر جاتی ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ آٹھ ہجری دس رمضان المبارک کو دس ہزار صحابۂ کرام کے ساتھ مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ اِدھر ابوسفیان بھی اپنے بیٹے جعفر کے ہمراہ مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوتا ہے۔ گھر والوں نے پوچھا: کہاں جا رہے ہو؟ کہنے لگا: میں رسول اللہ ﷺ کی طرف جا رہا ہوں تا کہ اسلام قبول کر لوں۔

اس شخص نے آپ کو اتنا ستایا تھا کہ آپ نے اس کا خون مباح کر رکھا تھا کہ یہ جہاں پایا جائے، بیشک اسے قتل کر دیا جائے۔

اللہ کے رسول ﷺ مقام ابواء پر پہنچ چکے ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ کی قبر بھی اسی بستی میں ہے۔ اس

بستی میں یہی ابوسفیان بن حارث اپنے بیٹے جعفر کے ہمراہ حاضر خدمت ہوتا ہے اور آپ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن ابوامیہ بھی آ جاتے ہیں۔ان دونوں نے رسول اللہ ﷺ کو بہت زیادہ ستایا تھا۔ یہ بڑے قریبی رشتے دار تھے مگر دونوں ہی زندگی بھر سخت دشمن رہے۔اب یہ دونوں نادم ہیں، اپنے بے شمار جرائم کی معافی چاہتے ہیں۔ان کی خواہش ہے کہ کسی طرح اللہ کے رسول ﷺ سے ملاقات ہو اور آپ سے معافی مانگ لیں۔اللہ کے رسول ﷺ نے شرف باریابی نہ بخشا کیونکہ آپ ﷺ نے ان دونوں سے بہت تکلیفیں اٹھائی تھیں۔

دور جاہلیت کے ایک عرب شاعر طرفہ بن عبد نے ایسے ہی موقع کے لیے کہا تھا:

وَظُلْمُ ذَوِي الْقُرْبَى أَشَدُّ مَضَاضَةً
عَلَى الْمَرْءِ مِنْ وَقْعِ الْحُسَامِ الْمُهَنَّدِ

''قریبی رشتے داروں کے ظلم کی آدمی کو بہت زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ یہ اس کے لیے تیز دھار تلوار کے وار سے بھی زیادہ پریشان کن ہوتا ہے''۔

اس لیے کہ رشتہ دار سے مدد اور تعاون کی امید ہوتی ہے لیکن اگر وہ اس کے بجائے دشمنی پر اتر آئے اور اذیت دینے لگ جائے تو آدمی کو بے حد دکھ ہوتا ہے۔

اس موقع پر ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا ان دونوں کی سفارش کر رہی ہیں۔ان میں عبداللہ بن ابی امیہ ان کے بھائی تھے۔ ہماری یہ اماں جان بہت بڑے باپ کی نہایت سمجھدار بیٹی تھیں۔اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کر رہی ہیں: اللہ کے رسول! ایک آپ کا چچازاد اور دوسرا پھوپھی زاد بھائی ہے، آپ ان سے ملاقات کر لیں۔

ہمارا مقابلہ کچھ ایسے گورے چٹے لوگوں سے ہوا جو آسمان و زمین کے درمیان چتکبرے گھوڑوں پر سوار تھے۔نہ وہ کسی چیز کو چھوڑتے تھے اور نہ کوئی چیز ان کے مقابل ٹھہر سکتی تھی۔

ارشاد فرمایا: ''مجھے ان سے ملنے کی کوئی ضرورت نہیں۔'' سیدہ نے پھر عرض کی: اللہ کے رسول! ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ آپ کے چچازاد بھائی اور پھوپھی زاد بھائی ہی آپ کے ہاں سب سے زیادہ بدبخت ٹھہریں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میرے چچازاد بھائی نے میرے خلاف اشعار کہے۔ پھوپھی زاد بھائی نے مکہ مکرمہ میں کہا تھا: اللہ کی قسم! میں تجھ پر ہرگز ایمان نہیں لاؤں گا اگرچہ تو سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ جائے اور میں اپنی آنکھوں سے تمھیں دیکھ رہا ہوں، اور ایک دستاویز لے کر آسمان سے اترے اور چار فرشتے تیرے ساتھ ہوں جو اس کی بات کی تصدیق کریں کہ اللہ نے تجھے رسول بنا کر بھیجا ہے، پھر بھی میں تجھ پر ایمان نہ لاؤں گا۔

کفار مکہ کے ایسے کفریہ الفاظ قرآن نے یوں ذکر کیے ہیں: ﴿ وَلَن نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرَؤُهُ ﴾ ''اور ہم تیرے (آسمان پر) چڑھنے پر بھی ایمان نہ لائیں گے حتی کہ تو ہم پر ایک کتاب اتار لائے جسے ہم پڑھیں۔''

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا عرض کر رہی ہیں: اللہ کے رسول! جب ان سے بھی بڑے مجرم آپ کے مکارمِ اخلاق سے بہرہ یاب ہوئے تو آپ کے چچازاد اور پھوپھی زاد اس سے کیوں محروم رہیں؟

ادھر ابوسفیان کو جب معلوم ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ اس سے ملنا نہیں چاہتے تو اس نے آپ کو پیغام بھیجا: اگر آپ نے مجھے اپنی خدمت میں حاضری کی اجازت نہ دی تو میں اپنے ننھے سے بیٹے جعفر کو ساتھ لے کر صحرا میں نکل جاؤں گا اور وہاں بھوکا پیاسا جان دے دوں گا۔

اللہ کے رسول ﷺ کو جب ابوسفیان کے الفاظ کی اطلاع ہوئی تو آپ کا خلق عظیم آپ کی دلی رنجش پر غالب آ گیا، آپ کے دل میں رقت پیدا ہوگئی اور آپ نے دونوں کو ملاقات کی اجازت دے دی۔

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی ابوسفیان کے چچازاد تھے۔ اپنوں میں آخر محبت تو ہوتی ہے نا...... انھوں نے اسے سکھایا: دیکھو جب تم رسول اللہ ﷺ کے سامنے جاؤ تو وہی کہنا جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان سے کہا تھا: ﴿ تَاللَّهِ لَقَدْ ءَاثَرَكَ اللَّهُ عَلَيْنَا وَإِن كُنَّا لَخَاطِئِينَ ﴾

''اللہ کی قسم! اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت بخشی اور یقیناً ہم ہی خطاکار تھے۔'' (یوسف: 91)

ابوسفیان اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ندامت بھرے انداز میں مندرجہ بالا کلمات کہہ رہے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے چچازاد بھائی کے کلمات، ندامت اور ان کی معذرت سنی تو آپ کا دل پسیج گیا۔ آپ ﷺ کے اخلاق کو ملاحظہ کیجیے کہ آپ اس کے جواب میں فرما رہے ہیں:

﴿لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾

''آج تم پر کوئی سرزنش نہیں، اللہ تمھیں بخش دے، وہ ارحم الراحمین ہے۔''

اب اللہ کے رسول ﷺ کا منادی اعلان کر رہا ہے:

(إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ قَدْ رَضِيَ عَنْ أَبِي سُفْيَانَ فَارْضَوْا عَنْهُ)

''اللہ کے رسول ﷺ ابوسفیان سے راضی ہو گئے ہیں، تم سب بھی اس سے راضی ہو جاؤ۔''

ابوسفیان بن حارث شاعر تھا، اس نے اس وقت اشعار پڑھے جن میں اللہ کے رسول ﷺ کے حسنِ اخلاق کی گواہی تھی، کہنے لگے:

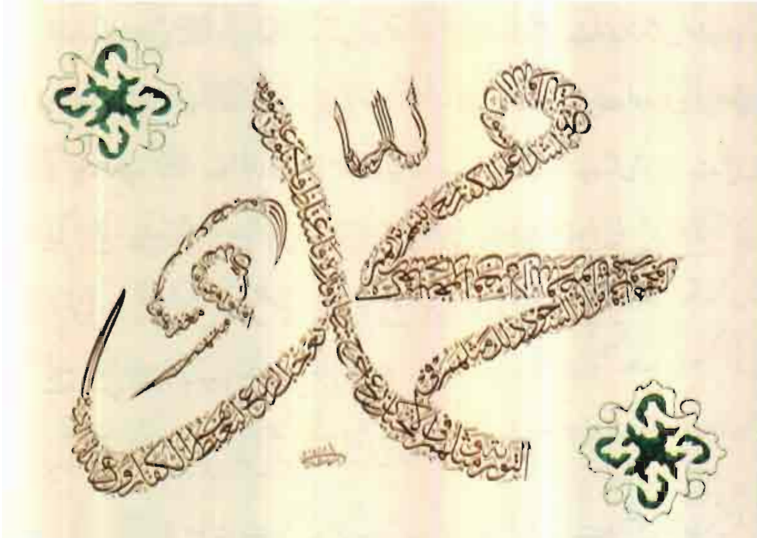
(هَدَانِي هَادٍ غَيْرُ نَفْسِي وَدَلَّنِي عَلَى اللّٰهِ مَنْ طَرَّدْتُ كُلَّ مُطَرَّدِ)

''میں از خود تو ہدایت نہ پا سکا، کسی اور نے مجھے ہدایت کی راہ دکھائی۔ اللہ کا راستہ مجھے اس شخص نے بتایا جسے میں نے ہر موقعے پر بری طرح جھٹک دیا تھا۔''

یہ سن کر اللہ کے رسول ﷺ نے اس کے سینے پر ضرب لگائی اور فرمایا: ''تم نے ہر موقعے پر میری بات ماننے سے انکار ہی کیا تھا۔''

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کا، آپ کی معافی کا اس قدر اثر ہوتا ہے کہ قبولِ اسلام کے بعد ابوسفیان حیا اور خجالت کے سبب اللہ کے رسول ﷺ کے چہرۂ اقدس کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھ پاتے تھے۔ غزوۂ حنین کے موقع پر یہی ابوسفیان رضی اللہ عنہ تھے جنھوں نے نہایت نازک وقت میں آپ ﷺ کے خچر کی لگام پکڑ رکھی تھی۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے ان کو جنت کی بشارت بھی دی تھی۔

الرحيق المختوم :244، والسيرة النبوية للصلابي 71،70/2، والسيرة النبوية لابن هشام: 647-646/2.



54 اخلاق نبوی

گھر میں آکر گالی دینے والوں کے لیے بھی معافی

قارئین کرام! میں اپنی زندگی کا وہ دن کبھی نہیں بھولا جب میں مدینہ طیبہ میں ڈاکٹر یحییٰ ابراہیم الیحییٰ سے ملنے گیا تو انھوں نے مجھ سے ایک سوال کیا۔ کہنے لگے: عبدالمالک! کبھی ایسا ہوا ہے کہ کوئی شخص آپ کے گھر آئے اور آکر آپ سے کہے: عبدالمالک! تم مر جاؤ، تمھارے بچے مر جائیں تو بتائیں آپ کا ردعمل کیا ہوگا؟ میرا جواب تھا: اگر میرے بس میں ہو تو میں اس کا منہ نوچ لوں گا۔ اس کی بات کا جواب بڑے سخت لہجے میں دوں گا۔ میں اس کی اس بات کو کیسے برداشت کر سکتا ہوں؟ میں تو اسے کھڑے کھڑے اپنے گھر سے دھکے دے کر نکال دوں اور اس کو ایسی سناؤں کہ آئندہ اس قسم کی فضول بات کرنے کی جرأت نہ کرے۔

ڈاکٹر یحییٰ فرمانے لگے: آپ کی بات درست ہے۔ واقعی کسی بھی شخص کا یہی ردعمل ہوتا ہے اور ہونا بھی چاہیے۔ انھوں نے اپنا پہلو بدلا اور فرمانے لگے: مگر ہمارے پیارے رسول سید الانبیاء محمد ﷺ کا معاملہ بالکل مختلف تھا۔ آپ ﷺ حد درجہ حلیم اور عفو و درگزر کرنے والے تھے اور برائی کا جواب برائی سے کبھی نہیں دیتے تھے۔ پھر انھوں نے مجھے رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا وہ واقعہ سنایا جو آپ ابھی پڑھنے جا رہے ہیں۔

اس واقعے کو امام بخاری سمیت بہت سے محدثین نے بیان کیا ہے۔ ایک مرتبہ یہودیوں کی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ سے ملنے کے لیے آپ کے گھر آئی۔ انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے کہا:

(اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ) ''آپ پر (معاذ اللہ) موت ہو۔''

ان الفاظ کے ذریعے انہوں نے خبث باطن کا اظہار کرتے ہوئے بیک وقت آپ ﷺ کو موت کی بد دعا بھی دی اور ایک اسلامی شعار (السلام علیکم) کے حروف میں ہیرا پھیری کر کے اس کا مذاق بھی اڑایا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ان کی ہفوات کو سنا تو آپ ناراض ہوئے نہ ان کو برا بھلا کہا اور نہ ان کو اپنے گھر سے فوراً نکلنے کا حکم دیا بلکہ صرف یہ الفاظ کہے: وَعَلَيْكُمْ ''اور تم پر بھی ہو۔''

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی گھر میں موجود تھیں اور یہودیوں کی اس بکواس کو سن رہی تھیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کی توہین برداشت نہ کر سکیں۔ کہنے لگیں:

(اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ وَ لَعَنَكُمُ اللّٰهُ وَ غَضِبَ عَلَيْكُمْ)

''تم پر موت کے ساتھ ساتھ اللہ کی لعنت اور غضب بھی ہو۔''

اللہ کے رسول ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ سنے تو آپ ﷺ نے سیدہ سے فرمایا: ''عائشہ ٹھہر جاؤ! تمھیں نرمی کرنی چاہیے، سختی اور غیر مناسب کلمات سے بچنا چاہیے۔''



سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: (أَوَلَمْ تَسْمَعْ مَاقَالُوا) ''اللہ کے رسول! آپ نے سنا نہیں انھوں نے کیا کہا ہے؟'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عائشہ! (أَوَلَمْ تَسْمَعِي مَاقُلْتُ؟) ''کیا تم نے نہیں سنا، میں نے جواب میں کیا کہا ہے؟'' (رَدَدْتُ عَلَيْهِمْ فَيُسْتَجَابُ لِي فِيهِمْ وَلَا يُسْتَجَابُ لَهُمْ فِيَّ) ''میں نے انھیں جو جواب دیا ہے وہ دعا تو قبول ہو جائے گی اور انھوں نے جو میرے بارے میں کہا وہ قبول نہیں ہوگا۔''

صحیح البخاري، حدیث:6401۔

قارئین کرام! اوپر آپ نے جو واقعہ پڑھا، اس سے آپ کو یہودیوں کی بد باطنی معلوم ہوگئی ہوگی۔ اس قسم کا ایک اور واقعہ بھی حدیث شریف میں ملتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے کہ ایک یہودی آپ کی مجلس میں داخل ہوا اور اس نے آ کر سلام کہا۔ صحابۂ کرام نے اس کا جواب دیا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے پوچھا: (هَلْ تَدْرُونَ مَاقَالَ هٰذَا؟) ''کیا تم جانتے ہو اس نے کیا کہا ہے؟''

(قَالُوا: سَلَّمَ عَلَيْكَ يَارَسُولَ اللّٰهِ) ''کہنے لگے: اللہ کے رسول! اس نے آپ کو سلام کہا ہے۔''

آپ نے ارشاد فرمایا: (قَالَ: سَامٌ عَلَيْكُمْ) ''اس نے کہا ہے: تمھیں موت آئے۔''

صحابۂ کرام نے عرض کی: اللہ کے رسول! آپ نے اس کو کیا جواب دیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے اسے صرف یہی کہا: (وَالسَّامُ عَلَيْكُمْ) ''تم پر بھی موت آئے۔''

قارئین کرام! آپ ﷺ نے امت کو درس اور سبق دیا کہ اہل کتاب تمھیں سلام کہیں تو تم یوں کہو: (عَلَيْكُمْ مَاقُلْتُمْ) ''تمھارے اوپر بھی وہ ہو جو تم نے کہا ہے۔''

اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے گھر میں آ کر گالی دینے والوں کو بھی معاف کر دیا۔ کبھی آپ نے کسی حکمران کو دیکھا ہے جو اتنا عفو و درگزر کرنے والا ہو؟

مسند أحمد:234/3،262، و مسند البزار، حدیث:7097.

مظلوموں کی دادرسی کرنے والا

اللہ کے رسول ﷺ اور قریش میں کشمکش اپنے عروج پر ہے۔ مکہ مکرمہ کی فضا مسلمانوں کے قطعاً حق میں نہیں۔ کمزور مسلمانوں پر ظلم وستم کی انتہا ہو چکی ہے۔ قریش کے بڑے بڑے سرداروں کی زیادتیاں اپنے عروج پر ہیں۔ وہ جسے چاہتے ہیں تنگ کرتے ہیں، پیٹتے ہیں اور لوگوں کا حق مارتے ہیں۔ ان کا سردار ابوجہل تو سب کا سرغنہ ہے۔ لوگوں کو تنگ کرنا، ان کا مال لوٹنا اور حقوق ادا نہ کرنا اس کے لیے عام سی بات تھی۔ انھی ایام میں یمن کے علاقے اراش سے ایک اراشی اپنے اونٹوں کو فروخت کرنے کے لیے مکہ مکرمہ میں آتا ہے۔ ان اونٹوں کو مکہ مکرمہ کے سب سے بڑے چودھری ابوجہل نے خرید لیا ہے۔ اس سے کہا ہے کہ چند دن ٹھہر جاؤ میں تمھارا حق ادا کر دوں گا۔ اراشی کئی دن تک انتظار کرتا رہا۔ اس نے دوبارہ ابوجہل سے کہا: جناب آپ میری رقم کب واپس کریں گے؟ جواب ملا: بس کچھ دن انتظار کرو۔ اس نے سہ بارہ ابوجہل سے کہا: جناب آپ میری رقم کب واپس کریں گے؟ جواب ملا: بس کچھ دن اور انتظار کرو۔ چند دن مزید گزر گئے مگر اس نے رقم نہ ادا کی۔

اراشی جب بھی رقم مانگتا، ابوجہل اسے ڈانٹ دیتا۔

قارئین کرام! قریش کے سرداروں کا دستور تھا کہ جب دن اچھی طرح روشن ہو جاتا تو وہ اپنے گھروں سے نکل کر بیت اللہ کا رخ کرتے۔ خانہ کعبہ کے شمال میں دارالندوہ تھا۔ اس کے اردگرد وہ ٹولیاں بنا کر بیٹھ جاتے۔

اراشی ابوجہل سے مایوس ہو چکا ہے۔ ایک روز وہ دن چڑھے قریش کی ان ٹولیوں کے پاس آ کر دہائی دے رہا ہے۔ وہ قریش کے سرداروں سے اپیل کر رہا ہے کہ کون ہے جو ابوالحکم بن ہشام سے میرا حق لے کر دے۔ میں ایک مسافر ہوں، اس نے مجھ سے اونٹ خریدے ہیں مگر اب میرا حق دینے سے انکاری ہے۔ کون ہے جو میری مدد کرے؟ کون ہے جو ابوالحکم سے میرا حق لے کر دے؟

ابوالحکم نے ان کو دیکھا تو اس پر لرزہ طاری ہو گیا، اس کا رنگ بدل گیا۔ یوں لگتا تھا اس کے جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی نہیں ہے۔

وہ مدد کے لیے پکارتا رہا۔ کفار قریش کی بڑی ٹولی پر سناٹا چھا گیا ہے۔ ابوالحکم جسے اللہ کے رسول ﷺ نے ابوجہل کا لقب دیا تھا، وہ تو مکہ مکرمہ کا سب سے بڑا آدمی ہے۔ کون اس کے منہ لگے؟ کس کی جرأت ہے کہ اس سے مطالبہ کرے۔ اچانک ان میں سے ایک شیطان صفت کو شرارت سوجھی۔ اس نے دیکھا کہ بیت اللہ کے ایک طرف سید ولد آدم محمد ﷺ تشریف فرما ہیں۔ اس نے مزاحیہ انداز میں ان کی طرف اشارہ کیا اور اراشی سے کہنے لگا: کیا تم چاہتے ہو کہ کوئی شخص ابوجہل سے بات کرے اور تمھیں حق لے کر دے؟ وہ کہنے لگا: میں تو ایسے بندے کی تلاش میں ہوں۔ قریشی بولا: تو پھر ان کے پاس چلے جاؤ۔ وہی تمھیں اس سے حق لے کر دے سکتے ہیں۔

اراشی اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہے۔ روشن چہرے والی عظیم شخصیت کو اپنی داستان مظلومیت سنا رہا ہے۔ عرض کر رہا ہے کہ آپ میری مدد کریں اور ابوالحکم سے میرا حق دلا دیں۔

قارئین کرام! اخلاق اسے کہتے ہیں۔ اراشی اجنبی ہے۔ وہ یمن کے دور دراز علاقے سے آیا ہے مگر مدد کے لیے اس شخصیت سے رجوع کرتا ہے جو دوسروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں اور مصیبت میں پھنسے ہوئے لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ وہ شخصیت جن کے بارے میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے خلق عظیم کی گواہی دی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اراشی سے کہا: ''چلو ابوجہل کے پاس چلتے ہیں۔ چلو ابھی میں تمھارا حق لے کر دیتا ہوں۔'' اراشی خوشی خوشی آپ کے ہمراہ چل پڑا۔ ابوالحکم کا گھر صفا مروہ کے قریب ہی تھا۔ بیت اللہ سے زیادہ دور نہ تھا۔

قریش کی ٹولی دیکھ رہی ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس اراشی کے ساتھ چل پڑتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ابوالحکم کے گھر جا رہے ہیں۔ اب مزا آئے گا، ان میں سے ایک گویا ہوا۔ مکہ مکرمہ کے ہر فرد کو خوب معلوم ہے کہ ابوالحکم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کتنا بڑا دشمن ہے اور جب یہ اراشی کا حق طلب کریں گے تو پھر اس کا ردعمل؟ وہ سوچ کر خوش ہو رہے ہیں۔ ایک شخص سے کہا: جلدی سے تم ان کے پیچھے پیچھے جاؤ اور جا کر دیکھو کہ ان کی آپس میں کیا گفتگو ہوتی ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اراشی کو لیے ابوالحکم کے دروازے پر پہنچتے ہیں۔ آپ نے دروازے پر دستک دی ہے۔ اندر سے ابوالحکم کی آواز آئی: کون ہے؟ ''میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، ذرا باہر نکلو۔''



ابوالحکم دروازہ کھول کر باہر نکلا، دروازے پر محمد ﷺ اور اراشی کھڑے ہیں۔ ابوالحکم نے ان کو دیکھا تو اس پر لرزہ طاری ہو گیا، اس کا رنگ بدل گیا۔ یوں لگتا تھا اس کے جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی نہیں ہے۔ اس کا رنگ فق ہے۔ دہشت کے مارے اس پر کپکپی طاری ہوگئی۔ وہ اللہ کے رسول ﷺ سے بغض و عداوت رکھنے کے باوجود جب بھی آپ کو دیکھتا، مرعوب ہو جاتا تھا۔

میں نے بڑا عجیب منظر دیکھا ہے۔ اللہ کی قسم! محمد (ﷺ) نے ابوجہل کا دروازہ کھٹکھٹایا تو وہ فوراً باہر نکلا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کے جسم میں جان ہی نہیں۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: أَعْطِ هٰذَا الرَّجُلَ حَقَّهُ ''اس شخص کا حق ادا کرو۔''

ابوجہل کہنے لگا: اچھا یہیں ٹھہریے، میں ابھی اس کا حق لا کر دیتا ہوں۔

ابوجہل اندر گیا، اونٹوں کی رقم لا کر اراشی کے حوالے کر دی۔

اراشی خوش ہے کہ اسے اس کا حق مل گیا ہے۔ ایک روشن چہرے والی شخصیت نے اس کی مدد کی ہے۔ آپ ﷺ اراشی سے وضاحت کرتے ہوئے فرما رہے ہیں: اَلْحَقْ بِشَأْنِكَ ''اب جا کر اپنا کام کرو۔''

اراشی واپس بیت اللہ کے صحن میں آیا۔ قریش کی ٹولی اسی طرح بیٹھی ہوئی ہے۔ یہ وہی لوگ تھے جن سے اس نے فریاد کی تھی۔ اراشی ان سے مخاطب ہو کر کہہ رہا ہے: اللہ انھیں (یعنی محمد ﷺ کو) جزائے خیر عطا فرمائے۔ اللہ کی قسم! انھوں نے مجھے بڑی آسانی سے میرا حق لے کر دے دیا ہے۔ اراشی اپنے جذبات کا اظہار کر کے اپنے ٹھکانے پر چلا جاتا ہے۔ ادھر قریش پر سکتہ طاری ہے کہ یہ کیا ہو گیا؟ ہم نے تو مذاق کیا تھا۔ اسی دوران وہ شخص بھی واپس آ گیا جسے کفار قریش نے آپ ﷺ کا تعاقب کرنے اور خبر معلوم کرنے بھیجا تھا۔

کہنے لگے: تجھ پر افسوس! تو نے کیا دیکھا؟

وہ شخص کہنے لگا: میں نے بڑا عجیب وغریب منظر دیکھا ہے۔ اللہ کی قسم! محمد ﷺ نے ابوجہل کا دروازہ کھٹکھٹایا تو وہ فوراً باہر نکلا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کے جسم میں جان ہی نہیں۔ محمد ﷺ نے اس سے کہا: اس شخص کا حق ادا کرو۔ ابوجہل کہنے لگا: آپ یہیں ٹھہریں، میں ابھی لا کر دیتا ہوں۔ پھر وہ اندر گیا اور رقم لا کر اس کے حوالے کر دی۔

ابھی یہ گفتگو جاری تھی کہ ابوجہل بھی وہاں پہنچ گیا۔ کفار قریش نے کہا: تجھ پر افسوس! تجھے کیا ہو گیا؟ اللہ کی قسم! ہم نے تجھے کبھی اس طرح کرتے نہیں دیکھا۔ ہم نے تو اس اراشی کو محمد ﷺ کے پاس بغرض مذاق بھیجا تھا۔

ابوجہل کہنے لگا: تم پر افسوس! مجھے چھوڑ دو۔ اللہ کی قسم! جب محمد ﷺ نے میرا دروازہ کھٹکھٹایا اور میں نے ان کی آواز سنی تو میں شدید مرعوب ہو گیا۔ باہر نکلا تو میں نے دیکھا کہ ان کے سر کے اوپر ایک طاقتور اونٹ تھا۔ میں نے اس جیسی کھوپڑی، موٹی گردن اور کچلیاں کسی اونٹ کی نہیں دیکھیں۔ اس نے اپنا جبڑا کھول رکھا تھا۔ اللہ کی قسم! اگر میں انکار کر دیتا تو وہ اونٹ مجھے چبا ڈالتا، اس لیے میں نے اس شخص کا حق دے دیا۔

اللہ کی قسم! اگر میں انکار کر دیتا تو وہ اونٹ مجھے چبا ڈالتا، اس لیے میں نے اس شخص کا حق دے دیا۔

قارئین کرام! ابوجہل کی بات سن کر حسب عادت کفار قریش نے اسے جادو کا حصہ کہہ کر اپنی خفت مٹانے کی ناکام کوشش کی۔ دراصل یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب کی خاص مدد فرمائی۔ مگر اللہ کے رسول ﷺ کے اخلاق عالیہ کو دیکھیے کہ آپ ﷺ فوراً اس اراشی کی مدد کے لیے نہ صرف تیار ہو گئے بلکہ اس کے ساتھ اسی وقت روانہ ہو گئے۔ اس طرح آپ ﷺ نے ایک مصیبت زدہ آدمی کی مدد کے لیے اپنے بدترین دشمن کے گھر جا کر اعلیٰ ترین اخلاق کا مظاہرہ فرمایا۔

السيرة النبوية لابن هشام: 389/1، 390، وأنساب الأشراف: 145/1، 146، دلائل النبوة للبيهقي: 193/2، 194.

بیٹا تمہارے کان نے سچ سنا

غزوۂ بنو مصطلق 5 ہجری میں ہوا۔ مدینہ طیبہ سے مغرب کی طرف قدید کے علاقے میں ساحل سمندر کے قریب یہ قبیلہ ایک چشمے ''مُریسیع'' کے پاس رہتا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ سات سو صحابۂ کرام کے ساتھ مدینہ طیبہ سے نکلتے ہیں۔ بنو مصطلق دراصل بنو خزاعہ کی ایک شاخ تھے۔ غزوۂ احد میں انھوں نے قریش مکہ کا ساتھ دیا تھا۔ اس غزوہ میں بدقسمتی سے منافقین کی ایک جماعت عبداللہ بن ابی کی قیادت میں شامل ہوگئی۔ مسلمانوں نے یہ جنگ بڑی آسانی سے جیت لی، منافقین کو اس سے شدید رنج پہنچا۔ ان کی خواہش یہ تھی کہ مسلمان شکست کھا جائیں تاکہ ان کے سینے ٹھنڈے ہوں۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی تو منافقین نے مہاجرین اور انصار کے درمیان جاہلی تعصب کو ہوا دینے کی کوشش کی۔

ہوا یوں کہ ایک مہاجر اور ایک انصاری کے درمیان اپنے جانوروں کو پانی پلانے پر جھگڑا ہو گیا۔ مہاجر نے انصاری کو لات ماردی۔

انصاری نے دہائی دی: ہائے انصار۔ مہاجر نے بھی پکارا: ہائے مہاجرین۔ دونوں طرف سے لوگ اکٹھے ہوگئے۔ شرارت پسند لوگوں نے اس چھوٹی سی بات کا تبنگڑ بنانا چاہا۔

اِدھر اللہ کے رسول ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ موقع پر پہنچ گئے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (مَا بَالُ دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ) ''یہ جاہلیت کی پکار کیا ہے؟'' لوگوں نے بتایا کہ ایک مہاجر نے کسی انصاری کو لات مار

دی ہے۔ارشادفرمایا: (دَعُوهَا فَإِنَّهَا مُنْتِنَةٌ) ''اسے چھوڑو، یہ بدبودار بات ہے۔''لوگ اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھتے ہی ٹھنڈے ہو گئے۔اپنی گردنوں کو جھکا دیا اور اپنے خیموں میں واپس چلے گئے۔

ادھر منافقین کو بڑی تکلیف تھی کہ مسلمانوں نے آپس میں جھگڑا کیوں نہیں کیا۔ جہاں تک رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کا تعلق تھا، وہ تو غصے میں آپے سے باہر ہو رہا تھا۔اس نے کہا: کیا واقعی مہاجر نے ایک انصاری کو لات ماری ہے؟ اللہ کی قسم! ہم مدینہ طیبہ لوٹیں گے تو ہم میں سے عزت والا ذلیل کو نکال باہر کرے گا۔

عبداللہ بن ابی کی اس بکواس کو چھوٹی عمر کا ایک لڑکا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سن رہا تھا۔اس نے عبداللہ کی یہ باتیں اپنے چچا کو بتا دیں کہ میں نے ایسا سنا ہے۔اس کے چچا نے یہ باتیں اللہ کے رسول ﷺ کو پہنچا دیں۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے، انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجیے، میں اس منافق کی گردن اتار دوں۔اور دوسری روایت کے مطابق سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! عباد بن بشر کو حکم دیجیے کہ جا کر اسے قتل کر دے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے اخلاق کو دیکھیے کہ آپ نے فتنہ وفساد کو ختم کرتے ہوئے فرمایا:



(دَعْهُ، لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ)

''اسے چھوڑ دو عمر! لوگ یہ نہ کہیں: محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے۔''

ادھر عبداللہ بن ابی کو معلوم ہوا کہ زید بن ارقم نے جو باتیں سنی ہیں وہ اللہ کے رسول ﷺ کو پہنچا دی گئی ہیں تو وہ دوڑا



دوڑا آیا۔ قسمیں کھانے لگا کہ زید نے جو باتیں آپ کو بتائی ہیں، میں نے ہرگز نہیں کہی ہیں۔ ایسی کوئی بات تو سرے سے ہوئی ہی نہیں۔ زید تو ابھی بچہ ہے۔ بعض صحابۂ کرام نے بھی عرض کی کہ ممکن ہے لڑکے کو سننے میں غلطی لگی ہو۔ دیکھیے یہ بدترین منافق قسمیں کھا کر اللہ کے رسول ﷺ کو اپنی سچائی کا یقین دلا رہا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کو بلوا بھیجا اور پوچھا کہ ''زید! تم نے یہ باتیں خود سنی ہیں؟'' انھوں نے تصدیق کی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے عبداللہ بن ابی کے ساتھیوں کو بلا بھیجا۔ ان سے پوچھا تو انھوں نے قسم کھائی کہ عبداللہ نے ایسا کچھ نہیں کہا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کی قسموں کا اعتبار کرتے ہوئے انھیں جانے دیا۔

زید کہتے ہیں: مجھے اس سے اتنا شدید صدمہ ہوا کہ کبھی نہ ہوا تھا۔ میں گھر میں بیٹھ گیا۔ چچا نے کہا: کیا تم نے یہی چاہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ تمھیں جھٹلاتے اور تم سے ناراض ہوتے؟

ادھر اللہ رب العزت کی رحمت کو جوش آیا۔ قرآن کریم کی سورۃ المنافقون میں آیات نازل فرمادی گئیں جس میں منافقوں کے کردار کو واضح کر کے بتایا گیا کہ وہ جھوٹے ہیں۔ ان آیات میں واضح طور پر

زید بن ارقم کی صداقت بیان کی گئی تھی۔ اللہ کے رسول ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کو ملاحظہ کیجیے کہ آپ نے اپنے ایک ساتھی کو حکم دیا: ”جاؤ اور زید بن ارقم کو بلا کر لاؤ۔“ وہ زید رضی اللہ عنہ جو گھر میں پریشان حال بیٹھا ہے، اسے پیغام ملتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمھیں یاد فرما رہے ہیں۔ وہ جلدی سے آپ ﷺ کی خدمت عالیہ میں پہنچتے ہیں۔ ہمیشہ مسکرانے والی، روشن چہرے والی شخصیت نے اپنے چھوٹے سے صحابی کو تسلی دی، اسے تھپکی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: (إِنَّ اللّٰهَ قَدْ صَدَّقَكَ يَا زَيْدُ!) ”اے زید! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمھیں سچا قرار دیا ہے۔“ ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں: اللہ کے رسول ﷺ نے زید کو محبت اور پیار کے ساتھ کان سے پکڑا اور ارشاد فرمایا: (هٰذَا الَّذِي أَوْفَى اللّٰهُ بِأُذُنِهِ) ”یہی ہے وہ جس کے کان سنی بات کو اللہ تعالیٰ نے سچ قرار دیا ہے۔“

قارئین کرام! ذرا اپنے پیارے رسول سید ولد آدم ﷺ کے اخلاق کو ملاحظہ کیجیے کہ آپ نے قرآن کریم کی آیات نازل ہونے اور عبداللہ بن ابی کا جرم ثابت ہونے کے باوجود اس کے قصور کو نظر انداز کر دیا۔ آپ چاہتے تو صحابۂ کرام کو اشارہ کر دیتے اور وہ اس کی گردن اتار کر آپ کے قدموں میں رکھ دیتے، مگر اعلیٰ اخلاق اسے کہتے ہیں کہ جرم ثابت ہونے کے باوجود معاف کیا جا رہا ہے۔ اب دیکھیے کہ منافقین کے سرغنے سے نرمی برتنے اور درگزر کرنے کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟

ابن ابی کوئی شرارت کرتا تو اس کی قوم کے لوگ بھی اسے ڈانٹ پلاتے اور سرزنش کرتے تھے۔ اب اس کے اپنے ساتھی آپ ﷺ سے اس کے قتل کی اجازت مانگتے لیکن آپ ﷺ درگزر فرماتے رہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک مرتبہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: ”عمر! اب بتاؤ، اللہ کی قسم! اگر میں اس روز اسے قتل کرا دیتا جب تم نے کہا تھا تو اس کی قوم کے لوگوں کے لیے اسے ہضم کرنا خاصا مشکل ہو جاتا۔ آج کیفیت یہ ہے کہ اگر میں اس کے قتل کا حکم دوں تو وہ خود اسے قتل کر دیں گے۔“

اس پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کی قسم! مجھے معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان میری بات سے کہیں زیادہ بابرکت ہے۔

صحيح البخاري، حديث: 4900،3518، و صحيح مسلم، حديث: 2584، جامع الترمذي: 3312، والرحيق المختوم: 340، 341، والسيرة النبوية لابن هشام: 3/303، 306.



56 اخلاقِ نبوی

میں مال کے لیے تو مسلمان نہیں ہوا

اللہ کے رسول ﷺ کی بے شمار خوبیوں میں ایک خوبی یہ ہے کہ آپ عام شخص کو بھی بڑی اہمیت دیتے۔ اس سے اعلیٰ اخلاق سے پیش آتے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ خیبر کے میدان میں موجود ہیں۔ یہودیوں سے جنگ جاری ہے۔ اس علاقے میں یہودیوں کے کئی قلعے تھے جنھیں مسلمانوں نے یکے بعد دیگرے فتح کیا۔ اسی دوران میں ایک بدو اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرتا ہے اور ایمان لے آتا ہے۔ اسلام لاتے ہی اسے صحابئ رسول ﷺ بننے کا شرف حاصل ہو گیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کتنے متواضع ہیں کہ آپ ہر چھوٹے بڑے کا خیال رکھتے ہیں، خواہ وہ قدیم الاسلام ہے یا اس نے نیا نیا اسلام قبول کیا ہے۔ اس بدوی نے ایک سوال کیا: اللہ کے رسول! کیا میں آپ کے ساتھ مہاجر بن کر رہ سکتا ہوں؟ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہاں کیوں نہیں؟'' اور اپنے ساتھیوں سے فرمایا: ''اس کا خیال رکھنا۔'' ادھر قلعے فتح ہو رہے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ کو ایک قلعے کی فتح سے غنیمت کا کچھ مال حاصل ہوا جسے آپ نے اپنے صحابہ میں تقسیم کر دیا۔

ہزار بار قربان جایئے آپ ﷺ کے اخلاق پر کہ جہاں دیگر مجاہدین کو حصہ دیا وہاں اس مالِ غنیمت سے اس نئے بدو مسلمان کا حصہ بھی نکالا۔ جنگ میں ہر شخص اپنے حصے کا کام کرتا ہے۔ یہ بدو اس روز مسلمانوں کے مویشی چرانے کے لیے گیا ہوا تھا۔ واپس آیا تو صحابۂ کرام نے اس کا حصہ اس کے سپرد کرتے ہوئے کہا کہ یہ تمھارا حصہ ہے۔ اس نے سوال کیا: یہ کیا ہے؟ ساتھیوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے تیرا حصہ دیا ہے۔

بدو نے اپنا حصہ اٹھایا اور اللہ کے رسول کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: اللہ کے رسول ﷺ یہ کیا ہے؟

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں نے مال غنیمت کی تقسیم میں سے تیرا بھی حصہ نکالا ہے۔''

اس بدوی کے ایمان کو دیکھیے، عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ! میں نے آپ کی اتباع اس لیے تو نہیں کی تھی کہ مجھے مال و متاع ملے، مال غنیمت ملے۔ اپنے حلق کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا: میں نے تو آپ کا ساتھ اس لیے دیا تھا کہ یہاں تیر لگے اور میں شہید ہو کر جنت میں چلا جاؤں۔

اپنے حلق کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا: میں نے تو آپ کا ساتھ اس لیے دیا تھا کہ یہاں تیر لگے اور میں شہید ہو کر جنت میں چلا جاؤں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: (إِنْ تَصْدُقِ اللّٰهَ يَصْدُقْكَ) ''اگر تم اللہ تعالیٰ سے صدق دل سے اس کا مطالبہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ اسے بھی سچ کر دکھائے گا۔'' مراد یہ ہے کہ تمھاری شہادت کی نیت ہے تو وہ پوری ہو جائے گی۔

تھوڑی دیر بعد دشمن کے ساتھ لڑائی شروع ہوئی تو بدوی بھی لڑنے کے لیے میدان جنگ میں پہنچ گیا۔ اس دوران اسے کوئی تیر لگا یا دشمن سے مقابلہ ہوا جس کے دوران میں وہ شہید ہو گیا۔ یہ ایک عام سا دیہاتی تھا مگر اس کی شان دیکھیے اور رسول اللہ ﷺ کی اپنے ساتھیوں کے ساتھ محبت ملاحظہ



کیجیے کہ اس کی میت اٹھا کر اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں پیش کی گئی ہے۔

آپ ﷺ نے اپنے اس نومسلم ساتھی کو پہچان لیا ہے۔ صحابۂ کرام سے فرما رہے ہیں: (أَهُوَ هُوَ؟) ''یہ وہی ہے نا۔'' صحابۂ کرام نے عرض کی: ہاں، اللہ کے رسول! یہ وہی ہے جس نے چند دن پہلے اسلام قبول کیا تھا۔

قارئین کرام! اب ذرا اپنے پیارے رسول ﷺ، اپنے ہادی اور مرشد اعظم کے اخلاق کو دیکھیے۔ ارشاد فرمایا: (صَدَقَ اللّٰهَ فَصَدَقَهُ) ''اُس کا جذبہ صادق تھا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اسے سچا کر دکھایا۔ اسے شہادت نصیب کر دی۔''

پھر اپنے اس نئے ساتھی کو یہ اعزاز دیا کہ اسے اپنی مبارک چادر میں کفن دیا۔ اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ آسمانوں کی طرف ہاتھ اٹھائے اور اس کے لیے دعا فرمائی: (اَللّٰهُمَّ هٰذَا عَبْدُكَ) ''اللہ! یہ تیرا بندہ (خَرَجَ مُهَاجِرًا فِي سَبِيلِكَ) اس نے تیری راہ میں ہجرت کی (فَقُتِلَ شَهِيدًا) یہ شہید ہو گیا ہے (وَأَنَا عَلَيْهِ شَهِيدٌ) اور میں اس پر گواہ ہوں۔'' مراد یہ ہے کہ یہ تیری رضا کے لیے میدان جنگ میں آیا اور تیری خاطر شہید ہوا، اسے تو بخش دے۔

سنن النسائي، حديث: 1955، والسيرة النبوية للصلابي: 442/2.

مجھے جنگ شروع ہونے سے پہلے بدلہ چاہیے

مسلمان غزوۂ بدر کے لیے مدینہ طیبہ سے چلے تو ان کی تعداد صرف 313 تھی۔ کافروں کی تعداد ایک ہزار تھی۔ گویا مسلمانوں کی تعداد کافروں کی تعداد کا صرف تیسرا حصہ تھی۔ اس جنگ کی ایک خوبی یہ تھی کہ سالارِ اعظم ﷺ خود جنگ کے لیے صف بندی فرما رہے تھے تاکہ صفیں سیدھی اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح مضبوط ہو جائیں۔

آپ ﷺ صحابۂ کرام کو جنگ کے لیے تیار کر رہے ہیں، انھیں جنگ میں شجاعت پر ابھار رہے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کے ہاتھ میں کھجور کی ایک ٹہنی ہے، آپ اسے چھوٹی سی لاٹھی کہہ لیں۔ ایک روایت کے مطابق یہ بغیر پر کے تیر تھا جس سے آپ مجاہدین کی صفیں درست فرما رہے تھے۔ سواد بن غزیہ رضی اللہ عنہ ایک انصاری صحابی صف سے کچھ آگے بڑھے ہوئے تھے۔

آپ ﷺ سواد رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے، اس کے پیٹ پر تیر کا دباؤ ڈالتے ہوئے فرمایا: ''سواد! صف برابر کرو۔''

رسول اللہ ﷺ صحابۂ کرام کو حکم دے رہے ہیں کہ برابر ہو جاؤ، سیدھے ہو جاؤ۔ سواد رضی اللہ عنہ کو بھی حکم دیا کہ سواد صف سے آگے نہ بڑھو، برابر ہو جاؤ۔ سواد نے ممکن ہے آپ کا حکم نہ سنا ہو۔ ہوسکتا ہے شوقِ جہاد یا ذوقِ شہادت میں صف سے آگے

بڑھ کر کھڑے ہوں۔ آپ ﷺ اس کے پاس تشریف لائے، اس کے پیٹ پر تیر کا دباؤ ڈالتے ہوئے فرمایا:

''سواد! صف برابر کرو۔''

سواد رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول ﷺ کی طرف دیکھا اور ایک عجیب بات کہی: اللہ کے رسول! آپ سب سے زیادہ عدل وانصاف کرنے والے ہیں۔ آپ نے اپنے تیر سے میرے پیٹ کو دبایا ہے۔ یہ میرے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ مجھے اس زیادتی کا بدلہ چاہیے۔

قارئین کرام! آگے بڑھنے سے پہلے ذرا غور کریں کہ میدانِ کارزار ہے۔ سامنے دشمن کھڑا ہے۔ لڑائی شروع ہونے والی ہے۔ دشمن آپ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ اِدھر ایک سپاہی اپنے کمانڈر اور اپنے قائد سے ''بدلے'' کا مطالبہ کر رہا ہے۔ سواد بن غزیہ رضی اللہ عنہ بڑا عجیب اور انوکھا مطالبہ کر رہا ہے۔ صحابۂ کرام سناٹے میں آ گئے۔ کوئی اور کمانڈر ہوتا تو اسی وقت اس کا کورٹ مارشل کر دیتا۔ ممکن ہے قتل کروا دیتا یا جیل میں ڈالنے کا حکم دے دیتا۔ اپنے سپہ سالار کے ساتھ اس قسم کی گستاخی کوئی بھی برداشت نہیں کر سکتا۔

یہاں مگر وہ شخصیت سامنے کھڑی ہے جو اخلاق کے بلند ترین مقام پر فائز ہے۔ ان جیسا انصاف پرور چشم فلک نے کبھی نہیں دیکھا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے سواد رضی اللہ عنہ کا مطالبہ سنا تو فوراً اپنے آپ کو بدلے کے لیے پیش کر دیا۔

وہی کھجور کی ٹہنی اس کے ہاتھ میں دے دی اور فرمایا: ''جس طرح میں نے تمھارے پیٹ میں اسے چبھویا تھا، تم بھی اسی طرح چبھو کر مجھ سے بدلہ لے لو۔'' صحابی کہتا ہے: اللہ کے رسول! جب آپ نے میرے پیٹ میں ٹہنی کو چبھویا تھا، میرا پیٹ ننگا تھا۔ آپ بھی قمیص ہٹایئے تاکہ میں صحیح طور پر بدلہ لے سکوں۔

قارئین کرام! پھر ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اپنے پیٹ سے کرتا ہٹا دیتے ہیں۔ سیدنا سواد بن غزیہ رضی اللہ عنہ نے شکم مبارک کو دیکھا تو اس سے چمٹ گئے۔ وہ بار بار شکم مبارک کے بوسے لے رہے ہیں۔



اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: (مَا حَمَلَكَ عَلَى هٰذَا يَا سَوادُ؟) ''سواد! اس حرکت پر تمھیں کس چیز نے آمادہ کیا؟''

عرض کیا: اللہ کے رسول! حالات آپ کے سامنے ہیں۔ ہم یہاں لڑائی کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ کون جانتا ہے کہ اس کے نتائج کیا نکلیں۔ ہوسکتا ہے کہ میں شہید ہو جاؤں۔ موت سامنے ہے۔ میری تمنا ہوئی کہ اس آخری وقت میں میرے جسم کی جلد آپ کی طاہر اور مطہر جلد سے چھو جائے۔ میرے لیے سعادت ہے کہ دشمن سے ملاقات سے پہلے میرے جسم کو آپ کے مبارک جسم سے چھونے کی برکت حاصل ہو جائے۔

اللہ کے رسول ﷺ اپنے پیارے ساتھی کا جذبہ، اس کا شوق، اس کی محبت ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ آپ سواد کے اس عمل کو تحسین کی نظر سے دیکھ رہے ہیں۔

قارئین کرام! آپ ﷺ نے سواد رضی اللہ عنہ کے حق میں بہت ساری دعائیں فرمائیں اور پھر اللہ کے رسول ﷺ کی سواد رضی اللہ عنہ کے حق میں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ یہ جنگ میں نہ صرف غازی بنتے ہیں بلکہ بنو مخزوم کے مشہور شہسوار خالد بن ہشام کو قیدی بنانے میں بھی کامیاب ہوتے ہیں۔

الإصابة:180/3، وأسد الغابة:590/2، والاستيعاب:345.

گھبراؤ نہیں! میں دنیا و آخرت میں ان کا سرپرست ہوں

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ معرکہ موتہ میں شہید ہوئے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو طیار کا لقب دیا۔ ان کی شادی سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے ہوئی تھی۔ ان کے چھوٹے چھوٹے دو بچے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی ان کی شہادت کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لے گئے۔ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ((ائْتِينِي بِبَنِي جَعْفَرٍ)) ''جعفر کے بچوں کو میرے پاس لاؤ۔'' بچوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ آپ کے اعلیٰ اخلاق کو دیکھیے کہ آپ اپنے چچازاد بھائی کے بچوں کو سینے سے لگاتے ہیں۔ اپنی ناک مبارک کو پیار سے ان کے گالوں سے لگایا۔ انھیں بوسہ دیا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ اس رؤوف ورحیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے ہیں۔

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا پاس کھڑی ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتی ہیں کہ آپ کے پاس جعفر اور ان کے ساتھیوں کے متعلق کوئی خبر آئی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((أُصِيبُوا هٰذَا الْيَوْمَ)) ''وہ آج شہید ہو گئے ہیں۔''

عورت کے لیے شوہر کا مقام و مرتبہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ وفا اور محبت فطری امر ہے۔ اسماء رضی اللہ عنہا کا سہاگ اجڑ گیا ہے۔ وہ رونے لگیں۔

اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو سبق دیا کہ اگر کسی کے قریبی رشتے دار کا انتقال ہو جائے تو



اس کی دلجوئی کریں۔ پس ماندگان کے ساتھ غم خواری کا اظہار کریں، ان کو تسلی دیں۔ ان کے لیے کھانا تیار کریں، ان سے تعزیت کریں۔ اس لیے آپ ﷺ نے صحابۂ کرام سے فرمایا:

(لَا تُغْفِلُوا آلَ جَعْفَرٍ مِنْ أَنْ تَصْنَعُوا لَهُمْ طَعَامًا) ''جعفر کے اہل خانہ کے لیے کھانا تیار کرنے میں غفلت نہ کرنا، (فَإِنَّهُمْ قَدْ شُغِلُوا بِأَمْرِ صَاحِبِهِمْ) ''وہ سب جعفر کے صدمے سے نڈھال ہیں۔''

اللہ کے رسول ﷺ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کو تسلی دے رہے ہیں، فرمایا:

(لَا تَبْكُوا عَلَى أَخِي بَعْدَ الْيَوْمِ اُدْعُوا لِي بَنِي أَخِي)

''میرے بھتیجوں کو میرے پاس لاؤ اور دیکھو آج کے بعد میرے بھائی پر رونا نہیں۔''

واضح رہے کہ آپ نے ان کو صبر کی تلقین کی ہے، ورنہ میت پر آنسو بہانا یا رونا فطری بات ہے۔ اسلام اس سے منع نہیں کرتا۔ ہاں کوئی شخص واویلا کرے، کپڑے پھاڑے اور جاہلیت کی باتیں کرے تو وہ منع اور حرام ہیں۔

نبی کریم ﷺ کے اخلاق کو ملاحظہ کیجیے کہ آپ دونوں بچوں کو باری باری پیار کر رہے ہیں، ان کا منہ چوم رہے ہیں۔ ان کے بال بڑھے ہوئے تھے۔ آپ نے حجام کو طلب کر کے بچوں کے بال منڈوائے۔ اب دیکھیے، ان بچوں کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ کے کہے ہوئے کلمات تاریخ میں ہمیشہ کے لیے رقم ہو جاتے ہیں۔ سب سے پہلے آپ ''محمد'' کو بلواتے ہیں۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ''یہ تو ہمارے چچا ابو طالب سے ملتا جلتا ہے۔'' پھر عبداللہ کو سینے سے لگایا، ارشاد فرمایا: ''یہ تو صورتاً اور سیرتاً میرے مشابہ ہے۔'' کائنات کی سب سے مشفق شخصیت ننھے سے عبداللہ کا ہاتھ پکڑ کر دعا فرما رہی ہے:

(اَللّٰهُمَّ اخْلُفْ جَعْفَرًا فِي أَهْلِهِ وَ بَارِكْ لِعَبْدِ اللّٰهِ فِي صَفْقَةِ يَمِينِهِ)

''اے اللہ! جعفر کے بعد اس کے گھر والوں کی کفالت فرما اور عبداللہ کی تجارت میں برکت عطا فرما۔''

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ اس دعا کو تین بار دہرا رہے ہیں۔ بچے چھوٹے چھوٹے تھے۔ ان کی عمر اس وقت کم و بیش آٹھ دس سال تھی۔ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کو فطری طور پر محتاجی اور فقیری کا ڈر تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کو بھی تسلی دی اور فرمایا:

(اَلْعَيْلَةَ تَخَافِينَ عَلَيْهِمْ وَأَنَا وَلِيُّهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ)

''کیا تم ان کی محتاجی سے ڈرتی ہو؟ گھبراؤ نہیں! میں دنیا و آخرت میں ان کا سرپرست ہوں۔''

سنن أبي داود: 4192، و مسند أحمد: 370/6،204/1،
و السيرة النبوية لابن هشام: 22/4، 23، والسيرة النبوية للصلابي: 493/2، 494.

یہ تھا اللہ کے پیارے رسول ﷺ کا اخلاق کہ آپ یتیموں کے ماویٰ اور محتاجوں کے ملجا تھے۔ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کو اللہ کے رسول ﷺ نے تجارت میں برکت کی دعا دی تھی۔ انھوں نے نہایت کم عمری میں تجارت شروع کر دی۔ یہ اللہ کے رسول ﷺ کی دعا کی برکت تھی کہ حق تعالیٰ نے ان کی تجارت میں برکت عطا فرمائی۔ وہ عرب کے بڑے مشہور اور کامیاب تاجر ثابت ہوئے۔ اللہ رب العزت نے انھیں بے حد و حساب مال عطا فرمایا۔ یہ اتنے بڑے سخی تھے کہ عربوں کے ہاں سخاوت میں ضرب المثل بن گئے تھے۔



وہ جو اللہ کے رسول ﷺ کو قتل کر دینا چاہتی تھی

خیبر فتح ہو چکا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ ابھی خیبر ہی میں مقیم تھے کہ یہود نے اللہ کے رسول ﷺ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ یہودیوں کے ایک بڑے عالم سلام بن مِشکم کا تعلق بنونضیر سے تھا۔ یہ شخص بہت بڑا تاجر، اپنے قبیلے کا سردار اور تجارتی خزانے کا محافظ تھا۔ اس کی بیوی زینب بنت حارث اور یہ دونوں ہی اسلام کے شدید دشمن تھے۔ ان دونوں کا کردار جاننے کے لیے ہمیں تھوڑا سا پیچھے جانا ہوگا۔

بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قریش کو شکست فاش ہوئی تو ابوسفیان کو اہل مکہ کی قیادت سونپی گئی۔ اس کا سب سے پہلا کام غزوۂ بدر کا انتقام لینا تھا۔ اس نے عہد کیا کہ جب تک وہ غزوۂ بدر کا انتقام نہ لے گا تب تک غسل جنابت کرے گا نہ سر میں تیل ڈالے گا۔ چنانچہ جیسے ہی اسے موقع ملا وہ دوسو سواروں کو ساتھ لے کر مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوا۔

رات کی تاریکی میں اس نے یہودی قبیلہ بنونضیر کے مشہور سردار حیی بن اخطب کے دروازے پر دستک دی لیکن اس نے دروازہ نہ کھولا، پھر وہ بنونضیر ہی کے سردار سلام بن مشکم کے گھر پہنچا جس نے نہ صرف ابوسفیان کا پر جوش استقبال کیا بلکہ پرتکلف دعوت کی، شراب بھی پلائی اور اہل مدینہ طیبہ کے مخفی راز بھی بتائے۔

ابوسفیان نے عہد کیا کہ جب تک وہ غزوۂ بدر کا انتقام نہ لے گا تب تک غسل جنابت کرے گا نہ سر میں تیل ڈالے گا۔

سلام بن مشکم اور اس کی بیوی زینب بنت حارث نے غزوۂ خندق میں بھی یہودیوں کو ورغلانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

غزوۂ خیبر میں زینب کا خاوند سلام بن مشکم شدید بیمار تھا۔ وہ قلعہ النطاۃ میں بستر پر تھا۔ بیماری کی وجہ سے وہ اٹھ نہیں سکتا تھا۔ اس کے باوجود اسلام کی عداوت اسے میدان جنگ میں لے آئی۔ ہر چند کہ اسے یہود نے منع بھی کیا کہ تم بیمار ہو، میدان جنگ میں نہ جاؤ مگر وہ باز نہ آیا، میدان قتال میں پہنچا اور لڑتے ہوئے مارا گیا۔

زینب کے خاوند کے علاوہ اس کا باپ حارث اور چچا یسار بھی میدان جنگ میں قتل ہو جاتے ہیں۔ یہ یہود کے نمایاں اور بہادر لوگوں میں سے تھے۔ زینب کا باپ، چچا اور خاوند جب خیبر میں قتل ہو گئے تو یہ عورت اللہ کے رسول ﷺ سے بدلہ لینے کی ٹھان لیتی ہے۔

اس کو معلوم تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ صدقہ قبول نہیں کرتے مگر ہدیہ قبول کر لیتے ہیں۔ اس نے کہیں سے معلوم کر لیا کہ اللہ کے رسول ﷺ کو بکری کا کونسا حصہ زیادہ مرغوب ہے۔ اسے بتایا گیا کہ آپ کو ''دستی'' کا گوشت زیادہ پسند ہے، چنانچہ اس نے اپنے گھر کی ایک **بکری کو ذبح** کیا۔ بطور خاص ''دستی'' میں خوب زہر ملا دیا۔ باقی بکری کو بھی اس نے زہر آلود کر دیا۔ اس نے زہر کے لیے یہود سے مشورہ کیا تھا کہ کونسا زیادہ سریع الاثر ہوتا ہے، چنانچہ ان کے مشورے کی روشنی میں اس نے زہر آلود بکری کو بھونا۔ جب

سورج غروب ہو گیا تو اللہ کے رسول ﷺ نے مغرب کی نماز ادا کی اور اپنی قیام گاہ پر تشریف لائے۔اس وقت زینب وہاں بیٹھی ہوئی تھی۔آپ نے پوچھا: ''بی بی! کیا چاہتی ہو؟'' کہنے لگی: (أَبَا الْقَاسِمِ هَدِيَّةٌ أَهْدَيْتُهَا لَكَ) ''ابوالقاسم میں آپ کے لیے ہدیہ لے کر آئی ہوں۔''

اللہ کے رسول ﷺ ہدیہ قبول کر لیتے تھے۔آپ ﷺ نے اشارہ کیا اور اس سے ہدیہ وصول کر لیا گیا۔ زہر آلود بکری کو آپ کے سامنے رکھا گیا۔آپ نے وہاں موجود صحابہ سے بھی فرمایا کہ ''قریب ہو جاؤ، رات کا کھانا کھاتے ہیں۔'' کھانا شروع ہوا۔اللہ کے رسول ﷺ نے دستی کے گوشت کو اپنے ہاتھوں میں لیا اور اس میں سے کچھ کھا لیا۔آپ کے ساتھ سیدنا بشر بن براء رضی اللہ عنہما بھی کھانے میں شریک تھے۔انھوں نے لقمہ اٹھا کر کھا لیا۔رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ منہ میں تھا اسے فوراً اُگل دیا۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(ارفَعُوا أَيْدِيكُمْ فَإِنَّ كَتِفَ هَذِهِ الشَّاةِ يُخْبِرُنِي أَنْ قَدْ بُغِيتُ فِيهَا)

''اپنے ہاتھ اٹھا لو۔یہ دستی مجھے بتا رہی ہے کہ وہ زہر آلود ہے۔''

یہ جرم کوئی معمولی جرم نہیں تھا۔اس کے لیے پورے کنبے قبیلے کو گرفتار نہیں کیا گیا۔صرف اس کی ذمہ دار خاتون زینب کو اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔کہنے لگی: میں آپ کو قتل کرنا چاہتی تھی،

خیبر کے علاقے کی ایک تصویر



اس لیے کہ خیبر کی جنگ میں میرا باپ، چچا اور خاوند آپ لوگوں کے ہاتھوں قتل ہو گئے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُسَلِّطَكِ عَلَيَّ) ''اللہ تعالیٰ تجھے مجھ پر طاقت دینے والا نہیں۔'' اس عورت سے آپ ﷺ نے پوچھا: ''تم نے ایسا کیوں کیا؟'' کہنے لگی کہ میں نے ایسا اس لیے کیا کہ اگر آپ نبی برحق ہیں تو آپ کو پتا چل جائے گا کہ اس گوشت میں زہر ہے اور اگر آپ نبی کاذب ہیں تو لوگ آپ سے نجات پا جائیں گے۔

قارئین کرام! یہاں آپ ﷺ کے اخلاق فاضلہ کو ملاحظہ کریں کہ چونکہ آپ نے اپنی ذات کے لیے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا، اس لیے آپ نے کوئی تعرض نہ فرمایا۔ آپ نے اسے کچھ نہیں کہا، نہ سزا دی بلکہ اسے معاف کر دیا، چونکہ زہر کا معمولی حصہ جسم میں سرایت کر چکا تھا، اس لیے آپ ﷺ نے گردن کے پاس اور کمر پر سینگی لگوائی اور دوسرے متأثرین کو بھی سینگی لگوانے کا حکم دیا۔

ساری روایات کا مطالعہ کرنے کے بعد جو خلاصہ نکلتا ہے، اس کے مطابق بکری کا گوشت کھانے میں تین یا چار صحابہ شریک ہوئے۔ ان میں سے صرف بشر بن براء رضی اللہ عنہما نے ہی لقمہ کھایا تھا، اس لیے ان کی تھوڑی دیر بعد ہی وفات ہو گئی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ہاتھ روک لیا تھا۔ وہ زہر انتہائی مہلک تھا۔ اللہ کے رسول بھی رفیق اعلیٰ کے پاس جانے تک اس زہر کی تکلیف محسوس فرماتے رہے۔ امام بخاری اپنی صحیح میں روایت لائے ہیں کہ آپ ﷺ مرض الموت میں فرما رہے تھے: ''عائشہ! میں نے جو کھانا خیبر میں کھایا تھا، اس کی تکلیف برابر محسوس کرتا رہا ہوں۔ اس وقت بھی مجھے ایسے محسوس ہو رہا ہے جیسے اس زہر کی وجہ سے میری شاہ رگ کٹ رہی ہو۔''

جہاں تک زینب بنت حارث کا تعلق ہے تو روایات کے مطابق اس کو اللہ کے رسول ﷺ نے معاف کر دیا تھا، مگر جب بشر بن براء رضی اللہ عنہما اس زہر کے اثر سے وفات پا گئے تو اس عورت کو بشر کے ورثاء کے حوالے کر دیا گیا جنھوں نے اسے قصاص میں قتل کر دیا۔

صحيح البخاري، حديث: 3169، 5777، و صحيح مسلم، حديث: 2190، سنن أبي داود: 4508-4514، والسيرة النبوية للصلابي: 2/450، 452، والبداية و النهاية: 4/432-435، والمغازي للواقدي: 467.

آپ ﷺ خالی ہاتھ ہو کر بھی بے خوف و خطر ہیں

یہ واقعہ جو آپ پڑھنے جا رہے ہیں، اس کے راوی سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں: ہم لوگ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں مدینہ طیبہ کے شمال مشرق میں چار سو صحابہ کے ہمراہ بنو غطفان کے علاقے کی طرف گئے ہوئے تھے۔ اس سفر میں چھ صحابہ ایک اونٹ پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ اس غزوہ کا نام ذات الرقاع تھا۔ بنو غطفان کا عربوں پر بڑا رعب رہا کرتا تھا۔ مگر اللہ کے رسول ﷺ ان پر حملے کے لیے تشریف لے گئے کیونکہ انہوں نے احزاب کے موقع پر مدینہ طیبہ کا محاصرہ کیا تھا اور غزوہ خیبر میں یہود کی مدد کی تھی۔ اب وہ مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے 7 ہجری میں غزوہ خیبر کے فوراً بعد ان کے خلاف پیش قدمی فرمائی۔ بنو غطفان پر اللہ نے اپنے رسول کا رعب طاری کر دیا اور غطفان کے ذیلی قبائل بنو محارب اور بنو ثعلبہ مسلمانوں کی آمد کا سن کر تتر بتر ہو گئے۔ لشکر اسلام جنگی اہداف حاصل کرنے کے بعد جب واپس مدینہ طیبہ جا رہا تھا تو صحابہ کرام بڑے اطمینان سے محو سفر تھے کہ ایک جگہ لشکر پڑاؤ کرتا ہے۔ مجاہدین وادی میں ادھر ادھر پھیل کر درختوں کے نیچے لیٹ گئے، اور جلد ہی اکثر لوگ نیند کی آغوش میں چلے جاتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے بھی ایک درخت کے نیچے پڑاؤ ڈالا اور اپنی تلوار درخت کی شاخ سے لٹکا کر آرام فرمانے لگے۔ انہی قبائل میں سے ایک دیہاتی شخص نے اپنی قوم سے کہا: تم اطمینان رکھو، میں خفیہ طریقے

سے اسلامی لشکر میں داخل ہوتا ہوں اور مسلمانوں کے نبی کو (معاذ اللہ) قتل کر کے واپس آتا ہوں۔

وہ اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لیے نکلا۔ مسلمانوں کو علم نہ تھا کہ کوئی شخص بری نیت سے ان کی طرف آرہا ہے۔ غورث بن حارث نامی یہ مشرک مسلمانوں اور خصوصاً اللہ کے رسول ﷺ کی تلاش میں تھا کہ کب اسے موقع ملے اور وہ اپنا ہدف حاصل کرلے۔ جب اللہ کے رسول ﷺ سو گئے تو یہ مشرک اعرابی آہستہ آہستہ اس درخت کی طرف بڑھا جس کے نیچے آپ ﷺ آرام فرما رہے تھے۔ اس نے آکر سب سے پہلے آپ ﷺ کی لٹکی ہوئی تلوار پر قبضہ کیا۔ اسے میان سے باہر نکالا، فضا میں لہرایا۔ وہ اللہ کے رسول ﷺ کے سر کے قریب تلوار اٹھا کر بلند آواز میں پکارتا ہے:

(أَتَخَافُنِي يَا مُحَمَّدُ!) ''اے محمد! کیا تمہیں مجھ سے ڈر لگ رہا ہے؟ قریب تھا کہ وہ آپ ﷺ کو قتل کر کے بنو غطفان میں ایک بلند مقام حاصل کر لیتا مگر اسے معلوم نہ تھا کہ اس کا واسطہ کسی عام شخص سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول سے ہے، جن کی حفاظت کا وعدہ خود رب العالمین نے کر رکھا ہے:

﴿وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾، اللہ کے رسول ﷺ ذرا بھی نہیں گھبرائے اور نہ ہی آپ کے دل میں کوئی خوف پیدا ہوا۔ آپ نے پورے اعتماد اور اطمینان کے ساتھ فرمایا: (لَا) ''بالکل بھی نہیں''۔

اعرابی حیران و پریشان ہے کہ تلوار تو اس کے ہاتھ میں ہے، رسول کریم ﷺ تو خالی ہاتھ ہیں ان کے پاس اپنے دفاع کے لیے کچھ بھی نہیں، مگر پھر بھی وہ بے خوف وخطر کھڑے ہیں۔ اعرابی نے کہا:

(مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّي). ''آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟'' اس کے ساتھ ہی اس نے تلوار رسول اللہ ﷺ کے سر کے قریب تان لی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے کامل یقین کے ساتھ فرمایا: (اللّٰهُ) ''مجھے تم سے اللہ بچائے گا۔''

اللہ کے رسول ﷺ کی زبان اقدس سے جب اللہ تعالیٰ کا اسم ذات ادا ہوا تو اس کافر پر خوف و رعب طاری ہو گیا، اس کے جسم پر کپکپی طاری ہوگئی۔

قارئین کرام! اس سے پہلے کہ ہم آگے بڑھیں، آپ کو اللہ کے رسول ﷺ کی ایک عظیم صفت یاد کروانا چاہوں گا کہ آپ نے ارشاد فرمایا تھا: (نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ) ''مجھے رعب کے ساتھ مدد دی گئی

ہے۔'' دشمن آپ کو دیکھتا تو اس پر رعب طاری ہو جاتا۔

(فَسَقَطَ السَّيْفُ مِنْ يَدِهِ) ''اس مشرک کے ہاتھ سے تلوار گر پڑتی ہے۔'' اور اب اسے اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھ میں تھام لیا ہے۔ آپ ﷺ نے تلوار کو اس کی طرف بڑھایا اور پوچھا: (الآنَ مَنْ يَّمْنَعُكَ مِنِّي؟) ''یہ بتاؤ کہ اب تمھیں میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟''

صحيح البخاري، حديث:438، و صحيح مسلم، حديث:521.

مشرک کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ وہ نہ تو یہ کہہ سکتا تھا: اللہ، اور نہ ہی وہ اپنے جھوٹے معبودوں کا نام لے سکا، وہ کانپ رہا تھا، کانپتے ہوئے کہنے لگا: کوئی بھی نہیں۔ تلوار تو آپ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ چاہیں تو مجھے قتل کر سکتے ہیں۔ ساتھ ہی کہنے لگا: آپ اگر مجھے قتل نہ کریں اور معاف کر دیں تو: (أُعَاهِدُكَ أَنْ لَّا أُقَاتِلَكَ أَبَدًا) ''میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ کبھی آپ سے لڑائی نہ کروں گا۔'' (وَلَا أَكُونُ مَعَ قَوْمٍ يُقَاتِلُونَكَ) ''اور نہ ہی آپ کے خلاف لڑنے والی قوم کا کبھی ساتھ دوں گا۔''

قارئین کرام! اپنے پیارے رسول ﷺ کا اخلاق ملاحظہ کریں کہ آپ اس پر قابو پا چکے تھے، آپ اسے قتل کر سکتے تھے مگر آپ نے عفوو درگزر سے کام لیا اور فرمایا: ''اسلام قبول کر لو۔'' وہ کہنے لگا: ''میں تو اسلام قبول نہیں کرتا۔'' اس انکار کے باوجود اللہ کے رسول ﷺ نے اسے معاف کر دیا۔ اب وہ اپنی قوم میں جاتا ہے تو لوگوں سے کہتا ہے: (قَدْ جِئْتُكُمْ مِنْ عِنْدِ خَيْرِ النَّاسِ) ''میں تمھارے پاس سب سے بہترین شخصیت کے ہاں سے آیا ہوں۔''[1]



بعض سیرت نگار جن میں ابن اسحاق اور واقدی شامل ہیں، بیان کرتے ہیں کہ وہ شخص مسلمان ہوا۔ اس نے اپنی قوم میں جا کر تبلیغ کی اور اس کی بدولت بہت سارے لوگ مسلمان ہو گئے۔

صحيح البخاري، حديث: 4135، 2913، و صحيح مسلم، حديث: 843، و 5950، و مسند أحمد: 364/3، 365، والسيرة النبوية للصلابي: 249/2، 250.

دیکھیے! میں نے سلمہ کے لیے کیسا رشتہ ڈھونڈا ہے؟!

سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب کی شہادت غزوۂ احد میں ہوئی۔ ان کی اہلیہ کا نام سلمٰی بنت عمیس تھا جن کے بطن سے ایک بیٹی عمارہ پیدا ہوئی۔ جب سلمٰی بنت عمیس کی عدت ختم ہوگئی تو ان کا نکاح شداد بن الہاد اللیثی سے ہوا جو مکہ مکرمہ میں رہتے تھے۔ عمارہ ابھی چھوٹی سی تھیں، اس لیے یہ اپنی والدہ کے ساتھ ہی مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ منتقل ہوگئیں۔ مکہ مکرمہ سے ہر چند کہ مسلمان ہجرت کر کے مدینہ طیبہ یا حبشہ جا چکے تھے، تاہم مکہ مکرمہ میں کچھ ایسے مسلمان گھرانے موجود تھے جو کسی مجبوری کی وجہ سے ہجرت نہ کر سکے تھے۔ ان میں سیدہ سلمٰی بنت عمیس اور ان کی بیٹی عمارہ بنت حمزہ بھی شامل تھیں۔ سیدہ سلمٰی کی اک بہن کا نام اسماء تھا جو اللہ کے رسول ﷺ کے چچا زاد بھائی سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیاہی ہوئی تھیں۔ یہ قدیم الاسلام تھیں اور رسول اللہ ﷺ نے ان بہنوں کے بارے میں فرمایا تھا: (اَلْأَخَوَاتُ الْمُؤْمِنَاتُ) یعنی "مومن بہنیں۔" اس طرح آپ ﷺ نے ان کے مؤمنات ہونے کی شہادت دی تھی۔ صلح حدیبیہ کی شرط کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ بغیر عمرہ کیے مدینہ طیبہ واپس چلے گئے۔

المستدرك للحاكم: 33/4.

ذوالقعدہ 7 ہجری میں آپ عمرہ قضاء کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لائے۔ عمرہ کے بعد آپ تین دن مکہ مکرمہ



ٹھہرے اور جب مدینہ طیبہ واپسی کا ارادہ فرمایا تو سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی عمارہ چچا چچا پکارتے ہوئے آ گئیں۔ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے انھیں پکڑ لیا اور سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اپنے چچا کی بیٹی کو سنبھالو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ کا آپس میں اختلاف ہوتا ہے۔ تینوں میں سے ہر ایک کا یہ کہنا تھا: عمارہ پر میرا حق ہے، لہٰذا یہ میرے گھر میں رہے گی۔ میں ہی اسے مدینہ طیبہ اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا اور اس کی کفالت کریں گے۔

سیدنا حمزہ کی شہادت کے بعد ان کی بیوہ سیدہ سلمٰی بنت عمیس کی شادی شداد بن الہاد اللیثی سے ہوئی اور وہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ نہ جا سکیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا مؤقف تھا کہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے، لہٰذا یہ میرے پاس رہے گی۔

سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ کا مؤقف تھا کہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ اسماء بنت عمیس میرے نکاح میں ہے، لہٰذا یہ میرے ساتھ جائے گی۔

سیدنا زید بن حارثہ اور سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کو رسول

اللہ ﷺ نے آپس میں بھائی بھائی بنا دیا تھا، اس لیے ان کا کہنا تھا کہ یہ میری بھتیجی ہے۔ دیکھا جائے تو تینوں کا مؤقف درست تھا، ہر ایک کی دلیل میں وزن تھا مگر اللہ کے رسول ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کو دیکھیے کہ آپ نے فیصلہ سیدنا جعفر طیار کے حق میں دیا اور فرمایا: (اَلْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْأُمِّ) ''خالہ ماں کی طرح ہوتی ہے۔'' چونکہ جعفر کی بیوی اسماء عمارہ کی خالہ ہے، اس لیے اس کی پرورش اور دیکھ بھال کا حق اسماء رضی اللہ عنہا کو ہے۔

قارئین کرام! یہاں ذرا رک جائیں اور دیکھیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کس طرح اپنے ساتھیوں کی دلجوئی کی۔ ان کو یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ ان کی حوصلہ شکنی ہوئی ہے یا انھیں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ آپ نے سیدنا علی ابن طالب سے فرمایا: (أَنْتَ مِنِّي وَأَنَا مِنْكَ) ''آپ مجھ سے ہیں اور میں آپ سے ہوں۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا نسب، سسرالی رشتہ، سبقت الی الاسلام اور باہمی محبت کے اعتبار سے عظیم مرتبہ واضح ہے۔

سیدنا جعفر بن ابی طالب کی یوں تعریف فرمائی: (أَشْبَهْتَ خَلْقِي وَ خُلُقِي) ''آپ تو سیرت اور صورت میں میرے مشابہ ہیں۔''

سیدنا زید بن حارثہ سے فرمایا: (أَنْتَ أَخُونَا وَمَوْلَانَا) ''تم ہمارے بھائی اور ہمارے دوست ہو''

قارئین کرام! آپ نے غور فرمایا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کس خوبصورت انداز میں ان تینوں کا مقام اور مرتبہ واضح کیا۔ ظاہر بات ہے کہ سیدہ عمارہ رضی اللہ عنہا کی پرورش کا انتظام تو آپ نے کسی ایک ہی کے سپرد کرنا تھا اس موقع پر علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: آپ حمزہ کی بیٹی سے نکاح کر لیجیے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (إِنَّهَا ابْنَةُ أَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ) ''وہ تو میرے دودھ شریک بھائی کی بیٹی ہے۔''

سیدہ عمارہ کی شادی اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے رضاعی بھائی ابوسلمہ اور ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے سلمہ رضی اللہ عنہ سے کی۔ آپ اس شادی سے نہایت خوش اور مطمئن تھے۔ آپ خوشی سے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کرتے: ''دیکھو! میں نے سلمہ کے لیے کیسا ہم پلہ رشتہ ڈھونڈا ہے۔''

صحیح البخاري، حدیث: 4251، و سنن أبي داود: 2280، والبدایة والنهایة: 4/466، 467، والإصابة: 8/184، 185، ومسند أحمد: 1/115.

سردار ابوسفیان بھی اسلام قبول کرتے ہیں

وہ دن اسلامی تاریخ کا ایک انتہائی روشن اور اہم ترین دن تھا جب اللہ کے رسول ﷺ نے دس ہزار صحابہ کے ساتھ مکہ مکرمہ کا رخ کیا۔ اس سفر کے لیے مکمل طور پر راز داری برتی گئی۔ آخری وقت تک کسی کو معلوم نہ تھا کہ آپ ﷺ کس طرف تشریف لے جا رہے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ مسلسل سفر کرتے ہوئے ''مرالظہران'' پہنچے۔ آج کل اس مقام کو ''وادیٔ فاطمہ'' کہا جاتا ہے۔ یہ مقام مکہ مکرمہ سے صرف بائیس کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ مسلمان لشکر نے پڑاؤ ڈالا۔ رات کے وقت آپ نے تمام لشکر کو حکم دیا کہ اپنی اپنی جگہ آگ جلائیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حکم کی تعمیل کی اور آگ کے دس ہزار الاؤ روشن ہو گئے۔

ابوسفیان بن حرب، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء مکہ مکرمہ سے نکل کر مرالظہران کے قرب و جوار میں پہنچ گئے۔ اتنی زیادہ آگ دیکھ کر ابوسفیان اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا ہے کہ جگہ جگہ جلتی ہوئی آگ اور اتنا عظیم لشکر میں نے کبھی نہیں دیکھا۔

بدیل کہنے لگا: اللہ کی قسم! یہ قبیلہ خزاعہ کے لوگ لگتے ہیں جنھوں نے آگ جلا رکھی ہے۔ ابوسفیان بولا: نہیں،



مرالظہران کے نزدیک وادی فاطمہ کے آثار

یہ لشکر بنوخزاعہ کا نہیں ہوسکتا، ان کی تعداد بہت کم ہے۔ اس قدر جلتی ہوئی آگ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لشکر بہت بڑا ہے۔ خزاعہ میں اتنی طاقت نہیں۔

اسے حسن اتفاق کہہ لیں اور اللہ تعالیٰ کی مشیت بھی یہی تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ کے چچا سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بھی اللہ کے رسول ﷺ کے خچر پر بیٹھ کر اپنے کیمپ سے نکل کر اس طرف آ پہنچے جہاں یہ تینوں آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ انھوں نے ابوسفیان کی گفتگو سن کر اسے پہچان لیا۔

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو اس کی کنیت سے آواز دی: ابوحنظلہ؟

ابوسفیان نے بھی سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو پہچان لیا اور کہا: ابوالفضل؟

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں۔

ابوسفیان کہنے لگا: کیا بات ہے؟ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ: ابوسفیان! تمھارا برا ہو، اللہ کے رسول ﷺ قریب ہی ہیں۔ اللہ کی قسم! قریش کی تباہی نظر آ رہی ہے۔

> ”ابوسفیان! تم پر افسوس، کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ تم جان سکو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں؟“

ابوسفیان: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، اب کیا کیا جا سکتا ہے؟

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ: اگر تم مسلمانوں کے ہاتھ لگ گئے تو وہ تمھیں قتل کر دیں گے۔ تم میرے ساتھ خچر پر بیٹھو، میں تمھیں رسول اللہ ﷺ کے پاس لیے چلتا ہوں اور ان سے تمھارے لیے امان طلب کرتا ہوں۔

قارئین کرام! اگر ابوسفیان کے جنگی جرائم کے بارے میں لکھا جائے تو پوری کتاب بن جائے مگر اللہ کے رسول ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کو ملاحظہ کیجیے کہ آپ اپنے سب سے بڑے دشمن کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں؟

ابوسفیان سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ خچر پر سوار ہو کر مسلمان لشکر کے درمیان سے گزرتے ہوئے جا رہے ہیں، جب کسی کیمپ سے یا آگ کے الاؤ کے پاس سے گزرتے تو لوگ کہتے: یہ کون ہے؟ مگر جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کو دیکھتے اور اس پر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو بیٹھے ہوئے دیکھتے تو کہتے: ارے، یہ تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خچر ہے، اس پر آپ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ سوار ہیں۔ تاہم سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو پہچان لیا۔ ان کا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ شدید مکالمہ بھی ہوا۔ وہ بھاگتے ہوئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔



الجموم میں موجود مسجد کے آثار جہاں فتح مکہ کے دن مسلمانوں کا لشکر رکا تھا

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوسفیان کے قتل کی اجازت طلب کر رہے ہیں۔ ادھر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے: میں نے ابوسفیان کو پناہ دی ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "ابوسفیان کو اپنی اقامت گاہ پر لے جاؤ اور اسے کل لے کر آنا۔"

اگلی صبح اسلام کے سب سے بڑے دشمن کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ اللہ کے رسول اس سے فرما رہے ہیں:

"ابوسفیان! تم پر افسوس، کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ تم جان سکو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں؟"

ابوسفیان: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ کتنے بردبار، کتنے کریم اور رشتے داروں کا خیال رکھنے والے ہیں۔ میں اچھی طرح سمجھ چکا ہوں کہ اگر اللہ کے سوا کوئی اور الٰہ ہوتا تو اب تک میرے کام آ گیا ہوتا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں:

(وَيْحَكَ يَا أَبَاسُفْيَانَ! أَلَمْ يَأْنِ لَكَ أَنْ تَعْلَمَ أَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ؟)

''ابوسفیان! تم پر افسوس ہو، کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ تم جان سکو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟''

ابوسفیان: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ کس قدر حلیم، کس قدر کریم اور کس قدر صلہ رحمی کرنے والے ہیں تاہم اس بات کے بارے میں اب بھی میرے دل میں کچھ نہ کچھ کھٹک ہے۔

سیدنا عباس: ابوسفیان تجھ پر افسوس! اس سے پہلے کہ تیری گردن ماردی جائے اسلام قبول کر لے۔

یہ چند لمحات کی بات ہے کہ ابوسفیان اسلام قبول کر لیتے ہیں۔ کلمۂ شہادت پڑھ لیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے بے شمار قصوروں اور جرائم کو معاف کر دیا ہے۔

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول ﷺ سے سفارش کرتے ہیں: اللہ کے رسول! ابوسفیان چودھراہٹ پسند آدمی ہیں انھیں کوئی اعزاز دے دیجیے۔

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ کے اخلاق کو دیکھیے کہ ماضی میں ابوسفیان کی اسلام اور آپ کے ساتھ ہزار دشمنی کے باوجود سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی سفارش قبول فرماتے ہیں۔ ارشاد فرمایا:

(نَعَمْ! مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِي سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ)

''ٹھیک ہے جو شخص ابوسفیان کے ڈیرے میں داخل ہو جائے اسے امان ہے۔''

اس طرح نہ صرف ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول ہوتا ہے بلکہ اسے معافی کے ساتھ ساتھ اعزاز بھی مل جاتا ہے۔ اگر ہم دنیا کے بادشاہوں کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو فاتح اقوام اپنے دشمنوں کو چن چن کر قتل کرتی ہیں۔ وہ ان کا نام ونشان مٹا دیتی ہیں۔ وہ تو ان کے سروں کے مینار بناتے ہیں مگر یہاں تو رحمت ہی رحمت ہے، معافی ہے اور دشمنوں کو بھی گلے لگایا جا رہا ہے۔ دنیا میں اور بھی کوئی ایسا قائد ہو تو سامنے لایا جائے!

البداية والنهاية:4/538،542، والسيرة النبوية لابن هشام:4/43-47، وسير أعلام النبلاء:2/105-107، والاستيعاب:807.

بیت اللہ کی کنجی اصل حقدار کو مل گئی

بیت اللہ کی چابی اللہ کے رسول ﷺ کے جد امجد سردار قُصی نے اپنے بیٹے عبدالدار کے حوالے کی تھی، چنانچہ بنوعبدالدار ہی کنجی بردار چلے آرہے تھے۔ وہ جسے چاہتے کعبہ کے اندر جانے کی اجازت دیتے، جسے چاہتے انکار کر دیتے۔

اللہ کے رسول ﷺ کی ہجرت سے پہلے قیام مکہ مکرمہ کے زمانے میں کلید بردار بنوعبدالدار ہی کے ایک فرد عثمان بن طلحہ تھے۔ آپ ﷺ ان سے فرماتے ہیں: ''عثمان! ذرا مجھے بیت اللہ کی چابی دینا میں بیت اللہ کے اندر جانا چاہتا ہوں۔'' عثمان نے چابی دینے سے انکار کر دیا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے عثمان سے فرمایا تھا:

(يَاعُثْمَانُ لَعَلَّكَ تَرَىٰ هٰذَا الْمِفْتَاحَ يَوْمًابِيَدِي أَضَعُهُ حَيْثُ شِئْتُ)

''سنو عثمان! ایک روز یہ چابی میرے پاس ہوگی، تب میں جس کو چاہوں گا یہ چابی عطا کروں



سونے سے بنائی گئی بیت اللہ شریف کی چابی

گا۔''

قارئین کرام! جس دور کی ہم بات کر رہے ہیں اس وقت مکہ مکرمہ میں قریش اللہ کے رسول ﷺ کے شدید دشمن تھے۔ عثمان بن طلحہ اور اس کا گھرانہ بنو عبدالدار اسلام کے شدید دشمنوں میں سے تھے۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ ایک دن مکہ مکرمہ فتح ہو جائے گا، اس لیے عثمان نے اس روز بڑی غلیظ زبان استعمال کی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس وقت بردباری سے کام لیا۔ عثمان کا کہنا تھا:

(لَقَدْ هَلَكَتْ قُرَيْشٌ يَوْمَئِذٍ إِذًا وَذَلَّتْ)

''اس کا مطلب ہے کہ قریش اس دن تباہ و برباد اور ذلیل و رسوا ہو چکے ہوں گے''۔

اللہ کے رسول ﷺ نے اسے جواب دیا تھا: (بَلْ عَزَّتْ وَعَمُرَتْ يَوْمَئِذٍ يَا عُثْمَانُ) ''ایسا نہیں ہوگا اے عثمان! بلکہ اس وقت تو قریش کی زبردست عزت و تکریم اور آبادکاری ہو گی۔''

''سنو عثمان! ایک روز یہ چابی میرے پاس ہوگی، تب میں جس کو چاہوں گا یہ چابی عطا کروں گا۔''

وقت گزرتے دیر نہیں لگتی۔ آٹھ ہجری کا سال جلد ہی آ جاتا ہے اور مکہ مکرمہ فتح ہوتا ہے۔ یہی وہ دن ہے جس کی پیش گوئی اللہ کے رسول ﷺ نے کوئی دس سال پہلے کی تھی۔ فتح مکہ مکرمہ سے پہلے عثمان بن طلحہ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ جب آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو سیدھے بیت اللہ شریف میں گئے۔ اس کا طواف کیا اور عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''عثمان! جاؤ چابی لا کر مجھے دو۔''

چابی عثمان رضی اللہ عنہ کی والدہ کے پاس تھی۔ جب عثمان نے چابی مانگی تو والدہ نے لیت و لعل سے کام لیا مگر بیٹے نے اپنی ماں سے بڑے حسن تدبر سے چابی حاصل کر کے اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں پیش کر دی۔



مکہ مکرمہ کے عجائب گھر میں رکھی گئی بیت اللہ کی دو چابیاں جنہیں مختلف ادوار میں استعمال کیا جاتا تھا

بیت اللہ کا کلید بردار ہونا غیر معمولی عزت کی بات ہے۔ اس وقت خیال کیا جا رہا تھا کہ اللہ کے رسول ممکن ہے کہ چابی کسی اور کو عطا کر دیں۔ بنو عبدالدار کے جرائم بہت زیادہ تھے۔ اس روز اللہ کے رسول ﷺ جسے چاہتے یہ اعزاز بخش دیتے اور چابی اسے مل جاتی۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے اس چابی کو حاصل کرنے کی خواہش کا اظہار بھی کر دیا۔

اِدھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی اللہ کے رسول ﷺ سے درخواست کر رہے ہیں کہ ہمیں حجاج کو پانی پلانے کے اعزاز کے ساتھ ساتھ خانہ کعبہ کی کلید برداری کا اعزاز بھی دے دیجیے۔ سیدنا علی کی جو عزت ولحاظ نبی کریم ﷺ کو تھا وہ کسی سے مخفی نہیں مگر یہ موقع حق داروں کو ان کا حق دینے کے لیے بہت مناسب تھا۔

مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا۟ ٱلْأَمَـٰنَـٰتِ إِلَىٰٓ أَهْلِهَا ﴾

''اللہ تعالیٰ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل لوگوں کو پہنچاؤ۔''

النساء 4: 58

قارئین کرام! اِدھر یہ آیات نازل ہو رہی ہیں، اُدھر کائنات کے سب سے اعلیٰ اخلاق والے سید ولد آدم ﷺ کی آواز فضا میں گونجتی ہے: (أَيْنَ عُثْمَانُ بْنُ أَبِي طَلْحَةَ؟) ''عثمان بن ابی طلحہ کہاں ہیں؟'' عثمان بن طلحہ حاضر ہوتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کے ہاتھ میں کعبۃ اللہ کی چابی ہے۔ لوگ آپ کے



باب کعبہ کی ایک خوبصورت تصویر جس میں لگا سونے کا تالا بھی نظر آ رہا ہے

مبارک ہاتھوں کی طرف دیکھ رہے ہیں کہ یہ اعزاز کسے ملتا ہے، کسے چابی دی جائے گی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (هَاكَ مِفْتَاحَكَ يَاعُثْمَانُ) ''عثمان! اپنی چابی سنبھال لو۔''

(اَلْيَوْمُ يَوْمُ بِرٍّ وَّوَفَاءٍ، خُذُوهَا خَالِدَةً تَالِدَةً)

''آج نیکی اور ایفائے عہد کا دن ہے۔ یہ چابی تم لوگ ہمیشہ کے لیے لے لو۔''

(لَا يَنْزِعُهَا مِنْكُمْ إِلَّا ظَالِمٌ)

''کوئی ظالم ہی اسے تمہارے خاندان سے چھیننے کی جرأت کرے گا۔''

المغازي للواقدي:561-564، والسيرة النبوية لابن هشام:4/54، 55، والسيرة النبوية للصلابي:2/528، والاستيعاب:503، 504.

قارئین کرام! اس بات کو چودہ سو سال سے زائد عرصہ گزر چکا ہے۔ بیت اللہ کی چابی آج بھی اسی خاندان کے پاس ہے۔ حکومتیں آئیں اور چلی گئیں۔ آج تک کسی کو اس خاندان سے یہ اعزاز چھیننے کی جرأت نہیں ہوئی۔ آج بھی عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کی اولاد میں (شـــعيبـــي) خاندان کے پاس یہ اعزاز موجود ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک رہے گا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے اعلیٰ اخلاق کو تاریخ کی پیشانی پر ثبت کر دیا۔

حسن ضیافت کا بہترین بدلہ

اللہ کے رسول ﷺ بعثت کے 13 سال بعد ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف جارہے ہیں۔آپ کے ساتھ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، ان کے غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ اور صحرائی راستوں کا ماہر عبداللہ بن اریقط ہے۔اللہ کے رسول ﷺ کو مکہ مکرمہ سے شدید محبت ہے۔ آپ اسے چھوڑنا نہیں چاہتے مگر اہل مکہ نے ہجرت پر مجبور کر دیا ہے۔آپ نے مکہ مکرمہ کو مخاطب کر کے فرمایا: ﴿وَاللّٰهِ إِنَّكِ لَخَيْرُ أَرْضِ اللّٰهِ﴾ ''اللہ کی قسم! تو دنیا کی بہترین سرزمین ہے۔'' ﴿وَأَحَبُّ أَرْضِ اللّٰهِ إِلَى اللّٰهِ﴾ ''اور پوری زمین میں اللہ کو محبوب ترین ہے۔'' ﴿وَلَوْلَا أَنِّي أُخْرِجْتُ مِنْكِ مَا خَرَجْتُ﴾ ''اگر مجھے زبردستی یہاں سے نکلنے پر مجبور نہ کیا جاتا تو میں تجھے کبھی نہ چھوڑتا۔'' عبداللہ بن اریقط امانت دار رہبر اور صحرائی راستوں کا جاننے والا تھا۔ وہ اس قافلے کو ان راستوں سے لے کر چلا جہاں عام قافلوں کی رسائی نہ تھی۔اس دوران میں آپ ﷺ کی تلاش کا کام ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔

جامع الترمذي، حديث:3925، وسنن ابن ماجه، حديث:3108.

قدید کے علاقے میں ام معبد کا خیمہ تھا۔ یہ قافلہ اِدھر سے گزرا تو تھوڑی دیر کے لیے وہاں بھی رُکا۔ام معبد کا اصل نام عاتکہ بنت خالد تھا۔ یہ قبیلہ بنوخزاعہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ یہ بوڑھی سمجھدار اور توانا خاتون تھیں۔اپنے خیمے کے صحن میں بیٹھتیں اور وہیں کھانے پینے کا انتظام کرتیں۔ ان کے بھائی کا نام خنیس بن خالد خزاعی تھا۔قافلے آتے تو ان کو کھلاتیں پلاتیں۔ نبی کریم ﷺ کے قافلے کا بھی یہاں سے گزر ہوا۔ خنیس نے بڑی محبت اور شوق سے یہ واقعہ اپنے بیٹے خالد کو سنایا۔

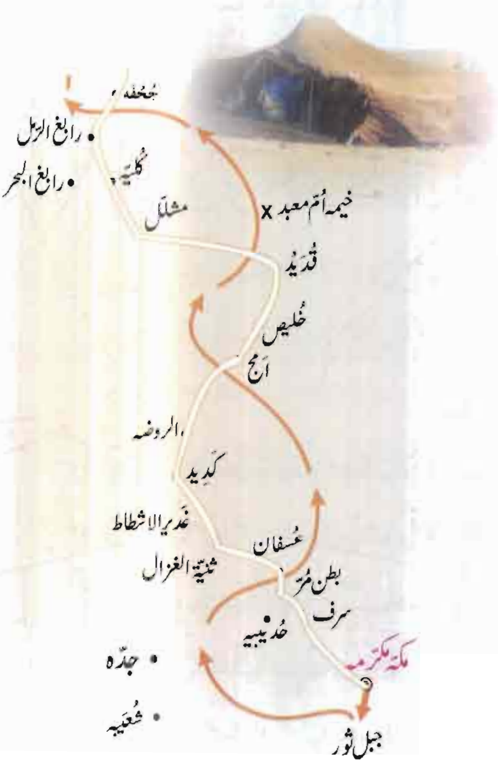
چار افراد پر مشتمل یہ قافلہ جب ام معبد کے خیمے پر آیا تو انھوں نے ام معبد سے گوشت اور کھجوروں کے بارے میں پوچھا اور کہا: ہم کچھ سامان خورونوش خریدنا چاہتے ہیں۔ ان دنوں یہاں قحط سالی تھی۔ اس خاتون کے پاس فروخت کرنے یا ضیافت کرنے کے لیے کچھ نہ تھا۔ کہنے لگی: اگر میرے پاس کچھ ہوتا تو آپ لوگوں کی میزبانی میں تنگی محسوس نہ کرتی۔ بکریاں بھی دور نکلی ہوئی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے خیمے کے پاس ایک بکری دیکھی تو پوچھا: (مَاهٰذِهِ الشَّاةُ يَا أُمَّ مَعْبَدٍ) ''ام معبد! یہ بکری یہاں کیسے؟'' ام معبد کہنے لگیں کہ یہ کمزوری کی وجہ سے ریوڑ کے ساتھ نہ جا سکی۔

آپ ﷺ نے پوچھا: (فَهَلْ بِهَا مِنْ لَبَنٍ) ''کیا یہ دودھ دے سکتی ہے؟''

ام معبد بولیں: یہ بہت لاغر ہے، دودھ نہیں دے سکتی۔

قارئین کرام! ذرا اللہ کے رسول ﷺ کے اخلاق کو دیکھیے کہ آپ ام معبد سے پوچھ رہے ہیں:



(أَتَأْذَنِينَ أَنْ أَحْلِبَهَا) ''کیا آپ اجازت دیں گی کہ میں اس کا دودھ دوہ لوں؟''

ام معبد کہنے لگیں: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، کیوں نہیں؟ اگر اس میں دودھ دکھائی دے رہا ہو تو ضرور نکال لیں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ساتھیوں کو اشارہ کیا کہ بکری کو قریب کریں۔ اللہ کا نام لیا، اس کے تھن کو ہاتھ لگایا اور برکت کی دعا فرمائی۔

بکری نے اپنی دونوں ٹانگیں پھیلا دیں، جگالی کرنے لگی اور دودھ اتار دیا۔ آپ نے ام معبد سے کہا کہ ''بڑا سا برتن لاؤ۔'' وہ ایک بڑا برتن لائیں جو ایک جماعت کو سیر کرنے کے لیے کافی تھا۔ اللہ کے

اللہ کے رسول ﷺ نے ساتھیوں کو اشارہ کیا کہ بکری کو قریب کریں۔ اللہ کا نام لیا، اس کے تھن کو ہاتھ لگایا اور برکت کی دعا فرمائی۔

رسول ﷺ نے دودھ دوہنا شروع کیا۔ اپنے مبارک ہاتھوں سے بکری کا تیز دھار کے ساتھ دودھ نکالا، برتن بھر گیا اور اوپر جھاگ نظر آنے لگی۔ آپ نے سب سے پہلے ام معبد سے کہا: ''ام معبد! لو دودھ پیو۔'' انھوں نے پی لیا تو آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ ''اب تم پیو۔'' جب ساتھیوں نے دودھ پی لیا تو پھر خود پیا۔ اللہ کے رسول ﷺ کی ساری سیرت کو پڑھ لیں۔ جہاں بھی کھلانے پلانے کا موقع آیا، اللہ کے رسول ﷺ نے پہلے ساتھیوں کو کھلایا پلایا، پھر خود کھایا پیا۔ ساتھیوں سے آپ ﷺ فرما رہے ہیں کہ ''خوب جی بھر کر اور دودھ پیو۔'' چنانچہ دوسری مرتبہ سب نے دودھ پیا۔

قارئین! یہ تھا آپ کا اخلاق کہ آپ دوسروں کو پہلے دودھ پلا رہے ہیں۔ برتن خالی ہو گیا ہے۔ اب دوبارہ اللہ کے رسول ﷺ پھر اسی برتن میں دودھ دوہ رہے ہیں۔ آپ نے اتنا دودھ دوہا کہ برتن بھر گیا۔

مدینہ طیبہ کی جانب سے روانہ ہونے سے پہلے آپ ﷺ نے دودھ بھرا برتن ام معبد کو دیا۔ ان کا خاوند، جس کا نام سیرت نگاروں نے حبیش بن خالد الخزاعی لکھا ہے، دوپہر کے وقت کمزور بکریوں کا ریوڑ ہانکتا ہوا آیا۔ گھر میں دودھ دیکھا تو تعجب سے ام معبد سے پوچھا کہ یہ کہاں سے آ گیا؟ بکری تو کمزور تھی، دودھ والی بھی نہ تھی اور گھر میں دودھ بھی نہ تھا۔

ام معبد نے جواب دیا: ابو معبد! کچھ دیر پہلے ایک برکت والا آدمی یہاں آیا تھا۔ ابو معبد کہنے لگا: میرے سامنے اس کی صفات اور اس کا حلیہ تو بیان کرو۔ ام معبد تو ان پڑھ تھیں، ان کو کیا معلوم کہ ان کے گھر میں کون آیا؟ گھر میں کس ہستی نے قدم رنجہ فرمایا ہے؟ بس انھوں نے جو دیکھا اس کا نقشہ ایسا کھینچا گویا سننے والا آپ کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہے۔

جب ام معبد نے اوصاف بیان کیے تو ابو معبد کہنے لگا: اللہ کی قسم! یہ تو وہی قریشی ہے جس کی نبوت کا

ذکر مکہ مکرمہ سے ہمارے پاس پہنچتا رہا ہے۔ میری خواہش ہے کہ میں ان کی صحبت اختیار کروں۔ ان کی رفاقت اختیار کروں۔ اگر مجھے موقع ملا تو ضرور یہ کام کروں گا۔

قارئین کرام! اب ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس خاتون کے ساتھ مدینہ طیبہ میں کیا سلوک کیا؟

وقت گزرتے دیر نہیں لگتی۔ تھوڑے عرصے کے بعد ام معبد کی بکریاں بہت زیادہ ہوگئیں۔ ان میں سے ایک ریوڑ کو لے کر وہ مدینہ طیبہ آتی ہیں۔ غالباً انھیں فروخت کرنے کے لیے لائی ہیں۔ ام معبد کے بیٹے نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو کہنے لگا: اماں جان! یہ تو وہی آدمی ہے جو اس بابرکت آدمی کے ساتھ تھا۔

ام معبد نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا: اللہ کے بندے! تیرے ساتھ وہ آدمی کون تھا؟ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ام معبد! کیا تم انھیں نہیں جانتیں؟ ام معبد کہنے لگیں: نہیں۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ وہ تو اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ ام معبد تو پہلے سے ملاقات کرنے کی مشتاق تھیں، چنانچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ انھیں لے کر اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

قارئین کرام! وفا اسے کہتے ہیں، اخلاق اس کا نام ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ ام معبد کے خیمے میں اترنا اور ان کا برتاؤ بھولے نہیں۔ آپ ان کو عزت اور احترام سے نواز رہے ہیں۔ اس سے بڑی کیا بات کہ کائنات کے امام ﷺ نے ان کی ضیافت فرمائی، ان کو کھانا کھلایا اور انھیں تحائف دے کر رخصت کیا۔

ایک روایت کے مطابق جب ام معبد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ گئیں تو اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں اس دیہاتی خاتون نے سوغاتیں اور پنیر پیش کیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں لباس اور دیگر تحائف عطا فرمائے اور وہ مسلمان ہوگئیں۔

''الوفا'' کے مؤلف نے ذکر کیا ہے کہ ام معبد اور اس کے خاوند نے ہجرت کی۔ ان کا بھائی خنیس بھی مسلمان ہوا اور اس نے فتح مکہ مکرمہ کے دن یہاں شہادت پائی۔

السيرة النبوية لأبي شهبة:1/486-490، والمعجم الكبير للطبراني:4/48-50، حديث: 3605، والسيرة النبوية للصلابي:1/446-450، والبداية والنهاية:3/458-462.



چور ڈاکو اور دشمنان اسلام عزت دار بن گئے

انبیاء، صلحاء، علماء اور ائمہ ہدایت جس مقام پر بھی ہوں، دعوت الی اللہ کے مشن کو نہ تو بھولتے ہیں نہ ہی لوگوں کو دعوت توحید پیش کرنے میں ذرہ برابر کوتاہی کرتے ہیں۔ حالات کتنے ہی ناسازگار اور پریشان کن ہوں، امن مفقود ہو، پھر بھی ایک سچا اور مخلص داعی اللہ کے پیغام کو پہنچانے کا کوئی نہ کوئی ذریعہ تلاش کر لیتا ہے۔ اس کی خوبصورت مثال سیدنا یوسف علیہ السلام ہیں۔ وہ جیل میں بھی اپنے مشن کو نہیں بھولے۔ قیدی ساتھیوں کو توحید رب العالمین کی دعوت دیتے رہے۔

جہاں تک اللہ کے رسول ﷺ کی ذات اقدس کا تعلق ہے تو وہ دعوت دین دینے میں اعلیٰ ترین مثال ہیں۔ آپ نے اپنے اعلیٰ اخلاق سے لوگوں کے دلوں کو جیتا۔ انھیں نہایت محبت اور پیار سے دعوت دی۔ لوگوں کے سروں پر نہیں دلوں پر حکومت کی، چنانچہ وہ لوگ جو انعام کے لالچ میں آپ کا پیچھا کر رہے

تھے، آپ کے متبع بن گئے۔ اللہ کے رسول ﷺ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر کے جا رہے ہیں۔ کفار قریش نے آپ کا خون مباح قرار دے دیا ہے۔ سوسرخ اونٹوں کا انعام کوئی معمولی نہ تھا۔ جرائم پیشہ لوگوں کے لیے تو یہ نہایت خطیر انعام تھا۔ معاذ اللہ ان سے کہا گیا کہ وہ زندہ یا مردہ آپ کو پیش کریں، پھر کتنے تھے جنھوں نے آپ کا پیچھا کیا؟ انعام کے لالچ میں آپ کا پیچھا کرنے والا ایک شخص بریدہ اسلمی بھی تھا۔ یہ اپنی قوم کا سردار تھا۔ ستر ساتھیوں سمیت (کُرَاعُ الْغَمِيم) کے علاقے میں ملتا ہے۔ یہ جگہ مکہ مکرمہ سے کم وبیش 75 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

لوگو! امن کا بادشاہ، صلح کا حامی، دنیا کو عدالت وانصاف سے بھر پور کرنے والا تشریف لا رہا ہے۔

قریش نے جس بڑے انعام کا اعلان کر رکھا تھا، یہ بھی اس انعام کے لالچ میں اللہ کے رسول ﷺ اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تلاش میں نکلا تھا۔

جب یہ شخص قافلۂ حق کے قریب ہوا تو اللہ کے رسول ﷺ نے پوچھا: ''تم کون ہو؟'' کہنے لگا: میں بریدہ ہوں۔ نبی کریم ﷺ فال نہیں نکالتے تھے مگر بعض الفاظ سے اچھا تفاؤل لے لیا کرتے تھے۔ عربی زبان میں برد کے معنی ٹھنڈک کے ہوتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا اور فرمایا: (يَا أَبَابَكْرٍ بَرَدَ أَمْرُنَا وَصَلُحَ) ''ابوبکر! ہمارا کام ٹھنڈا اور درست ہوا۔'' پھر ارشاد فرمایا: (مِمَّنْ أَنْتَ؟) ''تمھارا تعلق کس قبیلے سے ہے؟'' اس نے عرض کیا: قبیلہ اسلم سے ہوں۔ اسلم چونکہ سلامتی سے ہے چنانچہ آپ ﷺ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''ہم سلامت رہے۔''

پھر سوال کیا: ''قبیلہ اسلم کی کس شاخ سے ہو؟'' بریدہ کہنے لگا: بنوسہم سے۔ سہم کے معنی حصہ کے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تیرا حصہ نکل آیا، یعنی تجھ کو اسلام سے حصہ ملے گا۔''

اب بریدہ نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا: آپ کون ہیں؟

ارشاد فرمایا: ''محمد بن عبداللہ، اللہ کا رسول ہوں۔''

اللہ کے رسول ﷺ نے اپنا تعارف کرایا تو بریدہ نہایت متأثر ہوا اور اپنی قوم کے ستر یا اَسّی آدمیوں سمیت مسلمان ہو گیا۔

قارئین کرام! اب دیکھیے کہ اللہ کے رسول ﷺ سفر کی حالت میں ہیں مگر اس عالم میں بھی آپ اپنے اخلاق کی بدولت ایک اہم شخص کو اس کی قوم سمیت مسلمان بنانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ یہ شخص نہ صرف مسلمان ہوتا ہے بلکہ اس نے خوشی سے اپنی پگڑی اتار کر نیزے سے باندھ لی جس کا سفید پھریرا ہوا میں لہراتا اور بشارت سناتا ہوا آپ کے آگے آگے چل رہا تھا اور کہہ رہا تھا: لوگو! امن کا بادشاہ، صلح کا حامی، دنیا کو عدالت و انصاف سے بھرپور کرنے والا تشریف لا رہا ہے۔ آپ ﷺ کا مقدس سفر مدینہ کی طرف جاری و ساری ہے۔ آپ راستے میں بھی دعوت و تبلیغ کا کام کرتے جا رہے ہیں۔

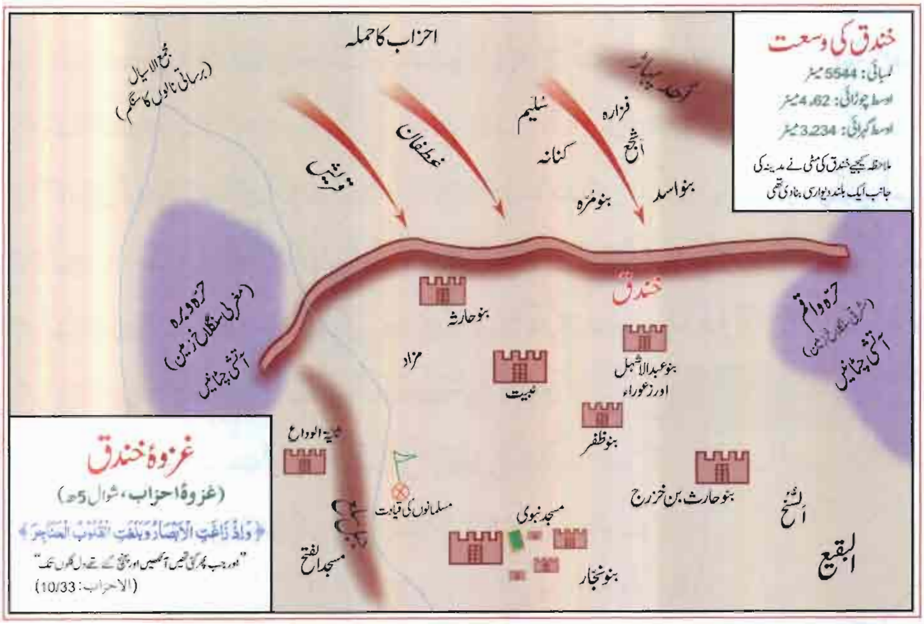
أسد الغابة:1/367-369، والرحيق المختوم: 190،
السيرة النبوية لمهدي رزق الله: 283، 284، ووفاء الوفاء للسمهودي:1/243.

مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو قبیلہ بنو اسلم کے دو چوروں سے ملاقات ہوئی۔ لوگ ان کو ذلیل پیشے کی بدولت ''مہانان'' بدنام زمانہ، ذلیل آدمی کہتے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو دونوں نے اسلام قبول کر لیا۔ جب آپ نے ان کے نام دریافت کیے تو کہنے لگے: ہمارا نام تو ''مہانان'' ہے، یعنی ہم ذلیل لوگ ہیں کہ لوگوں کو لوٹتے ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کو ملاحظہ کیجیے، آپ نے ان کو ملامت کرنے کے بجائے فرمایا: ''تم ذلیل نہیں۔'' (بَلْ أَنْتُمَا الْمُكْرَمَانِ) ''بلکہ تمھارا نام مکرمان یعنی عزت والے ہے۔''
آپ نے ان کو مدینہ شریف آنے کی دعوت دی۔

مسند أحمد:4/74، والسيرة النبوية للصلابي:1/465، 466.

اللہ کے رسول ﷺ نے ڈاکوؤں، چوروں اور رسہ گیروں کے دلوں کو حسن تعامل کے ساتھ جیتا۔ ان کے گزشتہ غلط کاموں پر نکیر کرنے کے بجائے ان کو عزت اور احترام دیا تو انھوں نے قافلوں کو لوٹنے کے بجائے ان کی پاسبانی کے فرائض سرانجام دینے شروع کر دیے۔



66 اخلاقِ نبوی

انہیں بھڑکانے والی کوئی حرکت نہ کرنا

غزوۂ خندق کو غزوۂ احزاب بھی کہا جاتا ہے۔ اس جنگ میں قریش پورے عرب کو مسلمانوں کے خلاف جمع کر کے لے آئے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے جہاں خندق کھودی، ظاہری اسباب سے کام لیا، وہیں دعاؤں کا بھی سہارا لیا۔ ظاہری اسباب اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا' اس کے حضور گریہ و زاری ایسے کام تھے جن پر اللہ کے رسول ﷺ زندگی بھر عمل پیرا رہے۔

قارئین کرام! راقم نے کئی مرتبہ کافی دیر غزوات میں آپ ﷺ کی خوبصورت پلاننگ پر غور و فکر کیا ہے کہ آپ نے کس طرح اپنے دشمنوں کو نیست و نابود کیا۔ آپ نہایت بیدار مغز اور وقت کی نبض پر ہاتھ رکھنے

والے قائد تھے۔ غزوۂ احزاب کے دوران میں بھی دشمن کے گروہوں اور ان کی کارروائیوں پر مسلسل نگاہ رہی۔ آپ ﷺ لحہ بہ لحہ تازہ ترین صورتِ حال سے باخبر رہنا پسند فرماتے تھے۔

ایک رات شدید سردی تھی، ہوا بھی تند و تیز اور رات بڑی تاریک تھی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے چاہا کہ انھیں معلوم ہو کہ اس وقت دشمن کیا پلاننگ کر رہا ہے، ان کی خبر کیا ہے، وہ کیا سوچ رہے ہیں؟ ان کے مستقبل کے ارادے کیا ہیں؟

اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: (أَلَا رَجُلٌ يَأْتِينَا بِخَبَرِ الْقَوْمِ) ''کوئی ہے جو احزاب کی خبر لائے؟'' اور پھر ساتھ ہی فرمایا:۔ (جَعَلَهُ اللّٰهُ مَعِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ) ''اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز میرا ساتھ نصیب کرے گا۔''

کون ہے جو دشمن کی خبر لائے، اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز میرا ساتھ نصیب کرے گا۔

رات کا وقت، شدید سردی، دشمن کے پاس جانا، اس کی خبر لانا کوئی آسان بات نہ تھی۔ صحابہ کرام خاموش ہیں۔ معاملہ اختیاری تھا، آپ ﷺ ترغیب دے رہے تھے، کسی کے لیے واضح حکم نہیں تھا، اس لیے سب لوگ خاموش تھے۔

اللہ کے رسول ﷺ پھر فرما رہے ہیں: ''کون ہے جو قریش کی خبر لائے، اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز میرا ساتھ نصیب کرے گا۔''

صحابہ کرام پھر خاموش ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے تیسری مرتبہ پھر اپنی بات دہرائی، جب سکوت نہیں ٹوٹا تو آپ ﷺ نے ایک شخصیت کا خود تعین کیا آپ ﷺ نے فرمایا:

(قُمْ يَاحُذَيْفَةُ! فَأْتِنَا بِخَبَرِ الْقَوْمِ ...... وَلَا تَذْعَرْهُمْ عَلَيَّ)

''حذیفہ! اٹھو، ان لوگوں کی خبر لاؤ لیکن کوئی ایسی حرکت مت کرنا جس سے وہ میرے خلاف بھڑک اٹھیں۔''

سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ قریش کی خبر لے کر آؤ تو اب گریز کی کوئی گنجائش نہ رہی۔ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں کہیں پکڑا نہ جاؤں؟ ارشاد فرمایا: ''تم بالکل پکڑے نہیں جاؤ گے۔'' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھی کے لیے دعا فرما رہے ہیں: ''اے اللہ! اس کی آگے سے، پیچھے سے، دائیں سے، بائیں سے، اوپر اور نیچے سے حفاظت فرما۔'' حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اس دعا کا مجھ پر یہ اثر ہوا کہ میرا سارا خوف دور ہو گیا اور میں نہایت شاداں و فرحاں اپنی مہم پر روانہ ہوا۔ کہتے ہیں: جب میں دشمن کی طرف روانہ ہوا تو مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا گویا میں گرم حمام میں چل رہا ہوں، یعنی مجھے ذرا بھی سردی نہیں لگ رہی تھی۔

حذیفہ رضی اللہ عنہ بغیر کسی رکاوٹ کے دشمن کے لشکر میں پہنچ گئے ہیں۔ ہوا اس قدر تیز تھی کہ اس کے سامنے کوئی چیز ٹھہرتی نہیں تھی۔ تاریکی ایسی چھائی ہوئی تھی کہ کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی تھی فرماتے ہیں: میں آگے بڑھا، ایک جگہ دیکھا کہ آگ کا الاؤ جل رہا ہے۔ ابوسفیان اپنی کمر کو آگ سے سینک رہا ہے۔ میں بھی اس کے ساتھیوں کے ساتھ الاؤ پر بیٹھ گیا۔

میں نے سنا کہ ابوسفیان اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا ہے: اپنے اردگرد بیٹھے ہوئے لوگوں کو دیکھو کہ وہ کون ہیں کیونکہ ہوسکتا ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنا کوئی جاسوس بھیج رکھا ہو جو ہماری باتیں سن رہا ہو۔

حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نہایت ذہین و فطین اور بروقت فیصلہ کرنے والے تھے۔ وہ کہتے ہیں: میں نے فوراً اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے شخص سے پوچھا: (مَـنْ أَنْـتَ) ''تم کون ہو؟'' اس نے جواب دیا: میں فلاں بن فلاں ہوں۔ میں نے اس سے کہا: خاموش رہو، شکر ہے کہ تم فلاں بن فلاں ہو۔ پھر میں نے ایک اور سے پوچھا: تم کون ہو؟ وہ کہنے لگا: میں فلاں بن فلاں ہوں۔ میں نے اس سے بھی کہا: خاموش رہو۔ اسی طرح میں نے اپنے اردگرد اور کئی لوگوں سے بھی سوال کیا۔

قارئین کرام! یہ حذیفہ رضی اللہ عنہ کی ذہانت اور فطانت تھی کہ انھوں نے فوراً اپنے اردگرد کے لوگوں سے پوچھا: تم کون ہو؟ ورنہ اگر ان میں سے کوئی ان سے پوچھ لیتا کہ تم کون ہو؟ تو ممکن ہے ان کے بارے میں دشمن کو معلوم ہو جاتا اور ان کا راز فاش ہو جاتا۔

ابوسفیان اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا: قریش کے لوگو! یہ ٹھہرنے کا مقام نہیں۔ ہمارے جانور ہلاک ہو گئے۔ بنوقریظہ نے ہماری مدد سے ہاتھ اٹھا لیا ہے۔ تیز وتند ہوا نے ہمیں خوفزدہ کر دیا ہے حتی کہ چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا نہایت مشکل ہو گیا ہے۔ میری مانو تو فوراً لوٹ چلو۔ یہ کہہ کر ابوسفیان اپنے اونٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔

حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابوسفیان میرے نشانے پر تھا۔ میں چاہتا تو اسے بڑی آسانی سے تیر مار سکتا تھا، مگر مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یاد آ گیا: ''کوئی ایسی حرکت نہ کرنا کہ وہ بھڑک اٹھیں۔'' ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ''کوئی نئی بات نہ کرنا۔'' چنانچہ میں اپنے ارادے سے باز رہا اور اپنی خواہش پر عمل نہ کیا۔



حذیفہ رضی اللہ عنہ کا مشن پورا ہو چکا تھا۔ وہ نہایت اطمینان سے واپس اپنے کیمپ میں آتے ہیں۔ لوگ سوئے ہوئے ہیں۔ مگر مسلمانوں کے امام، ان کے قائد، ان کے کمانڈر اعلیٰ اپنے خیمے میں اپنے رب کے حضور کھڑے ہیں۔ اللہ سے فتح ونصرت کی دعائیں مانگ رہے ہیں۔

جب حذیفہ رضی اللہ عنہ خیمے کے قریب ہوئے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آہٹ محسوس کی۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اشارہ کیا۔ میں آپ کے قریب گیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر ایک چادر تھی۔ آپ نے اشارے سے مجھے قریب کیا۔ سردی شدید تھی۔ اس چادر کا ایک حصہ میرے اوپر ڈال دیا۔ میں کچھ دیر چادر اوڑھے رہا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قوم کا حال پوچھا۔ میں نے قریش کا حال بتایا کہ وہ میدان خالی کر کے جا رہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہو گئے۔

اللہ کے رسول ﷺ کا اعلیٰ اخلاق ملاحظہ کیجیے۔ آپ نے اپنے مبارک ہاتھوں کو اٹھایا اور رات کے اندھیرے میں حذیفہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعا فرما رہے ہیں:

(اَللّٰهُمَّ اغْفِرلَهُ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ رَفِيقِي يَوْمَ الْقِيامَةِ)

''اے اللہ! اسے بخش دے، اے اللہ! اس پر رحم فرما اور اے اللہ! قیامت کے روز اسے میرا ساتھی بنانا۔''

حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اللہ کے رسول ﷺ کے خیمے میں ان کے قریب ہی سو گیا۔

قارئین! اسے کہتے ہیں اعلیٰ اخلاق، اسے کہتے ہیں محبت کہ ایک ساتھی نے کارنامہ انجام دیا ہے تو اس کو اہمیت دی جا رہی ہے۔ آپ ﷺ اپنی چادر کا ایک حصہ حذیفہ رضی اللہ عنہ پر ڈال دیتے ہیں اور حذیفہ رضی اللہ عنہ کی یہ شان کہ وہ گہری نیند سو رہے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ بقیہ وقت بھی نماز پڑھ رہے ہیں، تہجد ادا کر رہے ہیں۔

جب فجر کی اذان ہوئی تو اللہ کے رسول ﷺ اپنے اس ساتھی کو جگا رہے ہیں اور اس کے ساتھ شغل اور مذاق کر رہے ہیں، اس سے اُنس و محبت کا اظہار کر رہے ہیں۔ آیئے پڑھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے حذیفہ رضی اللہ عنہ کو کیا لقب دیا ہے؟ ارشاد فرمایا: (قُمْ يَا نَوْمَانُ قُمْ يَا نَوْمَانُ!)

''ارے کثرت سے سونے والے اٹھو...... کثرت سے نیند کرنے والے اٹھو۔''

قارئین کرام! آپ ﷺ میدان جنگ میں ہیں مگر اس کے باوجود اپنے صحابہ سے مزاح فرما رہے ہیں۔ ''نومان'' کا معنی ہے ''کثرت سے سونے والا۔''

حذیفہ رضی اللہ عنہ اپنے محبوب قائد کی آواز پر اٹھے، نماز ادا کی اور جب دن چڑھا تو دیکھا کہ دشمن میدان خالی کر گیا ہے۔ وہ ناکام و نامراد ہو کر اپنے گھروں کو لوٹ چکا ہے۔ اور اللہ کے رسول ﷺ کی یہ شان ہے کہ وہ محاذ جنگ پر مسکرا رہے ہیں۔ وہ منصور و مظفر ہو کر مدینہ طیبہ کا رخ کر رہے ہیں۔ حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو اللہ کے رسول ﷺ کا یہ سلوک اور آپ کا دیا ہوا لقب ''نومان'' کبھی نہیں بھولا۔

صحيح مسلم، حديث: 1788، وصحيح السيرة لإبراهيم العلي: 277-279، ودلائل النبوة للبيهقي: 3/449-455.

بے وفا سے وفاداریاں

اللہ کے رسول ﷺ کو مدینہ طیبہ تشریف لائے کوئی زیادہ مدت نہیں گزری تھی کہ آپ کو اطلاع دی گئی کہ قبیلہ خزرج کے ایک سردار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بیمار ہیں۔ آپ ان کی عیادت کے لیے بنو حارث کے محلے کی طرف تشریف لے گئے۔ بنو حارث کا محلّہ مسجد نبوی کے جنوب میں مسجد قباء کے راستے پر واقع تھا۔ آپ نے اپنے ساتھ سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو لیا۔ آپ ﷺ کی تواضع کو دیکھیے کہ آپ گدھے پر سوار ہو کر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے جا رہے ہیں۔ راستے میں آپ نے دیکھا کہ برلب سڑک کچھ لوگ ایک جگہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس اجتماع میں مسلمان، مشرک، یہودی سبھی قوموں کے لوگ بیٹھے تھے۔ نمایاں لوگوں میں عبداللہ بن ابی بھی تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب اس نے ابھی اسلام قبول نہ کیا تھا۔ حاضرین مجلس میں مشہور صحابی سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

جب آپ ﷺ ان کے قریب سے گزرے تو اخلاقاً آپ نے گدھے کو روک لیا۔ گدھے کے قدموں سے گرد وغبار اڑا تو عبداللہ بن ابی نے رومال سے اپنے چہرے کو ڈھانپ لیا۔ قارئین کو خوب معلوم ہے کہ یہ شخص دل سے اللہ کے رسول ﷺ کا شدید دشمن تھا، اس لیے کہنے لگا: دیکھو میاں! ہمارے اوپر غبار نہ اڑاؤ۔ پھر کہنے لگا: محمد! تمہارے گدھے کی بو نے تو مجلس کا سارا مزا کرکرا کر دیا۔

قارئین کرام! عموماً اس قسم کی مجالس میں اگر باہر سے کوئی آدمی آئے تو اسے بڑی خوش دلی سے مرحبا کہا جاتا ہے۔ اس کا استقبال کیا جاتا ہے لیکن عبداللہ بن ابی نے جو الفاظ کہے وہ اس کی بدباطنی کا پتا دیتے تھے۔ ذرا غور کیجیے کہ اللہ کے رسول ﷺ کس قدر اخلاق حمیدہ کے مالک تھے کہ عبداللہ کی تلخ باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اہل مجلس کو سلام کہا۔ گدھے سے نیچے اترے اور ان کی مجلس میں تشریف لے آئے، پھر اپنے مخصوص انداز میں لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا۔ دعوتِ توحید پیش کی اور قرآن کریم کی تھوڑی سی تلاوت بھی فرمائی۔

عبداللہ بن ابی نے اللہ کے رسول ﷺ کی زبان اقدس سے قرآن کریم سنا تو جل بھن گیا۔ اسے قرآن تو یقیناً اچھا لگا مگر ہائے رے حسد اور بغض کی آگ...... کہنے لگا: محمد (ﷺ)! یہ ہمیں ہر جگہ تبلیغ نہ کیا کرو، نہ ہمیں قرآن سنانے کی ضرورت ہے۔ ہاں، اگر کوئی آپ کے گھر آجائے یا آپ سے قرآن کی تلاوت سنانے کے لیے کہے تو بے شک اسے قرآن سنا دیا کرو لیکن ہمیں تو تنگ نہ کرو۔

سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ راسخ الایمان مسلمان تھے۔ عبداللہ کی ان گستاخانہ باتوں کو برداشت نہ کر سکے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے قریب تشریف لائے اور عرض کی: اللہ کے رسول! آپ بڑے شوق سے ہماری مجالس کے اندر تشریف لائیں، ہمیں وعظ ونصیحت کریں، ہمیں اللہ کا قرآن سنائیں، ہمیں آپ کی گفتگو اور آپ کا قرآن پڑھنا بہت محبوب ہے۔

ایک اور صحابی مجلس میں بیٹھے تھے، وہ عبداللہ بن ابی سے کہنے لگے: اللہ کی قسم! محمد ﷺ کے گدھے کی بو تمھارے جسم کی بدبو سے کہیں بہتر اور افضل ہے۔ مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگوں میں چہ مگوئیاں شروع ہو گئیں۔ عبداللہ بن ابی کے بعض دوست بدتمیزی پر اتر آئے۔ یہودی تو اس قسم کے واقعات چاہتے تھے۔

انھوں نے اپنی لگائی بجھائی سے ماحول کو مزید خراب کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد مجلس کا ماحول اس قدر بگڑا کہ نوبت ہاتھا پائی تک پہنچ گئی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فریقین کو ٹھنڈا کیا، انھیں سمجھایا، چپ کرایا۔ تھوڑی دیر کے بعد ماحول خوشگوار ہوتا چلا گیا۔ عبداللہ بن ابی نے جس خبث باطن کا مظاہرہ کیا تھا، یہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے جب مجلس کا ماحول ٹھیک دیکھا تو اپنے گدھے پر سوار ہو کر سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے گھر والوں نے اللہ کے رسول ﷺ کا شاندار استقبال کیا۔ ان کے لیے اس سے بڑھ کر عزت کی بات کیا ہو سکتی تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ ان کے گھر تشریف لائیں۔ انہوں نے آپ ﷺ کو مجلس میں عزت سے بٹھایا۔



قارئین کرام! سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن ابی دونوں ہی خزرج کے بڑے سردار تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: (أَيَا سَعْدُ! أَلَمْ تَسْمَعْ مَاقَالَ أَبُو حُبَابٍ) ''سعد! تم نے سنا نہیں کہ ابوحباب نے کیا کہا ہے۔'' اور پھر آپ ﷺ نے سعد رضی اللہ عنہ کو اس کی گفتگو سنا دی۔

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اللہ کے رسول ﷺ! (اُعْفُ عَنْهُ وَاصْفَحْ) ''اسے معاف کر دیں، اس سے درگزر کریں۔'' اس شخص کو اپنا سربراہ بنانے پر اوس اور خزرج نے اتفاق کر لیا تھا۔ اس کے لیے مونگوں کا تاج تیار کیا جا رہا تھا تاکہ اس کے سر پر تاج شاہی رکھ کر اس کی باقاعدہ بادشاہت کا اعلان کر دیا جائے مگر اس دوران میں آپ تشریف لے آئے۔ لوگ اس کو بھول کر آپ پر اسلام لے آئے۔ اب وہ یہ سمجھتا ہے کہ آپ نے اس کی بادشاہی چھین لی ہے۔

صحيح البخاري، حديث:4566، و صحيح مسلم، حديث:1798.

اوپر والے واقعے کے تھوڑے عرصے بعد ہی غزوۂ بدر پیش آتا ہے جس میں قریش کے بڑے بڑے 70 سردار قتل ہو جاتے ہیں۔ اب عبداللہ بن ابی نے بھی بادل نخواستہ اسلام قبول کر لیا مگر اس کے دل میں

بدستور نفاق اور کفر بھرا ہوا تھا۔ وہ جب تک زندہ رہا، اسلام کے خلاف سازشیں کرتا رہا۔ اس شخص کے جرائم کو اگر تفصیل سے لکھا جائے تو اس کے لیے کتاب کی ضرورت ہے۔ اس نے متعدد بار مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کی پوری کوشش کی تھی، مگر یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل تھا کہ ان کے درمیان اللہ کے رسول ﷺ موجود تھے، اس لیے جب بھی کوئی ایسا مشکل وقت آیا، اللہ کے رسول ﷺ نے لوگوں میں صلح کروادی اور مسلمانوں کے درمیان پھر سے محبت ڈال دی۔

قارئین کرام! آیئے، اب ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس رئیس المنافقین کے بدترین سلوک کے جواب میں اس کے ساتھ کیسا حسن سلوک کیا؟

عبداللہ بن ابی کی وفات ہو چکی ہے۔ اس کا بیٹا جس کا نام بھی عبداللہ ہی تھا، اور وہ سچا پکا مسلمان تھا۔ وہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے: (يَارَسُولَ اللّٰهِ أَعْطِنِي قَمِيصَكَ أُكَفِّنْهُ فِيهِ) ''اللہ کے رسول ﷺ! اپنی قمیص مرحمت فرمایئے تا کہ اس میں اسے کفن دے سکوں۔''

اللہ کے رسول ﷺ اپنی قمیص عطا فرما دیتے ہیں۔

بات صرف قمیص دینے پر نہیں ٹھہرتی بلکہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے تشریف لے گئے ہیں۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس پر اپنی تشویش کا اظہار کر رہے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کو اس منافق کا گھناؤنا کردار یاد دلا رہے ہیں۔ اس شخص نے فلاں فلاں موقع پر آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کی تھی۔ اسلام دشمنی میں اس نے یہ کہا، اس نے وہ کیا، لہٰذا مناسب سمجھیں تو آپ اس کی نماز جنازہ نہ پڑھائیں۔

اللہ کے رسول ﷺ متبسم چہرے سے عمر رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔ ''عمر! پیچھے ہٹ جاؤ، مجھے اس کی نماز پڑھانے دو۔''

عمر فاروق رضی اللہ عنہ پھر عرض کرتے ہیں: اللہ کے رسول! یہ تو منافق ہے، اس کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے:

﴿ٱسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِن تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَن يَغْفِرَ ٱللَّهُ لَهُمْ﴾

''ان (منافقین) کے لیے بخشش مانگیے یا نہ مانگیے۔ اگر ان کے لیے آپ ستر بار بھی بخشش مانگیں گے تو بھی اللہ تعالیٰ ان کو معاف کرنے والا نہیں۔'' التوبة:80.

اللہ کے رسول ﷺ دنیا والوں کو بتانا چاہتے ہیں، سبق دینا چاہتے ہیں کہ مسلمان کا اخلاق کیسا ہو۔ اسلام میں کس طرح معاف کرنے کو پسند کیا گیا ہے۔ اسلام کس عمدہ اخلاق کی طرف دعوت دیتا ہے۔

اس لیے اللہ کے رسول ﷺ عبداللہ بن ابی کا جنازہ پڑھا رہے ہیں اور اس کے لیے لمبی دعائیں مانگ رہے ہیں، حتی کہ ایک صحابی مجمع بن جاریہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: آپ ﷺ نے جتنا لمبا جنازہ عبداللہ بن ابی کا پڑھایا، کسی اور کا نہیں پڑھایا۔

جنازہ پڑھانے کے بعد عبداللہ کی لاش کو بقیع میں دفنانے کے لیے لے جایا جا رہا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ بھی قبر پر تشریف لے گئے، اخلاق کی اعلیٰ قدروں کو مزید بلند فرمایا۔

عبداللہ بن ابی کی لاش کو قبر میں اتارا جا چکا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے حکم دیا کہ اس کی لاش کو اوپر اٹھایا جائے۔ جب لاش کو اوپر اٹھایا گیا تو آپ ﷺ نے اسے اپنے گھٹنوں پر رکھ لیا ہے۔ اس کے چہرے سے کفن ہٹایا۔ اپنا مبارک اور مطہر لعاب دہن اس کے منہ میں ڈالا۔ آخری چیز جو وہ دنیا سے اپنے ساتھ لے کر گیا وہ آپ ﷺ کا لعاب دہن تھا۔

صحيح البخاري، حديث: 1269، 1366، 1270، 1350، 3008، 4670، 4671، صحيح مسلم، حديث: 2399، و سنن أبي داود، حديث: 3094، و السيرة النبوية للصلابي: 2/656-658.

قارئین کرام! یہ تھا اللہ کے رسول ﷺ کا اس شخص کے ساتھ تعامل جس نے ساری زندگی آپ کو تکلیفیں دیں، وہ شخص جس کے قتل کی اجازت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے طلب کی، مگر یہ آپ ﷺ کی رحمت اور اعلیٰ اخلاق تھا کہ فرمایا: ''عمر! اسے قتل نہ کرنا۔'' (لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ) ''میں نہیں چاہتا کہ لوگ یہ باتیں کریں کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔''

صحيح البخاري، حديث: 3518، و صحيح مسلم، حديث: 2584.

بیٹا! ابوالقاسم کی بات مان لو

اللہ کے رسول ﷺ نہ صرف مسلمانوں پر شفیق اور مہربان تھے بلکہ جو آپ پر ایمان نہیں لائے تھے، ان کے ساتھ بھی عمدہ سلوک کرتے تھے۔ ایک یہودی لڑکا جس کا گھر اللہ کے رسول ﷺ کے گھر کے قریب ہی تھا، آپ ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ آپ کے چھوٹے چھوٹے کام کرتا۔ آپ کے لیے وضو کا پانی لے آتا۔ آپ ﷺ گھر سے باہر یا مسجد میں جانے لگتے تو آپ کے نعلین مبارک سامنے رکھ دیتا۔ کسی کو پیغام دینا ہوتا یا کسی کو کوئی چیز دینی یا لینی ہوتی تو یہ بھاگ کر جاتا اور آپ کا کام کر آتا۔ اس لڑکے کے نام کی وضاحت روایات میں نہیں آئی اور اس کا نام معلوم نہ ہونے سے کوئی فرق بھی نہیں پڑتا۔

ایک مرتبہ وہ یہودی لڑکا بیمار ہو گیا اور کئی روز تک آپ کی خدمت کے لیے نہ آ سکا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ملاحظہ فرمایا کہ وہ لڑکا جو صبح وشام آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا، چند دنوں سے نظر نہیں آ رہا۔ اس کے بارے میں معلوم کروایا کہ وہ کہاں ہے؟ آپ کو بتایا گیا: وہ تو بیمار ہے، اپنے گھر میں بستر پر ہے۔ کائنات کی مصروف ترین ہستی کو جب معلوم ہوا کہ ان کا چھوٹا سا خادم بیمار ہے تو اس کے یہودی ہونے کے باوجود تیمارداری کرنے کے لیے آپ ﷺ اس کے گھر تشریف لے جاتے ہیں۔

یہ سنہری حدیث جسے میں آپ سے بیان کرنے جا رہا ہوں، آپ اس میں بڑا خوبصورت واقعہ پڑھیں گے، اس کے راوی سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔ اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب صحيح البخاري میں روایت کیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ جب اس کے گھر پہنچے تو اس یہودی لڑکے کا باپ بھی گھر میں موجود



تھا، اس بچے کی خوش قسمتی کے کیا کہنے کہ اللہ کے رسول ﷺ اس کی تیمار داری کے لیے تشریف لائے ہیں۔ یہ چارپائی پر لیٹا ہوا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ اس کے سرہانے بیٹھ جاتے ہیں۔ اسے شفقت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ اس کا حال پوچھتے ہیں، آپ ﷺ کو معلوم ہو گیا کہ اس بچے کا آخری وقت آ چکا ہے۔ اس پر نزع کا عالم طاری ہے۔ ذرا اللہ کے رسول ﷺ کی لوگوں سے محبت اور خیر خواہی ملاحظہ کریں کہ آپ ﷺ نے دیکھا کہ یہ لڑکا دنیا سے جا رہا ہے۔ ہو سکے تو اسے عذاب جہنم سے بچانے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ اس کی زندگی کا چراغ گل ہونے سے قبل اللہ کے رسول ﷺ نے اس لڑکے کو مخاطب کیا اور فرمایا: (يَا فُلَانُ قُلْ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ) ''اے بچے! لا الہ الا اللہ کہہ دو۔''

اِدھر اس کی زبان سے کلمہ شہادت نکلا اُدھر اس کی زندگی کے بقیہ لمحات تیزی سے ختم ہونے لگے۔ اس نے چند آخری سانسیں لیں اور اس دارفانی سے رخصت ہو گیا۔

اس لڑکے نے جب اللہ کے رسول ﷺ کی آواز سنی تو آنکھیں کھول کر آپ ﷺ کے رخ انور کو دیکھا۔ آپ اس سے فرما رہے ہیں:

کہو: (أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ)

اس لڑکے نے اپنی کروٹ بدلی، اپنے چہرے کو اپنے قریب کھڑے والد کی طرف کیا اور سوالیہ نظروں سے والد کی طرف دیکھنے لگا۔ اجازت طلب کرنے لگا۔ اس کا باپ اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان نہ لایا تھا مگر وہ جانتا تھا کہ یہ سچے نبی ہیں۔ اپنے بیٹے سے کہنے لگا:

(أَطِعْ أَبَاالْقَاسِمِ) ''ابوالقاسم کی بات مان لو۔''

محمد ﷺ جو کہہ رہے ہیں اس پر عمل کرو۔ اس کے باپ نے جیسے ہی اجازت دی، لڑکے کے ہونٹوں سے آواز آنے لگی: (أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰـهُ وَأَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ) ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔''

اِدھر اس کی زبان سے یہ کلمات نکلے اور اُدھر اس کی زندگی کے بقیہ لمحات تیزی سے ختم ہونے لگے۔ اس نے چند آخری سانسیں لیں اور اس دار فانی سے رخصت ہو گیا۔

اللہ کے رسول ﷺ اس کے گھر سے باہر تشریف لائے۔ آپ مطمئن ہیں، آپ اللہ کا شکر، اللہ کی حمد اور تعریف بیان کر رہے ہیں، فرماتے ہیں: (اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِي أَنْقَذَهُ بِي مِنَ النَّارِ) ''اُس اللہ کا شکر ہے جس نے میری وجہ سے اس لڑکے کو جہنم کی آگ سے بچالیا ہے۔''

صحيح البخاري، حديث: 1356، و سنن أبي داود، حديث: 3095، مسند أحمد: 260/3، و سنن النسائي الكبرىٰ: 356/4، 55/7.

قارئین کرام! اس سے پہلے کہ ہم آگے بڑھیں، ذرا غور کیجیے کہ ہمارے پیارے رسول ﷺ کتنے اعلیٰ اخلاق والے تھے، آپ کتنے رحیم اور مشفق تھے کہ آپ مسلمانوں کے لیے ہی نہیں بلکہ کافروں اور یہودیوں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنے والے تھے۔ بدر کے قیدی آئے تو حکم دیا کہ ان کو اچھا کھانا کھلانا ہے۔ اگر مریض ہے تو اس کی تیمارداری کر رہے ہیں اور انسانیت کی فلاح اور اس کی عزت و احترام اس حد تک ہے کہ آپ کے سامنے سے ایک جنازہ گزرا تو آپ جنازے کے احترام میں کھڑے ہو گئے۔ ایک

صحابی عرض کرتے ہیں: اللہ کے رسول! یہ تو یہودی کا جنازہ ہے۔ محسن کائنات ﷺ فرماتے ہیں: (أَلَيْسَتْ نَفْسًا) ''کیا یہ انسان نہیں؟'' اور ایک دوسری حدیث کے مطابق اس وقت تک کھڑے رہے جب تک جنازہ نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو گیا۔

صحيح البخاري، حديث: 1312، و صحيح مسلم، حديث: 961.

''اُس اللہ کا شکر ہے جس نے میری وجہ سے اس لڑکے کو جہنم کی آگ سے بچالیا ہے۔''

یہودی لڑکا آپ کا خادم تھا۔ وہ کوئی امیر کبیر شخص نہ تھا اور نہ ہی کسی قبیلے کا سردار تھا۔ آپ کائنات کے باسیوں کو، پوری نوع انسانی کو عملی سبق دینا چاہتے ہیں کہ اسلام میں اخلاق کس کو کہا جاتا ہے۔ اگر چھوٹا آدمی بھی بیمار ہو تو اس کی تیمارداری کرنی چاہیے۔

اللہ کے رسول ﷺ صحابہ کرام سے فرما رہے ہیں: (صَلُّوا عَلَى أَخِيكُمْ) ''اپنے بھائی کی نماز جنازہ پڑھو۔'' یہ مسلمان ہے۔ اس کو آپ جنت کی بشارت پہلے ہی دے چکے ہیں: ''اس اللہ کا شکر ہے کہ جس نے میری وجہ سے اسے جہنم سے بچالیا۔''

سنن الكبرىٰ للنسائي: 4/356، والمستدرك للحاكم: 1/363.

قارئین کرام! یہ ہمارے پیارے نبی اور رسول ﷺ ہیں جو لوگوں کو جہنم سے بچا کر بہت خوش اور مطمئن ہوتے ہیں، لیکن اگر وہ اسلام قبول نہیں کرتے ہیں تو آپ کی جو کیفیت ہے اسے سورۂ کہف آیت نمبر 6 میں پڑھ لیجیے:

﴿ فَلَعَلَّكَ بَٰخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰٓ ءَاثَٰرِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا۟ بِهَٰذَا ٱلْحَدِيثِ أَسَفًا ﴾

''آپ شاید ان کافروں کے پیچھے اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالیں گے اس غم سے کہ یہ لوگ اس قرآن پر ایمان کیوں نہیں لاتے۔''

الكهف: 6



میں قریش کے خلاف پناہ نہیں دے سکتا

اللہ کے رسول ﷺ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ طائف سے واپس مکہ مکرمہ تشریف لائے تو شہر کے قریب حراء پہاڑ تک پہنچ کر رک گئے۔ آپ ﷺ کے علم میں یہ بات آ چکی تھی کہ کفار قریش پہلے سے بھی زیادہ آپ کے خلاف ہو گئے ہیں۔ ممکن ہے کہ انھیں اہل طائف کے ظالمانہ سلوک کا علم ہو چکا ہو، چنانچہ آپ ﷺ نے مناسب سمجھا کہ کسی کی پناہ حاصل کر کے مکہ مکرمہ میں داخل ہوں۔

کفار مکہ کی خامیاں اپنی جگہ مگر ان کے ہاں پناہ دینے کا قانون موجود تھا۔ اگر کوئی بڑا شخص کسی کو پناہ

دے دیتا تو اس کا احترام کیا جاتا، چونکہ یہ قانون شریعت سے نہیں ٹکراتا، اس لیے اللہ کے رسول ﷺ نے اس اصول سے فائدہ اٹھانا چاہا۔

قارئین کرام! یہاں اللہ کے رسول ﷺ کی فراست کو داد دیجیے۔ اگر آپ ﷺ کسی مسلمان کی پناہ حاصل کرتے تو یہ اعلانِ جنگ کے مترادف بات ہوتی۔ بنو ہاشم بلاشبہ بڑا خاندان تھا اور وہ پناہ دے سکتا تھا مگر اس کا بڑا سردار ابوطالب تو وفات پا چکا تھا۔ اور ان کے بعد ابولہب تھا جو اللہ کے رسول ﷺ کا شدید دشمن تھا، چنانچہ پناہ کا پیغام دینے کے لیے آپ نے بنوخزاعہ کے ایک شخص کو اپنا قاصد بنایا۔ سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ ''میں تمھیں ایک پیغام دے کر بھیجوں تو کیا تم میری طرف سے وہ پیغام پہنچا دو گے؟''

اس نے جب ہامی بھر لی تو نبی ﷺ نے اسے اخنس بن شریک کی طرف بھیجا اور کہا کہ اس سے جا کر کہو کہ ''محمد (ﷺ) تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا تم مجھے پناہ دو گے یہاں تک کہ میں اپنے رب کا پیغام پہنچا سکوں؟'' یہ بنوثقیف سے تعلق رکھتا تھا مگر قریش کی شاخ بنوزہرہ کا حلیف تھا۔

اخنس کا جواب تھا: میں حلیف ہوں اور حلیف کسی قریشی کو قریش کے خلاف پناہ نہیں دے سکتا۔ اب آپ نے ایلچی کو سہیل بن عمرو کے پاس بھیجا کہ شاید وہ پناہ دے دے، مگر اس نے بھی معذرت کر لی۔

''محمد (ﷺ) تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا تم مجھے پناہ دو گے یہاں تک کہ میں اپنے رب کا پیغام پہنچا سکوں؟''

اللہ کے رسول ﷺ اب مطعم بن عدی کی طرف پیغام بھجواتے ہیں۔ یہ بھی مکے کا بڑا نمایاں شخص اور قبیلہ بنونوفل بن عبدمناف کا سردار تھا۔ ایلچی اللہ کے رسول ﷺ کا پیغام لے کر گیا تو اس نے کہا: ٹھیک ہے، وہ تشریف لے آئیں۔ چنانچہ یہ رات آپ ﷺ نے مطعم کے ہاں بسر فرمائی۔ مطعم نے اپنے بیٹوں اور قوم کو بلایا اور کہنے لگا: تم سب ہتھیار پہن لو اور بیت اللہ کے چاروں کونوں پر کھڑے ہو جاؤ۔ میں نے محمد ﷺ کو پناہ دی

ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ بیت اللہ میں داخل ہوئے تو مطعم کے بیٹے اور قوم کے لوگ ہتھیار پہن کر کھڑے تھے۔ مطعم اپنی سواری کے اونٹ پر کھڑا ہو گیا اور بلند آواز سے اعلان کیا: قریش کی جماعت! میں نے محمد (ﷺ) کو پناہ دے دی ہے، لہٰذا کوئی ان کی ہجو نہ کرے۔ اللہ کے رسول ﷺ حجر اسود کے پاس تشریف لائے، اسے بوسہ دیا، دو رکعت نماز ادا فرمائی، پھر اپنے گھر تشریف لے گئے۔ اس دوران میں مطعم اور اس کے بیٹوں نے رسول اللہ ﷺ کو چاروں طرف سے حفاظتی گھیرے میں لے رکھا تھا۔

اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور وہ مجھ سے ان بدبودار لوگوں کے بارے میں بات کرتا تو میں اس کی خاطر انھیں چھوڑ دیتا۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مطعم کے پناہ دینے کے بعد رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ رات اسی کے ہاں گزاری۔ صبح کے وقت اس کے چھ یا سات بیٹے اپنی گردنوں میں تلواریں لٹکائے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے اور مسجد الحرام میں داخل ہوئے۔ کہنے لگے: آپ طواف کیجیے! وہ اپنی تلواروں کے پٹے لپیٹ کر، خوب چاق و چوبند ہو کر مطاف میں بیٹھ گئے۔ یہ منظر دیکھ کر ابوسفیان یا ابوجہل دونوں میں سے کوئی ایک مطعم کے پاس آیا۔ پوچھا: تم نے انھیں پناہ دی ہے یا ان کے پیروکار بن گئے ہو؟

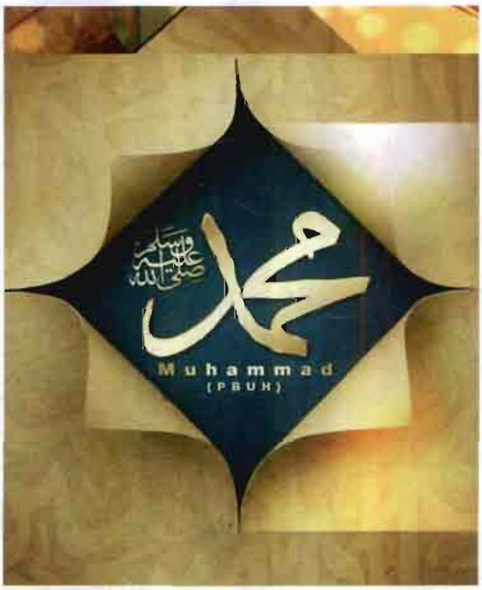
مطعم نے جواب دیا: صرف پناہ دی ہے۔

ابوسفیان کہنے لگا: پھر تم سے بے وفائی نہیں کی جائے گی۔

ابوسفیان مطعم کے پاس بیٹھ گیا۔ اس دوران میں اللہ کے رسول ﷺ نے طواف مکمل کر لیا۔ جب آپ واپس تشریف لے جانے لگے تو سبھی آپ کے ساتھ آپ کے گھر تک گئے۔ ابوسفیان اپنی مجلس کی طرف چلا گیا۔

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ کی بے شمار خوبیوں میں ایک خوبی یہ بھی تھی کہ آپ اپنے ساتھ اچھا سلوک کرنے والوں کو کبھی نہیں بھولتے تھے۔ کسی شخص نے زندگی کے کسی حصے میں آپ کے ساتھ عمدہ سلوک کیا تو آپ نے اسے یاد رکھا اور مناسب وقت پر اس سے بڑھ کر بدلہ دیا، یہ اعلیٰ اخلاق کی بلند ترین منزل ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو کچھ ہی عرصے کے بعد مطعم کا انتقال ہو گیا۔

مطعم نے رسول اللہ ﷺ کو طائف سے واپسی پر پناہ دینے سے کہیں پہلے بائیکاٹ کی ظالمانہ دستاویز کو چاک کرنے میں بھی اہم کردار ادا کیا تھا، یہی وجہ ہے کہ جب اس کا انتقال ہوا تو سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس کا مرثیہ پڑھا۔



اللہ کے رسول ﷺ نے مطعم بن عدی کے احسانات کا بدلہ اس طرح دیا کہ غزوۂ بدر میں مشرکین کے ستر قیدی مدینہ طیبہ آئے تو آپ نے ان قیدیوں کے بارے میں فرمایا:

(لَوْ كَانَ الْمُطْعِمُ بْنُ عَدِيٍّ حَيًّا ثُمَّ كَلَّمَنِي فِي هٰؤُلَاءِ النَّتْنٰى لَتَرَكْتُهُمْ لَهُ)

''اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور وہ مجھ سے ان بدبودار لوگوں کے بارے میں بات کرتا تو میں اس کی خاطر انھیں چھوڑ دیتا۔''

صحيح البخاري، حديث: 3139، و سنن أبي داود: 2689، والسيرة النبوية لمهدي رزق الله: 226، 230، والبداية و النهاية: 3/384، و الرحيق المختوم: 152، و السيرة النبوية للصلابي: 1/360-365.

قارئین کرام! اس کو کہتے ہیں اخلاق، یہ ہے مروت! جس کسی نے کبھی نبی کریم ﷺ پر احسان کیا، آپ نے اس سے بڑھ کر بدلہ دیا۔ آپ کے اسی اخلاق نے آپ کے دشمنوں تک کو آپ کا گرویدہ بنا دیا تھا۔

کیا تم اپنی بہن کے لیے اسے پسند کرو گے؟

ہم میں سے کوئی بھی شخص اگر رسول اللہ ﷺ کی مبارک سیرت کا مطالعہ کرے گا تو اسے معلوم ہو گا کہ آپ کے اور آپ کے صحابہ کے درمیان بہت قریبی رابطہ اور ہم آہنگی تھی۔ صحابۂ کرام آپ سے شدید محبت کرتے تھے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے، آپ کو اپنے احوال سے آگاہ کرتے، آپ سے گھریلو مسائل میں مشورہ کرتے۔ کسی کی بیٹی جوان ہو جاتی تو وہ آپ سے عرض کرتا: اللہ کے رسول ﷺ میری بیٹی بالغ ہو گئی ہے، آپ کی نگاہ میں کوئی مناسب رشتہ ہو تو رہنمائی فرمائیں۔ آپ کا اخلاق اتنا عظیم تھا کہ صحابہ کرام بغیر کسی خوف و جھجک کے آپ ﷺ سے سوالات کرتے اور ان کے شافی جوابات پاتے۔

اللہ کے رسول ﷺ اپنے صحابہ کی تربیت کرتے۔ آیئے! آپ کی تربیت کے انداز کے حوالے سے ایک خوبصورت واقعہ پڑھتے ہیں:

اللہ کے رسول ﷺ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ مسجد نبوی میں تشریف فرما ہیں۔ ایک نوجوان مجلس میں داخل ہوا۔ وہ آپ سے سوال کرنا چاہتا ہے۔ کوئی ایسا ویسا سوال! اس جیسا سوال کوئی اپنے باپ، اپنے بھائی یا اپنے دوست سے بھی کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ آج تک اس قسم کا سوال شاید ہی کسی نے اپنے قائد، اپنے مربی سے کیا ہو؟ اللہ کے رسول ﷺ نے اس کی طرف التفات فرمایا، اس نوجوان کی طرف محبت بھری نظروں سے دیکھا تو وہ گویا ہوا: (يَا رَسُولَ اللّٰهِ ائْذَنْ لِي فِي الزِّنَا) ”اللہ کے رسول! مجھے زنا کی اجازت دے دیجیے۔“

صحابہ کرام نے سنا تو حیران رہ گئے، بڑے متعجب ہوئے۔ بھلا کسی عام شخص سے بھی کوئی اس قسم کا سوال بھی کر سکتا ہے۔ اور یہ اللہ کے آخری رسول امام الانبیاء والمرسلین سے اس قسم کا سوال کر رہا ہے۔ وہ بیک زبان اسے کہہ رہے ہیں: (مَهْ مَهْ) ''ارے رک جاؤ، ارے رک جاؤ۔'' یہ کس قسم کا سوال کر رہے ہو؟ کس شخصیت سے یہ سوال کر رہے ہو جو کائنات کے باسیوں کو پاک صاف کرنے، ان کا تزکیۂ نفس کرنے کے لیے تشریف لائی ہے۔ اس قبیح حرکت کو تو اسلام نے سختی سے مسترد کر دیا ہے۔ اگر کوئی شادی شدہ ہے تو اس کی سزا اتنی شدید ہے کہ اس کا تصور بھی مشکل ہے۔



قارئین کرام! آگے بڑھنے سے پہلے میں آپ کی توجہ اس طرف ضرور دلاؤں گا کہ کیا آج کے حکمرانوں میں سے کسی سے یا کسی وزیر، مشیر سے کوئی شخص اس قسم کا سوال کر سکتا ہے؟ پہلی بات تو یہ کہ کسی کی جرأت ہی کہاں؟ اور اگر کوئی ایسا سوال کر بیٹھے تو ممکن ہے اسے جیل بھجوا دیا جائے، اسے مارا پیٹا جائے۔ مگر یہاں رحمۃ للعالمین ہیں۔ اپنی امت کے سب سے بڑے خیر خواہ سے ایسا بیہودہ سوال کیا جا رہا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے محبت بھری نگاہوں سے اس نوجوان کو دیکھا، صحابہ کرام سے فرمایا: (دَعُوهُ) ''اسے چھوڑ دو۔'' سوال کرنے دو۔ اور پھر اس نوجوان سے فرمایا: (اُدْنُهْ) ''قریب ہو جاؤ۔''

نوجوان اللہ کے رسول ﷺ کے قریب ہو گیا حتی کہ آپ کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھ گیا۔ اب دیکھیے اللہ کے رسول ﷺ کی تربیت کا انداز کہ آپ نے نہ تو ڈانٹا نہ ہی طعنہ دیا اور نہ ہی یہ فرمایا: ارے پاگل! اس قسم کے بھی سوالات کوئی کرتا ہے۔ تمھیں جرأت کیسے ہوئی؟ بلکہ ایک مشفق باپ کی طرح اللہ کے رسول ﷺ اس سے بڑی محبت اور پیار سے بڑے عمدہ انداز میں سوال کرتے ہیں؟

(أَتُحِبُّهُ لِأُمِّكَ) ''کیا تم پسند کرتے ہو کہ ایسی حرکت کوئی شخص تمھاری ماں سے کرے؟'' نوجوان جواب میں عرض کرتا ہے: (لَا وَاللّٰهِ جَعَلَنِي اللّٰهُ فِدَاكَ) ''میں آپ پر قربان، میں ہرگز اپنی ماں کے لیے ایسی حرکت پسند نہیں کروں گا۔''

ارشاد فرمایا: ساتھی! (فَكَذٰلِكَ النَّاسُ لَا يُحِبُّونَهُ لِأُمَّهَاتِهِمْ) ''اسی طرح لوگ اپنی ماؤں کے ساتھ ایسی حرکت پسند نہیں کرتے۔''

''اے اللہ! اس کے گناہوں کو معاف کر دے۔ اس کے دل کو صاف کر دے اور اس کی شرم گاہ کی حفاظت فرما۔''

اللہ کے رسول ﷺ اس نوجوان سے اگلا سوال کر رہے ہیں: (أَتُحِبُّهُ لِابْنَتِكَ؟) ''کیا تم پسند کرتے ہو کہ کوئی شخص یہی حرکت تمھاری بیٹی کے ساتھ کرے؟''

وہ نوجوان کہنے لگا: میں آپ پر قربان جاؤں، میں ہرگز اپنی بیٹی کے ساتھ ایسی حرکت پسند نہیں کروں گا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''کوئی بھی شخص اسے اپنی بیٹی کے ساتھ ایسا عمل پسند نہیں کرتا۔''

اللہ کے رسول ﷺ اس سے پوچھ رہے ہیں: ''بتاؤ اگر یہی حرکت کوئی تمھاری بہن کے ساتھ کرے تو تمھیں کیسا لگے گا؟''

نوجوان کہنے لگا: (لَا وَاللّٰهِ جَعَلَنِي اللّٰهُ فِدَاكَ) ''اللہ کی قسم! نہیں، میں آپ پر فدا ہو جاؤں، میں قطعاً پسند نہیں کروں گا۔''

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: (فَكَذٰلِكَ النَّاسُ لَا يُحِبُّونَهُ لِأَخَوَاتِهِمْ) ''لوگ بھی اسے اپنی بہنوں کے لیے پسند نہیں کرتے۔''

قارئین کرام! ذرا غور کیجیے کہ اللہ کے رسول ﷺ کس حکمت، کس پیار اور محبت کے ساتھ ایک ایک رشتے کا نام لے کر اس نوجوان سے سوال کر رہے ہیں۔ اگلا سوال کیا: ''اچھا بتاؤ! کوئی یہی حرکت تمھاری پھوپھی کے ساتھ کرے تو؟''

اس نے یہی جواب دیا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میں اپنی پھوپھی کے ساتھ بھی اس غلط کام کو برداشت نہیں کر سکتا۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''کوئی بھی شخص اپنی پھوپھی کے ساتھ اس غلط حرکت کو برداشت نہیں کر سکتا۔'' اس سے اگلا سوال آپ نے خالہ کے حوالے سے کیا: ''کوئی شخص تمھاری خالہ کے ساتھ یہ کرے تو؟'' اس نوجوان نے پھر کہا: اللہ مجھے آپ پر فدا کرے، میں اپنی خالہ کے ساتھ بھی اس حرکت کو کبھی برداشت نہیں کروں گا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لوگ بھی اپنی خالہ کے ساتھ اس قسم کی حرکت کو برداشت نہیں کرتے۔'' آخر میں نبی کریم ﷺ نے ساری بات کا خلاصہ بیان فرما دیا۔ ارشاد ہوا: (فَاكْرَهْ مَا كَرِهَ اللّٰهُ) ''اسے ناپسند کرو جسے اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔'' کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بے حد مہربان ہے۔ وہ ان کے لیے وہی چاہتا ہے جس سے وہ ہلاکت سے بچ جائیں۔

(وَأَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ)

''لوگوں کے لیے وہی چیز پسند کرو جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو۔''

نوجوان کو معلوم ہو چکا ہے کہ جو میں نے سوال کیا تھا، نہایت غلط تھا، مجھے ایسا سوال نہیں کرنا چاہیے تھا، اس لیے وہ عرض کرتا ہے کہ اللہ کے رسول (ﷺ)! میرے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ میرے دل کو صاف اور میرے کردار کو پاک کر دے۔ مراد یہ کہ اس قسم کے وساوس اور شیطانی خیالات کو دل سے نکال دے۔

وہ رؤوف و رحیم نبی ﷺ اس نوجوان کے سینے پر دستِ شفقت رکھتے ہیں اور اللہ کی بارگاہ میں اس

طرح دعا فرماتے ہیں: (اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَهُ، وَطَهِّرْ قَلْبَهُ وَحَصِّنْ فَرْجَهُ) ''اے اللہ! اس کے گناہوں کو معاف کر دے۔ اس کے دل کو صاف کر دے اور اس کی شرم گاہ کی حفاظت فرما۔''

مسند أحمد: 256/5، 257، و سلسلة الأحاديث الصحيحة، حديث: 370، والمعجم الكبير للطبراني: 163/8، 183، حديث: 7679، 7759، و السنن الكبرى للبيهقي: 161/9.

اللہ کے رسول ﷺ نے اپنا مبارک ہاتھ اس نوجوان کے سینے پر رکھا، اس کی ٹھنڈک سے جو سکون اور چین ملا، وہ پوری زندگی اس نوجوان کو نہیں بھولا۔ آپ ﷺ کی دعا کی برکت سے تمام شیطانی وساوس ختم ہو گئے۔ اس کا ذہن صاف ہو گیا۔ اس کی نگاہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اِدھر اُدھر دیکھنے کے بجائے زمین کی طرف گڑی رہتی تھیں۔ اس لیے کہ جو آنکھیں حرام چیزیں دیکھنے سے رک جائیں انھی کو اللہ کا دیدار نصیب ہوگا۔ حرام نظریں اٹھانے والوں کو روز قیامت اللہ کے دیدار سے محروم کر دیا جائے گا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے نہایت بہترین انداز میں نہایت حکمت سے اس سے ایسے سوالات کیے جن سے اس کے دل ودماغ میں جو شیطانی خیالات تھے سب دور ہو گئے۔ وہ ہر سوال کے جواب میں انکار کرتا ہے کہ نہیں میں ایسا برداشت نہیں کر سکتا۔

اس کا سبب اور حکمت یہ تھی کہ عربوں کے ہاں عورت کی عزت اور شرافت کا بہت زیادہ مرتبہ تھا۔ یہ لوگ تو اتنے غیور تھے کہ بیٹیاں پیدا ہوتیں تو بعض لوگ ان کو عار کے ڈر سے زندہ درگور کر دیتے۔ بچیاں جوان ہوتیں تو ان کی عزت وعصمت کی نہایت اچھے طریقے سے حفاظت کرتے۔ آزاد عورت کا زنا میں مبتلا ہونا ان کے لیے بے حد باعث ننگ وملامت تھا۔

قارئین کرام! یہ تھا آپ کے محبوب اور پیارے رسول ﷺ کا اخلاق، آپ ﷺ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اسے نہایت محبت سے بھی جواب دیتا تو کہہ دیتا: ''جاؤ میاں! تمھارے لیے ایسے کام کے لیے کوئی رخصت نہیں۔'' لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے اس سے ایسے نفسیاتی سوالات کیے جن کا جواب سوائے ''نہ'' کے کچھ نہ تھا۔ اسی لیے فرمایا کہ کوئی شخص بھی نہیں چاہتا کہ اس کی محرمات کے ساتھ کوئی ایسی حرکت کرے، لہٰذا تم یہ شیطانی خیال ذہن سے نکال دو۔ یوں چند حکیمانہ جملوں سے آپ ﷺ نے اس کی کایا پلٹ دی۔ کیا آپ نے کوئی آپ ﷺ جیسا مربی اور مزکی دیکھا یا سنا ہے؟



ان کھجوروں کو پورے ڈھیر پر پھیلا دیں

غزوۂ تبوک 9 ہجری میں پیش آیا۔ اسلامی تاریخ میں اس غزوہ کی بے حد اہمیت ہے۔ تبوک مدینہ طیبہ سے شمال کی جانب کم وبیش آٹھ سو کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ اس غزوہ میں خرچ کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو شوق دلایا۔ انہیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے صدقہ کرنے والوں کے لیے بہت بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے، اس لیے ہر کسی نے اپنی طاقت سے بڑھ کر خرچ کیا۔ اس غزوہ کو (جَيْشُ الْعُسْرَةِ) بھی کہا جاتا ہے۔ قارئین کرام! آیئے پڑھتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس غزوہ میں عطیات دینے والوں کی کس طرح حوصلہ افزائی فرمائی اور کس طرح اپنے اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ فرمایا۔

سیدنا عبدالرحمٰن بن خباب سُلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''جیش العسرۃ'' کے متعلق خرچ کرنے کی ترغیب دلا رہے تھے تو میں اس وقت وہاں موجود تھا۔ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کی: اللہ کے رسول! میں ایک سو اونٹوں کا مع ساز وسامان ذمہ لیتا ہوں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں اپنے ساتھیوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی پھر ترغیب دلا رہے ہیں کہ اللہ کی راہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لو۔ ایک مرتبہ پھر سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر عرض کرتے ہیں: اللہ کے رسول! میں ایک سو اونٹ مزید مع ساز وسامان مجاہدین کے لیے پیش کرتا ہوں۔

''عثمان آج کے بعد جو بھی عمل کرے اس پر کوئی گرفت نہیں''۔

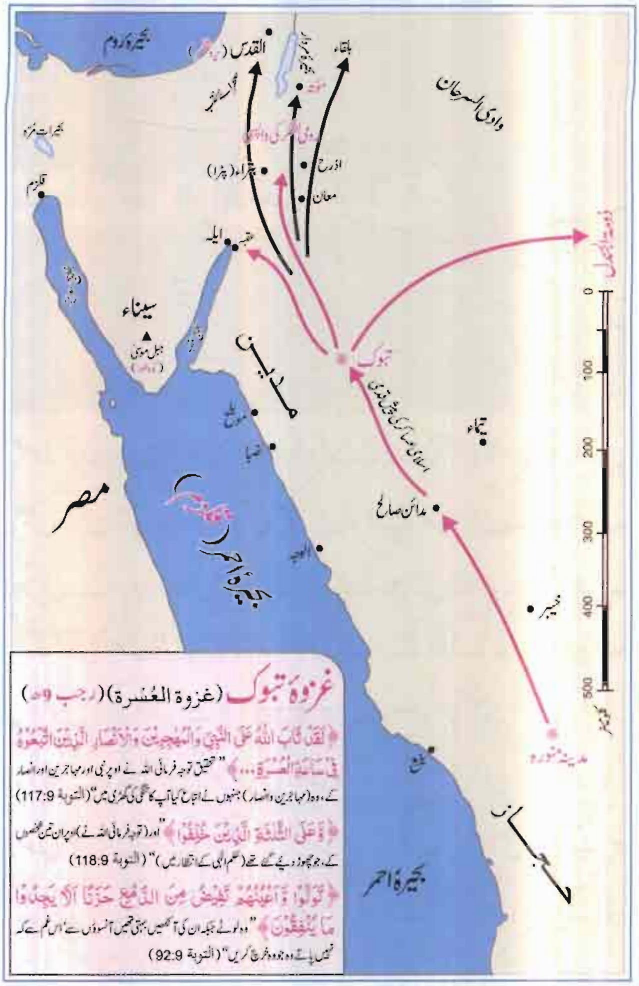
قارئین کرام! دوسو اونٹ مع سامان کوئی معمولی عطیہ نہ تھا۔ مگر اس غزوہ کے لیے تو بہت زیادہ سامان، اونٹ، گھوڑے اور نقد مال درکار تھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پھر ساتھیوں کو ترغیب دلا رہے ہیں۔

ایک مرتبہ پھر سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوتے ہیں۔ وہ مزید ایک سو اونٹوں کا عطیہ دے رہے ہیں۔ اللہ کے رسول! اب میری طرف سے تین سو اونٹ پیش خدمت ہیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بار بار لوگوں سے خرچ کرنے کے لیے کہہ رہے ہیں اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اونٹوں میں اضافہ کرتے چلے جاتے ہیں۔ صرف اونٹ ہی نہیں بلکہ سو گھوڑے بھی بطور عطیہ دیے جا رہے ہیں۔

عبدالرحمٰن بن خباب سُلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے دیکھا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم منبر کی سیڑھی سے نیچے اترتے ہوئے اپنے ساتھی کی اس طرح حوصلہ افزائی فرما رہے ہیں:

(مَا عَلَى عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذَا) ''عثمان آج کے بعد جو بھی عمل کرے اس پر کوئی گرفت نہیں''۔



آپ پھر فرما رہے ہیں: (مَا عَلَى عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذَا) ''عثمان آج کے بعد جو بھی عمل کرے اس پر کوئی گرفت نہیں''۔

قارئین کرام! سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے قائد کی طرف سے حوصلہ افزائی اور جنت کی خوش خبری ملی ہے۔ یہ کوئی معمولی پذیرائی تو نہ تھی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنے گھر تشریف لے جاتے ہیں۔ اپنی چادر میں ایک ہزار دینار ڈالتے ہیں اور انہیں لے کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں لے کر الٹنا پلٹنا شروع کیا۔ اور پھر اپنے ساتھی کو یہ اعزاز دیا کہ ارشاد فرمایا:

(مَا ضَرَّ ابْنَ عَفَّانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ)

آج کے بعد عفان کا بیٹا (عثمان رضی اللہ عنہ) جو کام چاہے کرے، اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ سیرت نگاروں کے مطابق سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے غزوۂ تبوک میں نو سو اونٹ، سو گھوڑے اور ایک ہزار دینار نقد

پیش کیے۔ اللہ کے رسول ﷺ بار بار یہ الفاظ دہرا رہے تھے۔

جامع الترمذي، حديث:3700، 3701، ومسند أحمد:63/5، و الرحيق المختوم ، ص:411.

قارئین کرام! ہم نے اوپر اس شخصیت کے بارے میں پڑھا جنہوں نے غزوۂ تبوک میں سب سے زیادہ عطیہ دیا۔ اب آیئے اس شخص کے بارے میں جانتے ہیں جنھوں نے اس غزوہ میں سب سے کم عطیہ دیا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے عطیہ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

ابو عقیل رضی اللہ عنہ ایک انصاری صحابی تھے۔ ان کے پاس مال و دولت کی فراوانی نہ تھی مگر دل اللہ کے رسول ﷺ کی شدید محبت سے معمور تھا۔ رات بھر محنت مزدوری کرتے رہے جس کا معاوضہ انہیں ایک صاع یعنی ڈھائی کلو کھجوریں ملیں۔ ان میں سے وہ آدھی کھجوریں تو اپنے گھر والوں کو دے آئے کہ گھر میں بھی کچھ نہ تھا۔ باقی کھجوریں لے کر وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ یقیناً وہ شرما رہے ہیں کہ میں کیا لے کر آیا ہوں؟ جہاں دیگر لوگوں نے اتنے بڑے بڑے عطیات دیے ہیں۔ مسجد نبوی کے صحن میں لوگوں کے عطیات کا ڈھیر لگا ہوا ہے ادھر منافقین انہیں دیکھ کر اشارے کر رہے ہیں۔ انہیں عار دلا رہے ہیں کہ دیکھو میاں! اللہ و رسول تمہاری ان چند کھجوروں کے محتاج تو نہیں ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے ساتھی کو دیکھا اور پھر آپ کے اعلیٰ اخلاق کو تو دیکھیے کہ آپ نے حکم دیا کہ ابو عقیل کی کھجوروں کو عطیات کے تمام ڈھیر کے اوپر پھیلا دیا جائے، چنانچہ ان کی کھجوروں کو تمام ڈھیر کے اوپر پھیلا دیا گیا۔ ابو عقیل رضی اللہ عنہ کھجوروں کی دربارِ نبوی میں اس قبولیت پر منافقین اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

صحيح البخاري، حديث:4668، صحيح مسلم، حديث: 1018، المعجم الكبير للطبراني:45/1.

اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی امت کو یہ درس دیا کہ اسلام میں دینے والے کی نیت کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ کس جذبے کا حامل ہے۔ اگر وہ کم عطیہ بھی دیتا ہے تو بھی بعض اوقات اخلاص کی بنیاد پر یہ بڑے بڑے عطیات پر سبقت لے جاتا ہے۔

محمد
صلی اللہ علیہ وسلم

72 اخلاقِ نبوی

ہم انبیاء آنکھوں سے اشارے نہیں کیا کرتے

عبداللہ بن سعد بن ابی سرح صلح حدیبیہ سے پہلے اسلام قبول کرتا ہے۔ یہ قریشی تھا اور سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا رضاعی بھائی تھا۔ اسلام پر سختی سے کاربند رہنے والا عبداللہ جلد ہی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتماد حاصل کر لیتا ہے۔ یہ پڑھنا لکھنا جانتا تھا۔ اس لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیگر صحابہ کرام کے ساتھ کاتب وحی مقرر کیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ جب آپ پر وحی کا نزول ہوتا تو فوراً بعد کسی نہ کسی کاتبِ وحی کو طلب فرماتے اور جو آیات نازل ہوتیں انہیں فوراً املا کروا دیتے۔ ایک مرتبہ سورۃ المؤمنون کی آیات نازل ہوئیں تو اس کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بلوا بھیجا۔ اس نے دانستہ غلط آیات لکھ دیں اور مرتد ہو کر مکہ مکرمہ بھاگ گیا۔ مکہ مکرمہ پہنچ کر اس نے اپنے پرانے دین کو اپنانے کا اعلان کر دیا اور لوگوں کو بتایا کہ اس نے کس طرح قرآن کریم میں تحریف کرنے کی کوشش کی ہے۔



فتح مکہ مکرمہ کے روز جب اللہ کے رسول ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ نے حکم جاری فرمایا کہ آٹھ مرد اور تین عورتیں ایسی ہیں جن کو ہر حال میں قتل کر دیا جائے۔ان آٹھ مردوں میں ایک عبداللہ بن سعد بن ابی سرح بھی شامل تھا۔اعلان ہوا کہ یہ لوگ اگر غلافِ کعبہ کے ساتھ بھی چمٹے ہوئے ہوں تو بھی ان کو قتل کر دیا جائے۔

اللہ کے رسول ﷺ کے حلم، آپ کے عفوودرگزر اور اعلیٰ اخلاق کو ملاحظہ کریں کہ ان بڑے بڑے مجرموں میں سے بھی بعض لوگوں کو معاف کر دیا گیا۔ فتح مکہ مکرمہ کے روز یہی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس آتا ہے اور ان سے امان طلب کرتا ہے۔ وہ ان کے گھر میں چھپ جاتا ہے۔ جب تھوڑا سا وقت گزر جاتا ہے تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اسے لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور آپ سے عفوودرگزر اور معافی کے طلب گار ہوتے ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ خاصی دیر تک خاموش رہتے ہیں۔

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ سے امان طلب کی گئی ہے۔عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کا جرم کوئی معمولی نہ تھا۔اس شخص نے اسلام اور وحی کے پورے نظام کو ڈھانے کی کوشش کی تھی یہ شخص کسی بھی صورت میں معافی کے قابل نہ تھا۔

مگر اللہ کے رسول ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کو دیکھیے کہ آپ خاصی دیر تک خاموش رہتے ہیں اور پھر ارشاد ہوتا ہے: (نَعَمْ) چلو ٹھیک ہے اسے امان دی جاتی ہے، اس کی معافی قبول ہے۔ جیسے ہی آپ نے اسے معافی دی، اس کی سزائے موت منسوخ ہو چکی ہے کہ قائد اعلیٰ ﷺ نے اسلام کے اس بڑے دشمن کو بھی معاف کر دیا ہے۔

فتح مکہ کے دن اعلان ہوا کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح سمیت آٹھ لوگ اگر غلافِ کعبہ کے ساتھ بھی چمٹے ہوئے ہوں تو بھی ان کو قتل کر دیا جائے۔

تھوڑی دیر بعد عبداللہ بن سعد بن ابی سرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ عفو و درگزر سمیٹتے ہوئے واپس چلا جاتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے اردگرد صحابہ کرام کی طرف دیکھا اور ان سے ارشاد فرمایا:

(أَمَا كَانَ فِيكُمْ رَجُلٌ رَشِيدٌ؟) ''کیا تم میں کوئی ایسا سمجھدار آدمی نہ تھا؟''

(يَقُومُ إِلَى هٰذَا حِينَ رَآنِي قَدْ صَمَتُّ) ''جس دوران میں نے کوئی جواب نہ دیا تھا''

(فَيَقْتُلَهُ) اسی اثنا میں اسے قتل کر دیتا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: اللہ کے رسول، آپ اشارہ فرما دیتے تو ہم اسے قتل کر دیتے۔

قارئین کرام! اسے کہتے ہیں اعلیٰ اخلاق۔ آپ ﷺ نے جو ارشاد فرمایا، آیئے اسے پڑھتے ہیں: (إِنَّ النَّبِيَّ لَا يَقْتُلُ بِالْإِشَارَةِ) ''نبی کسی کو اشارے سے قتل نہیں کیا کرتا''۔

ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں: (إِنَّهُ لَا يَنْبَغِي لِنَبِيٍّ أَنْ تَكُونَ لَهُ خَائِنَةُ الْأَعْيُنِ)
''آنکھ کا وہ اشارہ جو خیانت پر مبنی ہو منصب نبوت کے شایانِ شان نہیں۔''

سنن أبي داود، حديث: 2683 و 4359، و صحيح السيرة النبوية لإبراهيم العلي: 527، والسيرة النبوية للصلابي: 546/2، والبداية والنهاية: 549/4.



اللہ اور اس کا رسول تم لوگوں کو سچا سمجھتے ہیں

مکہ مکرمہ فتح ہو چکا ہے۔ اگر صفا پہاڑی کے اوپر کھڑے ہوں تو بیت اللہ بہت قریب اور واضح نظر آتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ بیت اللہ کے طواف سے فارغ ہوئے تو صفا کی جانب تشریف لے گئے۔ قدرے اونچی جگہ پر کھڑے ہو گئے۔ سامنے بیت اللہ شریف نظر آ رہا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے بیت اللہ کو دیکھا تو اپنے مبارک ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھا لیا۔ آپ لمبی دعائیں مانگ رہے ہیں۔

انصار نیچے کھڑے اپنے محبوب قائد کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ ایک انصاری صحابی کی زبان سے الفاظ نکلتے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ کو اپنے شہر سے محبت اور آپ کے دل میں اپنی قوم سے نرمی پیدا ہوگئی ہے، لہٰذا اب آپ ﷺ یہیں قیام فرمائیں گے۔

قارئین کرام! اس واقعہ کے راوی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس دوران آپ پر وحی آ گئی۔ جب وحی کا نزول ہوتا تو ہر کسی کو معلوم ہو جاتا کہ وحی کا نزول ہو رہا ہے، اس لیے وحی کے اختتام تک ادباً کوئی بھی شخص آپ ﷺ کی طرف نگاہ نہ اٹھاتا تھا۔

جب وحی مکمل ہوئی تو اللہ کے رسول ﷺ نے مسکراتے ہوئے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور ارشاد فرمایا:

(يَامَعْشَرَ الْأَنْصَارِ! أَقُلْتُمْ أَمَّا الرَّجُلُ فَأَدْرَكَتْهُ رَغْبَةٌ فِي قَرْيَتِهِ وَرَأْفَةٌ بِعَشِيرَتِهِ)

''اے گروہِ انصار! تم نے کہا ہے کہ اس بندے (رسول اللہ ﷺ) کو اپنے شہر سے محبت اور قوم سے نرمی نے آلیا ہے۔''

''اے گروہِ انصار! تم نے کہا ہے کہ اس بندے رسول اللہ ﷺ کو اپنے شہر سے محبت اور قوم سے نرمی نے آلیا ہے۔''

انصار نے عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ! واقعی ہم نے ایسی بات تو کہی ہے۔

قارئین کرام! وفا اسی کا نام ہے اور اسی کو اعلیٰ اخلاق کہتے ہیں۔ آیئے پڑھتے ہیں کہ ہمارے پیارے رسول رحمت ﷺ نے انصار کو جواب میں کیا فرمایا۔ آپ ارشاد فرما رہے ہیں:

(فَمَا اسْمِي إِذاً) ''تو پھر میرا کیا نام ہوگا''۔ (كَلَّا) ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ مراد یہ کہ میں مکہ مکرمہ میں نہیں، مدینہ طیبہ ہی میں رہوں گا۔ اور پھر آپ ﷺ کی انصار کے ساتھ محبت کا انداز ملاحظہ کریں کہ اگر انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ اور

آپ کے مہاجر ساتھیوں کے لیے اپنے دلوں کے دروازے کھول دیے تھے تو آپ ﷺ بھی ارشاد فرما رہے ہیں:

(إِنِّي عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُولُهُ هَاجَرْتُ إِلَى اللّٰهِ وَإِلَيْكُمْ)

''بلا شبہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں نے اللہ تعالیٰ کی طرف اور تمہاری جانب ہجرت کی تھی۔''

(فَالْمَحْيَا مَحْيَاكُمْ وَالْمَمَاتُ مَمَاتُكُمْ)

''اب تو میرا جینا بھی تمہارے ساتھ اور مرنا بھی تمہارے ساتھ ہے''۔

''بلا شبہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں نے اللہ تعالیٰ کی طرف اور تمہاری جانب ہجرت کی تھی۔''

اللہ اکبر! انصار آپ کی زبان اقدس سے ان محبت بھرے الفاظ کو سنتے ہیں تو ان پر گریہ طاری ہو جاتا ہے۔ وہ روتے ہوئے آپ کی طرف قدم بڑھا رہے ہیں، عرض کر رہے ہیں:

اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! ہم نے جو کچھ کہا تھا صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی شدید محبت اور چاہت کے پیش نظر کہا تھا۔

قارئین کرام! ادھر اللہ کے رسول ﷺ بھی اسی چاہت اور محبت کا اظہار کرتے ہوئے فرما رہے ہیں:

(فَإِنَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ يُصَدِّقَانِكُمْ وَ يَعْذِرَانِكُمْ)

''اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بھی (اس دعوے میں) تمہیں سچا سمجھتے ہیں اور تمہارا عذر قبول کرتے ہیں۔''

صحيح مسلم، حديث: 1780، و مسند أحمد: 538/2.

رحمت للعالمین ﷺ کی حیوانوں پر رحمت

اللہ کے رسول ﷺ کی مبارک زندگی کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حیوانوں کے ساتھ بھی بڑی محبت رکھتے تھے۔ آپ ﷺ ان کے لیے بھی رحمت تھے۔ آیئے ایک واقعہ پڑھتے ہیں:

اللہ کے رسول ﷺ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ کسی سفر میں تھے۔ مسلمانوں نے ایک جگہ رات گزارنے کے لیے پڑاؤ ڈالا اور اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ اسی دوران میں اللہ کے رسول ﷺ کسی ضروری کام کی غرض سے تھوڑی دیر کے لیے کیمپ سے باہر تشریف لے گئے۔ چند صحابہ درختوں کے ایک جھنڈ میں داخل ہوئے۔ انہیں وہاں ایک چڑیا دو چھوٹے چھوٹے بچوں سمیت نظر آئی۔ صحابہ نے وہ بچے اٹھا لیے۔ ماں کی ممتا کو چین نہیں آ رہا، وہ اپنے پروں کو پھڑ پھڑا رہی ہے۔





اللہ کے رسول ﷺ واپس کیمپ میں تشریف لائے۔ آپ چڑیا کی بے تابی ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (مَنْ فَجَعَ هٰذِهِ بِوَلَدِهَا؟) ''اسے اس کے بچوں کی وجہ سے کس نے تکلیف پہنچائی ہے؟'' (رُدُّوا وَلَدَهَا إِلَيْهَا) ''اس کے بچے اسے واپس کر دیجیے''۔ چنانچہ چڑیا کے بچوں کو چھوڑ دیا گیا۔

ایک دن رسول اللہ ﷺ نے چیونٹیوں کا جلا ہوا بل دیکھا تو پوچھا: اسے کس نے آگ لگائی ہے؟

ایک صحابی کہنے لگے: اللہ کے رسول! میں نے۔

آپ ﷺ نے ناراض ہو کر ارشاد فرمایا: جس رب نے آگ کو پیدا کیا ہے اس کے علاوہ کوئی آگ کا عذاب دے تو یہ مناسب نہیں۔

سنن أبي داود، حديث:2675، و مسند أحمد:404/1.

ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ ایک آدمی کے پاس سے گزرتے ہیں جس نے ایک بکری کو ذبح کرنے کی غرض سے زمین پر لٹایا ہوا تھا، اس نے ایک پاؤں بکری پر رکھا ہوا ہے اور چھری کو تیز کر رہا ہے۔ بکری چھری کی طرف دیکھ رہی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے اخلاق اور جانوروں کے ساتھ محبت کو ملاحظہ کیجیے:

آپ نے ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: (لَقَدْ أَرَدْتَ أَنْ تُمِيتَهَا مَوْتَاتٍ) "ایسا لگتا ہے کہ تم اسے کئی بار مارنا چاہتے ہو؟" آپ نے صحابی کو طریقہ سکھایا: (هَلَّا حَدَدْتَّهَا قَبْلَ أَنْ تُضْجِعَهَا) "اسے لٹانے سے پہلے چھری تیز کیوں نہ کر لی؟"

نصب الراية: 4/188، وسلسلة الأحاديث الصحيحة، حديث: 24.

اللہ کے رسول ﷺ ایک اونٹ کے پاس سے گزرے۔ (قَدْ لَحِقَ ظَهْرُهُ بِبَطْنِهِ) خوراک کی کمی اور کمزوری کے باعث "اس کا پیٹ اس کی کمر کے ساتھ لگ رہا تھا"۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان بے زبان جانوروں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو۔

(فَارْكَبُوهَا صَالِحَةً وَكُلُوهَا صَالِحَةً)

"اچھے انداز میں ان پر سواری کرو اور اچھے انداز میں انہیں ذبح کر کے کھاؤ"۔

سنن أبي داود، حديث: 2548، وسلسلة الأحاديث الصحيحة، حديث: 23.

آپ ﷺ دو آدمیوں کے پاس سے گزرے جو اپنے اپنے اونٹوں پر سوار ہو کر گپ شپ میں مصروف تھے۔ آپ کو اونٹوں پر رحم آیا۔ آپ نے سواریوں کو کرسیاں بنا کر ان پر بیٹھ کر گپ شپ لگانے سے منع فرما دیا۔ ارشاد ہوا:

(إِيَّاكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا ظُهُورَ دَوَابِّكُمْ مَنَابِرَ)

"خبردار! اپنے جانوروں کی پشتوں کو منبر بنا کر ان پر بیٹھ نہ جایا کرو"۔

سلسلة الأحاديث الصحيحة: 22۔

آپ ﷺ نے جانوروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیتے ہوئے واضح احکام دیے کہ بوقت ضرورت جانوروں پر سواری کی جائے اور جب سفر ختم ہو جائے، آپ اپنی منزل مقصود تک پہنچ جائیں تو انہیں ستانے کے لیے چھوڑ

"بلاشبہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں نے اللہ تعالیٰ کی طرف اور تمہاری جانب ہجرت کی تھی۔"

دیں کہ ان میں بھی جان ہے۔

مسند أحمد:3/439، والمستدرك للحاكم:1/444.

آپ ﷺ کے اخلاق کو دیکھیے، جانوروں کے ساتھ محبت ملاحظہ کیجیے کہ آپ نے سواری کے منہ پر نشان لگانے سے بھی منع فرمایا ہے۔

مصنف ابن أبي شيبة:5/407، حديث:20296.

اللہ کے رسول ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو جمعہ کا خطبہ دیتے ہوئے آپ کھجور کے ایک تنے سے ٹیک لگایا کرتے تھے۔ کچھ عرصہ گزرا، انصار کی ایک عورت نے پیش کش کی: میرے پاس ایک بڑھئی غلام ہے جو لکڑی کا بڑا اچھا کام کرتا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ کے لیے ایک منبر بنوادوں تاکہ آپ اس پر تشریف فرما ہو کر خطبہ دیا کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم چاہتی ہو تو ٹھیک ہے۔

اس انصاری عورت نے اپنے بڑھئی غلام سے کہہ کر لکڑی کا ایک منبر بنوادیا جسے محراب کے ساتھ رکھ دیا گیا۔ جب جمعہ کا مبارک دن آیا تو آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ وہ کھجور کا تنا آج اللہ کے رسول ﷺ کے لمس سے محروم ہو گیا تھا۔ اسے اتنا افسوس اور صدمہ ہوا کہ وہ دھاڑیں مار کر رونے لگا۔ صحابی کہتے ہیں: اس کی آواز یوں آرہی تھی جس طرح بیل ڈکارتا ہے۔ اس کی آواز سے مسجد نبوی گونج اٹھتی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ منبر سے نیچے اترتے ہیں، کھجور کے اس تنے کے ساتھ لپٹ جاتے ہیں۔ اسے پیار کرتے ہیں، اسے چمکارتے ہیں تو وہ آہستہ آہستہ چپ ہو جاتا ہے۔

قارئین کرام! یہ اللہ کے رسول ﷺ کا معجزہ تھا کہ جمادات بھی آپ کے ساتھ محبت کرتے تھے۔ کھجور کا تنا اب اس بچے کی طرح بلکنے لگا جسے تھپکی دے کر چپ کرایا جاتا ہے۔ آہستہ آہستہ کھجور کا تنا خاموش ہوتا چلا گیا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے۔ اگر میں اس سے نہ لپٹتا تو یہ قیامت تک اسی طرح روتا رہتا۔''

صحيح البخاري، حديث: 449، 2095 و سنن الدارمي، حديث: 42.

محبوب مشقت میں ہو تو محبّ کو آرام کیسے آئے؟

ابوخیثمہ انصاری رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے۔ ان کا نام مالک بن قیس تھا۔ وہ کوئی بہت زیادہ معروف اور نمایاں شخص تو نہ تھے، مگر ان کی بہت بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شدید محبت کرتے تھے۔ یہ محبت کوئی یک طرفہ نہ تھی بلکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان سے خوب محبت کرتے تھے۔ غزوۂ تبوک 9 ہجری میں ہوا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تیس ہزار صحابہ کرام تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کے لیے روانہ ہو چکے ہیں مگر ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ کسی وجہ سے لشکر کے ساتھ روانہ نہ ہو سکے۔ ایک دن، دو دن بلکہ کئی دن گزر چکے ہیں۔ مدینہ طیبہ میں وہ دن خاصا گرم تھا۔ ابوخیثمہ کی دو بیویاں تھیں۔ دونوں اپنے باغ میں گئیں۔ وہاں اپنا اپنا عریش یعنی چھپر بنایا۔ اس میں پانی کا چھڑکاؤ کیا۔ ٹھنڈے پانی کے اہتمام کے ساتھ ساتھ مزیدار کھانا تیار کیا۔ دونوں اپنے اپنے چھپر میں ابوخیثمہ کا انتظار کر رہی ہیں۔ ابوخیثمہ جب اپنے باغ میں پہنچے تو دونوں بیویوں نے ان کو دعوت دی کہ وہ ان کے چھپر میں آئیں۔ ان کے ہاں استراحت کریں۔ ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ چھپر کے دروازے پر پہنچے تو رک گئے۔ اس دور میں عریش (ہوادار چھپر) خصوصاً گرمیوں کے موسم میں بڑی آرام دہ جگہ ہوتی تھی۔ عریش میں مزیدار کھانے ٹھنڈا پانی اور حسین بیوی نظر آ رہی تھی۔



اچانک انہیں اللہ کے رسول ﷺ یاد آ گئے، آپ کی محبت، ان کے ساتھ پیار۔ کہنے لگے: اللہ کے رسول ﷺ تو دھوپ، گرم ہوا اور لو برداشت کر رہے ہوں، جبکہ ابو خیثمہ ٹھنڈے سایے تلے ہو اور عمدہ کھانوں سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔ بیویوں سے کہنے لگے: اللہ کی قسم! میں تم دونوں میں سے کسی کے ''عریش'' میں داخل نہ ہوں گا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ سے جا ملوں۔ بیویوں کو حکم دیا کہ فوراً زادِ راہ کا اہتمام کرو۔

قارئین کرام! تبوک مدینہ طیبہ کی شمالی جانب 750 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ دونوں بیویوں نے زادِ راہ تیار کیا۔ یہ کم وبیش دس بارہ دن کا سفر تھا۔ ان کا اونٹ لایا گیا۔ انہوں نے اس پر کجاوہ کسا، زادراہ رکھا، اونٹ کی مہار پکڑی اور تبوک کی راہ لی۔

ابو خیثمہ رضی اللہ عنہ کی خوش قسمتی کہ دورانِ سفر انہیں راستے میں عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ مل جاتے ہیں۔ وہ بھی کسی وجہ سے لیٹ ہو گئے تھے۔ اتنے لمبے سفر میں کوئی ساتھی مل جائے تو راستہ آسان ہو جاتا ہے۔ یہ دونوں منزلوں پر منزلیں مارتے، جلد از جلد تبوک کی طرف سفر کر رہے تھے۔ ابو خیثمہ رضی اللہ عنہ کے دل میں ایک کسک تھی، انہیں اپنی غلطی کا احساس تھا کہ میں مدینہ طیبہ سے اسلامی لشکر کے ساتھ کیوں نہیں نکلا۔ تبوک کے قریب پہنچے تو اپنے ہم راہی سیدنا عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے: بھائی! میں نے ایک گناہ کا کام کیا ہے۔ میری خواہش ہے کہ میں اکیلا ہی بارگاہ نبوی میں حاضری دوں، لہٰذا آپ سے گزارش ہے کہ آپ

تھوڑا سا پیچھے رہ جائیں۔ میرے بعد آپ حاضری دیں۔

سیدنا عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ نے ان کی بات مان لی اور تھوڑا پیچھے رہ گئے۔

ابوخیثمہ کے ذہن میں تھا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تاخیر کی وجہ سے میری سرزنش کریں گے، مجھے ڈانٹ پڑے گی، لہذا مجھے اکیلے میں بارگاہ رسالت مآب میں پہنچنا چاہیے۔

ادھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تبوک پہنچ کر پڑاؤ ڈال چکے ہیں۔ صحابہ کرام نے دیکھا کہ دور سے کوئی سوار آ رہا ہے۔ آپس میں چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں کہ کون ہوسکتا ہے؟

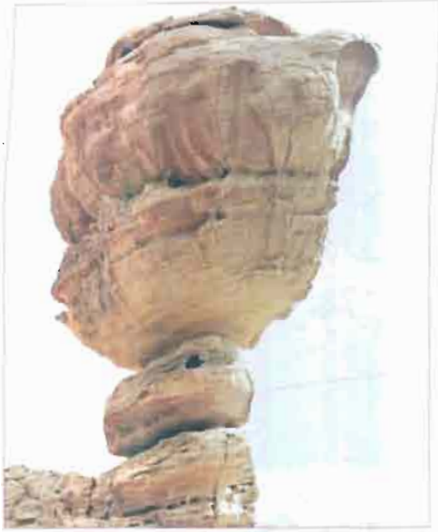
قارئین کرام! اسے محبت اور پیار کہتے ہیں کہ تیس ہزار کا لشکر ہے مگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کو دیکھیے کہ آپ کو اپنے ایک ایک ساتھی کا خیال ہے، اس کے بارے میں معلومات ہیں کہ کون ساتھ آیا ہے اور کون پیچھے رہ گیا ہے۔ ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ بھی سچے صحابی تھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے ساتھیوں کی زبانی سنا کہ ایک سوار آ رہا ہے تو آپ ارشاد فرما رہے ہیں: (كُنْ أَبَا خَيْثَمَةَ) ''ابوخیثمہ ہی ہو۔'' یہ ایک عربی اسلوب ہے جس کا معنی ہے: آنے والا اللہ نے چاہا تو ابوخیثمہ ہی ہوگا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے یہ الفاظ نکلے، ادھر وہ سوار اور قریب آ گیا۔ صحابہ کرام نے دیکھا، ان کو پہچان لیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ اللہ کے رسول! آنے والا ابوخیثمہ ہی ہے۔ ادھر ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ نے اپنی اونٹنی کو بٹھایا تو بڑے شوق اور محبت سے تیز قدموں سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آ کر سلام عرض کیا۔

ادھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کی آمد کی خوشی میں فرما رہے ہیں: (أَوْلٰى لَكَ يَا أَبَا خَيْثَمَةَ) ''ابوخیثمہ! تمھارا آنا ہی بہتر تھا۔''

ابوخیثمہ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے حالات کہہ

> اللہ کی قسم! میں تم دونوں میں سے کسی کے ''عریش'' میں داخل نہ ہوں گا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملوں۔



تبوک کے نزدیک واقع تاریخی آثار

سنائے کہ وہ کیونکر تاخیر کا شکار ہوئے۔ کس طرح ان کی بیویوں نے ان کے استقبال کی تیاریاں کر رکھی تھیں۔ سفر کی صعوبتیں، سفر میں کتنے دن لگے اور کیسے وہ یہاں پہنچے۔ اللہ کے رسول ﷺ اپنے ساتھی کی پر خطر داستان کو سنتے ہیں تو اپنے مبارک ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھا لیتے ہیں اور ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ کے لیے خیر اور بھلائی کی دعا مانگتے ہیں۔ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ مالک بن قیس نے اس واقعہ کے حوالے سے بڑے خوبصورت اشعار بھی کہے۔

ڈاکٹر علی محمد صلابی نے اس واقعے پر اپنے تبصرے میں لکھا ہے کہ مسلمان زندہ ضمیر ہوتا ہے۔ جب ابو خیثمہ رضی اللہ عنہ نے تازہ کھانا، ٹھنڈا پانی، ٹھنڈی چھاؤں، بہتر رہائش، خوبصورت بیویوں کے ساتھ پرسکون اور خوشحال زندگی کا رسول اللہ ﷺ کے سفر، دھوپ، گرمی اور تکلیفوں سے موازنہ کیا تو ضمیر جاگ اٹھا اور وہ فوراً نکل پڑے۔ اپنی کوتاہی کا تدارک کیا اور تبوک میں نبی ﷺ سے جا ملے اور آپ ﷺ کی رضا اور خوشنودی حاصل کر لی۔

اللہ کے رسول ﷺ کا ابوخیثمہ انصاری رضی اللہ عنہ کو پہچان لینا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ اپنے ساتھیوں کی عادات وخصائل سے خوب واقف تھے۔ آپ کو اپنے ساتھیوں کے بارے میں وسیع معلومات تھیں۔ یہ دلیل ہے کہ آپ ان کے انتہائی قریب تھے، گھل مل جاتے تھے، ان کی باتیں سنتے اور اپنی سناتے تھے۔

صحیح مسلم، حدیث: 2769، والسیرۃ النبویۃ لابن ھشام: 4/164، والبدایۃ والنھایۃ: 4/660، والسیرۃ النبویۃ للصلابي: 2/607-610.

قارئین کرام! کسی بھی قائد کی اعلیٰ خوبیوں اور اعلیٰ اخلاق میں یہ بات بڑی اہم ہے کہ وہ اپنے ایک عام ساتھی کا بھی خیال رکھتا ہو۔

میں تو دنیا میں ایک راہ چلتے مسافر کی طرح ہوں



اللہ کے رسول ﷺ کی مبارک زندگی پر اگر غور وفکر کریں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی زندگی نہایت سادہ تھی۔ آپ ﷺ چاہتے تو آپ کے لیے دنیا بھر کی دولت سمیٹ دی جاتی مگر آپ نے نہ صرف گھر سے باہر بلکہ گھر کے اندر بھی نہایت سادہ زندگی گزاری۔ آیئے اللہ کے رسول ﷺ کے حجرہ مبارک میں دیکھتے ہیں کہ آپ کا بستر کیسا تھا؟

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ کا بستر جس پر آپ سویا کرتے تھے رنگا ہوا چمڑا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔

صحيح البخاري، حديث:6456.

ایک مرتبہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول ﷺ کے گھر میں ان سے ملنے کے لیے جاتے ہیں۔ دروازے پر آپ کا ایک غلام بیٹھا ہوا تھا۔ اس سے کہنے لگے: میرے لیے اللہ کے رسول ﷺ سے اجازت طلب کرو۔ غلام اندر گیا اور اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کی کہ دروازے پر عمر بن خطاب ہیں جو اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جاؤ عمر سے کہو کہ اندر آ جائے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ آپ کھجور کی چٹائی پر لیٹے

ہوئے تھے۔ آپ ﷺ کے پہلو پر چٹائی کے نشانات پڑے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ کے سر کے نیچے چمڑے کا ایک تکیہ تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔

قارئین کرام! اوپر والا جو واقعہ آپ نے پڑھا، اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث نمبر 5843 میں نقل کیا ہے۔ مگر آیئے اسی طرح کا ایک اور واقعہ پڑھتے ہیں جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث نمبر 4913 اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث نمبر 1479 میں نقل کیا ہے جس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ امام الانبیاء سید ولد آدم ﷺ کی زندگی مبارک کس قدر سادہ تھی۔

> اللہ کے رسول! قیصر و کسریٰ کس قدر عیش و عشرت میں ہیں اور آپ اللہ کے رسول ہونے کے باوجود کس قدر عسرت اور سادگی سے زندگی بسر کر رہے ہیں!!

سیدنا عمر بن خطاب اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں ان کے گھر میں حاضر ہوتے ہیں۔ (واضح رہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی اہلیہ محترمہ تھیں) انہوں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ آپ کھجور کی ننگی چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں۔ چٹائی پر کوئی چادر، یا بچھونا نہ تھا۔ سر مبارک کے نیچے چمڑے کا تکیہ تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ آپ کے پاؤں کے پاس کیکر کے پتوں کی ایک گٹھڑی پڑی تھی۔ آپ کے سر کے پاس چند چمڑے لٹک رہے تھے۔ آپ کے پہلو پر چٹائی کے نشانات تھے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ سارا منظر دیکھا تو بے اختیار رونے لگے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: عمر! روتے کیوں ہو؟

جواب میں عرض کیا: اللہ کے رسول! قیصر و کسریٰ کس قدر عیش و عشرت میں ہیں اور آپ اللہ کے رسول ہونے کے باوجود کس قدر عسرت اور سادگی سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ کے اخلاق کو ملاحظہ فرمائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: عمر! کیا تم اس

مدائن میں واقع قیصر و کسریٰ کے محلات کے آثار



بات پر مطمئن نہیں کہ انہیں دنیا ملی ہے اور ہمیں آخرت ملے گی۔

آیئے اب اللہ کے رسول ﷺ کے گھر کے بارے میں تفصیلات آپ کے مشہور صحابی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنتے ہیں:

اللہ کے رسول ﷺ کھجور کی چٹائی پر سوئے۔ آپ کے جسم پر چٹائی کے نشان پڑ گئے۔ ہم نے عرض کی: اللہ کے رسول! آپ نے ہمیں اجازت کیوں نہیں دی کہ ہم آپ کے نیچے نرم بستر بچھا دیتے؟

اللہ کے رسول ﷺ کا جواب سنیے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرا دنیا سے کیا تعلق؟ میری اور دنیا کی مثال بس ایسے ہے جیسے ایک سوار شدید گرم دن میں روانہ ہوا۔ راستے میں اس نے ایک درخت کے سائے تلے تھوڑی دیر آرام کیا، پھر اٹھا اور سایہ چھوڑ کر چلا گیا۔

جامع الترمذي، حديث: 2377.

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ ایک پرانے سے خستہ حال پالان والی اونٹنی پر حج کو گئے۔ آپ کے جسم اطہر پر ایک چادر تھی جس کی قیمت چار درہم بھی نہ تھی۔

سنن ابن ماجه، حديث: 2890.

آؤ سب لوگ جابر کے گھر چلیں

غزوۂ خندق کے دوران خندق کی کھدائی میں رسول اللہ ﷺ نے بذاتِ خود حصہ لیا۔ یہ زمانہ ایسا تھا کہ صحابہ کرام کے ہاں فقر و فاقہ تھا۔ بعض اوقات پورا دن کھائے پیے بغیر گزر جاتا۔ اس کے باوجود صحابہ کرام بڑے جوش وخروش سے خندق کی کھدائی کر رہے ہیں۔ مٹی اٹھا اٹھا کر خندق کے کناروں کو مضبوط بنا رہے ہیں۔ رجز پڑھ رہے ہیں۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی خوبصورت اور شیریں آواز بلند ہو رہی ہے۔

اَللّٰهُمَّ لَوْ لَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

''اے اللہ! تو اگر ہمیں ہدایت نہ دیتا تو ہم صدقہ وخیرات کرتے نہ ہی نمازیں پڑھتے۔''

بعض اشعار کو لمبا کر کے پڑھ رہے ہیں۔ ساتھیوں میں جوش وخروش مزید بڑھ گیا ہے۔ وہ آگے بڑھ بڑھ کر زمین کھود رہے ہیں۔

اچانک ایک اور صحابی بلند آواز سے اشعار پڑھتے ہیں تو دوسرے بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے ہیں۔ خندق کی فضا گونج رہی ہے۔

نَحْنُ الَّذِينَ بَايَعُوا مُحَمَّدَا عَلَى الْإِسْلَامِ مَا بَقِينَا أَبَدَا

''ہم تو وہ لوگ ہیں جو محمد ﷺ سے بیعت کر چکے کہ جب تک جان میں جان ہے اسلام پر ثابت قدم رہیں گے۔''

صحابہ کرام کبھی لفظ اسلام کی جگہ جہاد بھی کہہ دیتے۔

اللہ کے رسول ﷺ اس کے جواب میں فرما رہے ہیں:۔

اَللّٰھُمَّ! لَا عَیْشَ إِلَّا عَیْشُ الْآخِرَہْ ۔ فَأَکْرِمِ الْأَنْصَارَ وَالْمُھَاجِرَہْ

''اے اللہ! زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔ انصار اور مہاجرین کو بخش دے۔''

اللہ کے رسول ﷺ نے کدال ہاتھ میں لی، بسم اللہ پڑھ کر چٹان پر ماری تو وہ بھربھری ریت کا ٹیلا سا بن گئی۔

صحابہ کرام اپنے کمانڈر انچیف' اپنے پیارے اور محبوب رسول ﷺ کی زبان اقدس سے یہ کلمات' یہ خوش خبری والے دعائیہ اشعار سنتے تو ان کے حوصلے بڑھ جاتے۔ کھدائی کے دوران چٹانیں بھی آتیں کہ ساری زمین ہی پتھریلی ہے۔ چھوٹی موٹی چٹانوں کو صحابہ کرام خود ہی توڑ لیتے۔ مگر ایک دن کھدائی کے دوران ایک بھاری چٹان آجاتی ہے۔ صحابہ کرام نے اسے توڑنے کی کوشش کی مگر وہ ٹوٹ نہیں رہی۔ کھدائی کا کام تھوڑی دیر کے لیے رک گیا ہے۔ صحابہ کرام مل کر کوشش کر رہے ہیں مگر وہ چٹان بڑی ہی مضبوط تھی۔



غزوہ خندق کے مقام پر بنی مسجد کی ایک تصویر

قارئین کرام! آپ کو تو معلوم ہے کہ میدان جنگ میں جب کوئی مسئلہ یا رکاوٹ پیش آ جائے تو اعلیٰ کمانڈر سے رابطہ کیا جاتا ہے اور یہاں تو اعلیٰ کمانڈر خود مسلسل موقع پر موجود ہیں۔ صحابہ کرام اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! فلاں جگہ ایک چٹان آ گئی ہے جو کھدائی میں رکاوٹ ڈال رہی ہے۔ آپ ﷺ فرما رہے ہیں: (أَنَــا نَــازِلٌ) ''میں اسے توڑنے کے لیے خود اترتا ہوں۔'' سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما جو اس واقعہ کو بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں: میں دیکھ رہا ہوں کہ بھوک کی وجہ سے آپ ﷺ کے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا۔ ادھر ہماری یہ کیفیت ہے کہ ہم لوگوں نے بھی تین دن سے کوئی چیز نہیں چکھی تھی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے کدال ہاتھ میں لی، بسم اللہ پڑھ کر چٹان پر ماری تو وہ بھربھری ریت کا ٹیلا سا بن گئی۔

> میں نے اللہ کے رسول ﷺ کی جو حالت دیکھی ہے، اس پر میں صبر نہیں کر پایا۔ نجانے کتنے دنوں سے آپ نے کچھ کھایا نہیں۔ پیٹ پر بھوک کی وجہ سے پتھر بندھا ہوا ہے۔

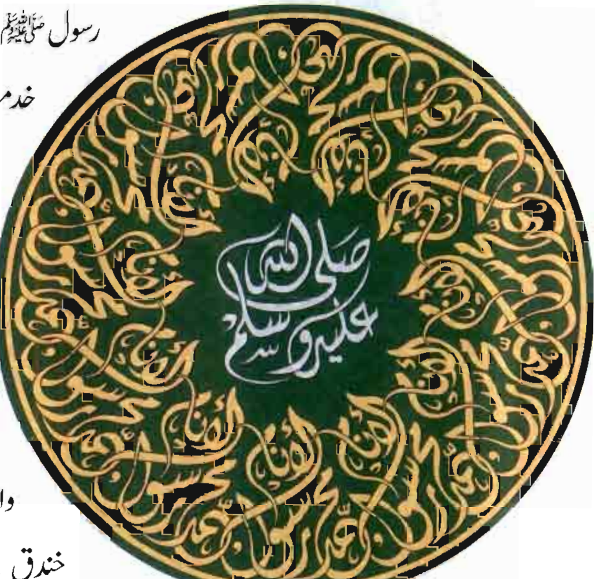
ادھر سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما اپنے ذہن میں ایک زرخیز منصوبہ بنا رہے ہیں۔ خندق میں شریک صحابہ کرام کے گھر جانے پر پابندی تھی۔ اگر کسی کو شدید مجبوری ہوتی تو وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا، اپنی ضرورت یا مجبوری بیان کرتا تو اسے اجازت مل جاتی۔ جابر رضی اللہ عنہ بھی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ اللہ کے رسول (ﷺ)! مجھے ایک ضروری کام سے گھر جانا ہے، میں اجازت چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے اجازت دے دی اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہ اپنے گھر پہنچ جاتے ہیں۔

جابر رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ سے مخاطب ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کی جو حالت دیکھی ہے، اس پر میں صبر نہیں کر پایا۔ نجانے کتنے دنوں سے آپ نے کچھ کھایا نہیں۔ پیٹ پر بھوک کی وجہ سے پتھر بندھا ہوا ہے۔ بی بی! بتاؤ گھر میں کچھ کھانے کے لیے ہے؟

بی بی کہنے لگی: ہاں، گھر میں تھوڑے سے جو اور ایک بکری کا بچہ ہے جسے ذبح کر کے گوشت پکایا جا سکتا ہے۔

جابر رضی اللہ عنہ نے بکری کے بچے کو ذبح کیا۔ بیوی نے جلدی سے جو چکی میں ڈال کر پیسنا شروع کر دیے۔ جب آٹا بن گیا تو خاتون نے اسے گوندھ کر تیار کر دیا۔ جابر رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ نے گوشت صاف کر کے ہانڈی میں ڈالا۔ چولہے میں آگ جلا کر پکنے کے لیے اس پر رکھ دیا۔

آٹا گوندھا جا چکا ہے۔ ابھی اس خیال سے روٹیاں پکانا شروع نہیں کیں کہ جب اللہ کے رسول ﷺ تشریف لائیں گے تو گرما گرم روٹی خدمت میں پیش کریں گے۔ جابر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ بڑی محبت سے کھانا تیار کر رہی ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ گھر پر تشریف لانے والے ہیں تو یقیناً اس کے لیے گھر کی صفائی ہو رہی ہے۔ ادھر جابر رضی اللہ عنہ واپس خندق کی طرف چلے گئے ہیں۔



خندق کے موقع پر پہنچے تو اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ چپکے سے عرض کی: اللہ کے رسول! میں نے تھوڑا سا کھانا گھر میں تیار کروایا ہے۔ بس آپ دو ساتھیوں کو ہمراہ لے لیں اور میرے گھر کو شرف قدوم بخشیں۔

آپ نے پوچھا: (كَمْ هُوَ؟) ''کھانا کتنا ہے؟'' میں نے بتایا تو ارشاد فرمایا: (كَثِيرٌ طَيِّبٌ) ''بہت ہے اور عمدہ ہے۔''

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ کے اخلاق عالیہ کو ملاحظہ کریں کہ آپ نے اس دعوت کو اکیلے قبول

نہیں کیا، نہ ہی چند ساتھیوں کو شامل کیا بلکہ خندق والوں کے لیے ایک اعلان ہوتا ہے: (قُومُوا......) کھڑے ہو جاؤ۔ جابر کے گھر چلو، اس نے تمھاری دعوت کی ہے۔

(يَا أَهْلَ الْخَنْدَقِ إِنَّ جَابِرًا قَدْ صَنَعَ لَكُمْ سُورًا فَحَيَّهَلًا بِكُمْ)

''اہلِ خندق! جابر بن عبداللہ نے تمھارے لیے کھانا پکایا ہے۔ آؤ ان کے گھر چلیں۔''

جابر کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کی زبان سے دعوت کا اعلان سنا تو بڑا پریشان ہوا۔ گھر میں کھانا تو تین چار افراد کا ہوگا مگر اہلِ خندق کی تعداد تو ایک ہزار ہے۔

جابر رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول ﷺ کی زبان سے دعوت کا اعلان سنا تو پریشان ہو گئے۔ گھر میں کھانا تو تین چار افراد کا ہوگا مگر اہلِ خندق کی تعداد ایک ہزار تھی۔

مگر یہاں جس قائد کی قیادت میں کھدائی ہو رہی ہے، وہ دوسروں کو کھلا کر کھانے والے ہیں۔ اگر لوگوں کے پیٹ پر پتھر بندھے ہوئے ہیں تو یہاں قائد اعلیٰ کے پیٹ پر بھی بندھا ہوا ہے۔ صحابہ نے جب دعوت کا پیغام سنا تو اٹھ کھڑے ہوئے۔ صفیں بنائیں اور جابر کے گھر کی طرف چل دیے۔

ادھر جابر تقریباً بھاگتے ہوئے لشکر سے پہلے اپنے گھر پہنچ جاتے ہیں۔ اہلیہ اللہ کے رسول کا استقبال کرنے کے لیے تیار ہے۔ بیوی سے کہنے لگے: میں نے تو اللہ کے رسول ﷺ اور ان کے دو تین ساتھیوں کو دعوت دی تھی مگر اللہ کے رسول ﷺ نے تو سارے لشکر کو دعوت دے دی ہے۔ جابر کی بیوی نہایت سمجھ دار خاتون تھیں۔ کہنے لگیں: پھر آپ کس لیے پریشان ہو رہے ہیں؟ (اَللّٰهُ وَ رَسُولُهُ أَعْلَمُ)

ان حالات میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں کہ کیا کرنا ہے۔ مراد یہ تھی کہ لشکر کو دعوت تو انھوں نے دی ہے۔

ادھر رسول اللہ ﷺ لشکر کے آنے سے پہلے جابر رضی اللہ عنہ کے گھر کو روانہ ہوتے ہیں۔ جابر کو پہلے ہی یہ حکم

دے کر بھیج دیا کہ اپنی بیوی سے کہنا: ''جب تک میں نہ آؤں، ہانڈی چولھے سے نہ اتارنا اور روٹی بھی تنور سے نہ نکالنا۔''

اللہ کے رسول ﷺ تشریف لائے تو گوشت والی ہانڈی تیار تھی۔ آپ ﷺ نے بسم اللہ پڑھی اور لوگوں سے فرمایا: (اُدْخُلُوا وَلاَ تَضَاغَطُوا) ''لوگو! دھکم پیل سے بچتے ہوئے اندر آ جاؤ۔'' نبی کریم ﷺ روٹیاں اتار اتار کر ان پر گوشت رکھ کر لوگوں کو دینے لگے۔ جابر سے فرمایا: دس دس آدمیوں کو بھیجتے جاؤ وہ آئیں اور کھانا لیتے جائیں۔ جب ہانڈی اور تنور سے کچھ لیتے تو ان کو ڈھانپ دیتے۔

لوگ آتے رہے، کھانا کھاتے رہے۔ اللہ کے رسول ﷺ ان میں کھانا بانٹتے رہے، لوگ سیر ہو کر کھاتے رہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے اخلاق کی بلندی اور عظمت کو ملاحظہ کریں کہ آپ نے اس وقت کھانا کھایا جب پورے لشکر نے کھانا کھا لیا۔ لشکر کے ایک ہزار فوجیوں نے پیٹ بھر کر کھانا کھا لیا تو جابر سے ارشاد فرمایا: (يَا جَابِرُ الْآنَ بَقِي أَهْلُ الْمَدِينَةِ) ''اب اہل مدینہ طیبہ ہی باقی رہ گئے ہیں۔'' تم کھانا کھا چکو تو باقی کھانا اپنے ہمسایوں اور دیگر اہل مدینہ طیبہ میں بھی تقسیم کر دینا۔

جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نے گوشت اور روٹیاں اپنے ہمسائے اور اہل مدینہ طیبہ میں بھی تقسیم کیں۔ اور فرماتے ہیں:

(وَاللّٰهِ! مَا أَمْسٰى بَيْتٌ فِي الْمَدِينَةِ إِلَّا وَفِيهِ لَحْمٌ وَ شَعِيرٌ مِنْ ذَاكَ اللَّحْمِ وَالشَّعِيرِ)

''اللہ کی قسم! رات تک مدینہ طیبہ میں کوئی ایسا گھرانہ باقی نہ تھا جس میں اس گوشت اور جو کی روٹی سے حصہ نہ پہنچا ہو۔''

قارئین کرام! بلاشبہ یہ اللہ کے رسول ﷺ کا معجزہ تھا مگر یہ واقعہ آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کا مظہر بھی ہے۔ آپ اپنے ساتھیوں سے کتنی محبت اور پیار کرتے تھے، ان کی تکالیف کو کس شدت سے محسوس فرماتے تھے، اس کا اندازہ اس واقعے سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

صحيح البخاري، حديث:4098، 4100، 4101، 4102، و صحيح مسلم، حديث: 2039، 1803، 1804، 1805، والرحيق المختوم، ص:316-317، وصحيح السيرة لإبراهيم العلي، ص:266، 26

یہ قبریں میری نماز کے باعث جگمگا اٹھتی ہیں

اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے حسن اخلاق اور حسن تعامل سے معاشرے کے ہر طبقے کو سنبھالا دیا۔ دین اسلام کی خدمت اور اسے پھیلانے کا کام جو شخص بھی کرتا ہے اس کی اپنی ایک اہمیت اور حیثیت ہوتی ہے۔ بعض کاموں کو لوگ زیادہ اہمیت نہیں دیتے، مگر اللہ کے رسول ﷺ نے بظاہر معمولی کاموں کو بھی اہمیت دی اور ایسے کام کرنے والوں کو یاد رکھا۔ آیئے ایک خوبصورت واقعہ پڑھتے ہیں۔ عہد نبوی ﷺ میں ایک مسلمان کالی عورت تھی اس کا نام خرقاء اور کنیت ام محجن تھی۔ یہ عورت پڑھی لکھی نہ تھی مالدار تھی، مگر یہ اپنے رب کو راضی کرنے کے لیے اسلام کی خدمت میں اپنا کردار ادا کرنا چاہتی تھی۔ اس نے دیکھا کہ وہ کوئی اور کام تو کر نہیں سکتی تھی' البتہ مسجد کی صفائی ایک ایسا کام تھا جسے وہ انجام دے سکتی تھی۔ اس بی بی نے کھجور کے پتوں سے جھاڑو بنایا اور اس سے مسجد نبوی کی صفائی شروع کر دی۔ جب بھی یہ دیکھتی کہ مسجد میں صفائی کی ضرورت ہے تو یہ صفائی کے لیے پہنچ جاتی۔ اس عورت کے نزدیک اللہ کی رضا حاصل کرنے کا یہ بھی ایک طریقہ تھا۔ دیکھا جائے تو یہ کام بہت زیادہ اہم نہیں ہے اور نہ ہی معاشرے میں اس قسم کا کام کرنے والوں کو خاص اہمیت دی جاتی ہے۔

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ کا یہ اعلیٰ اخلاق تھا کہ آپ اس معمولی کام کرنے والی عورت کو بھی اہمیت دیتے ہیں۔ یہ عورت آپ ﷺ کی نظروں میں ہے، آپ اسے پہچانتے ہیں، اس کے کام کی قدر کرتے ہیں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو کچھ عرصہ مسجد کی صفائی کرتے ہوئے نہ دیکھا تو اپنے ساتھیوں سے پوچھا: وہ عورت جو ہماری مسجد کی صفائی کرتی تھی، اس میں جھاڑو پھیرتی تھی، وہ کدھر گئی، کچھ دنوں سے نظر نہیں آ رہی۔

صحابہ کرام نے عرض کیا: اللہ کے رسول، وہ عورت تو وفات پا گئی ہے۔ صحابہ کرام نے آپ کو اطلاع دینی ضروری نہ سمجھی کہ یہ ایک بوڑھی عورت ہے۔ رات کے وقت وفات پا گئی تھی۔ خود ہی جنازہ پڑھا کر اسے قبرستان میں دفن کر دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (أَفَلَا كُنْتُمْ آذَنْتُمُونِي) "تم نے مجھے اس کی اطلاع کیوں نہیں دی؟"

ام محجن رضی اللہ عنہا کی خوش قسمتی کے کیا کہنے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں: (دُلُّونِي عَلَى قَبْرِهَا) ''مجھے بتاؤ! اس کی قبر کہاں ہے؟ اسے کس جگہ دفن کیا گیا ہے؟''

صحابہ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ام محجن رضی اللہ عنہا کی قبر دکھائی۔ اب دیکھیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو اس عورت کی اہمیت اور قدرومنزلت بتانا چاہتے ہیں۔ کائنات کی سب سے مصروف ہستی، امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ساری مصروفیات کے باوجود چل کر قبرستان تشریف لے جاتے ہیں۔ آپ ام محجن کی قبر پر کھڑے ہوئے ہیں۔ صحابہ کرام نے بھی صف باندھ لی ہے۔ واہ ری ام محجن! تیری قسمت کے کیا کہنے! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم پر نماز جنازہ پڑھ رہے ہیں۔ تمھارے لیے دعائے مغفرت کر رہے ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی، پھر صحابہ کرام سے ارشاد فرما رہے ہیں: ساتھیو!

(إِنَّ هٰذِهِ الْقُبُورَ مَمْلُوءَةٌ ظُلْمَةً عَلٰى أَهْلِهَا)

''بلاشبہ یہ قبریں اپنے مکینوں کے لیے سخت اندھیری ہوتی ہیں''۔

(وَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يُنَوِّرُهَا لَهُمْ بِصَلَاتِي عَلَيْهِمْ)

''یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر میرے نماز پڑھنے کے باعث انہیں منور کر دیتا ہے۔''

صحيح البخاري، حديث: 458، 1337، و صحيح مسلم، حديث: 956، والإصابة: 314/8.

باوفا اہلیہ کی یادیں

اللہ کے رسول ﷺ نے پچیس سال کی عمر میں سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ سیدہ کی عمر اس وقت چالیس سال تھی، اس سے پہلے وہ شادی شدہ تھیں۔ یہ جوڑا کائنات کا سب سے افضل جوڑا تھا۔ سیدہ نے اللہ کے رسول ﷺ کو بے حد محبت دی، آپ کا ہر مشکل میں ساتھ دیا۔ آپ ﷺ کی نبوت کو سب سے پہلے قبول کرنے والی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی تھیں۔ وہ آپ کے دکھ اور سکھ کی ساتھی تھیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے بھی سیدہ کو خوب احترام دیا۔ محبت کا یہ عالم کہ آپ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں دوسری شادی نہیں کی۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا معاشرے میں بلند مقام تھا۔ وہ قریش کی افضل ترین خواتین میں سے تھیں، سیدۂ نساءِ قریش تھیں۔ سیدہ خدیجہ کی ایک بہن کا نام ''ہالہ'' تھا۔ ان کے بیٹے ابوالعاص بن ربیع کے ساتھ اللہ کے رسول ﷺ کی سب سے بڑی بیٹی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی شادی ہوئی تھی۔ اس اعتبار سے سیدہ ''ہالہ'' اللہ کے رسول ﷺ کی سالی ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کی سمدھن بھی تھیں۔ مکہ مکرمہ میں اپنی بہن سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر ان کا آنا جانا تھا، اس لیے سیدہ ہالہ رضی اللہ عنہا اللہ کے رسول ﷺ کے لیے غیر معروف نہ تھیں۔ مدنی دور میں ایک وقت ایسا آیا کہ سیدہ ہالہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا اللہ کے رسول ﷺ کے گھر ملاقات کے لیے آتی ہیں۔ گھر میں داخل ہونے کی اجازت مانگتی ہیں۔

ان کا انداز وہی تھا جو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تھا۔ ان کی آواز بھی سیدہ سے ملتی جلتی تھی۔



رسول اللہ ﷺ نے جب ان کی آواز سنی تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی آواز یاد آ گئی۔ آپ ﷺ چونک اُٹھے، بڑے خوش ہوئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: (اَللّٰهُمَّ هَالَةُ) ''اللہ کرے یہ ہالہ ہو۔'' (اَللّٰهُمَّ هَالَةُ) ''اللہ کرے یہ ہالہ ہو۔''

سیدہ ہالہ رضی اللہ عنہا کو گھر میں آنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حسن استقبال پر تعجب کا اظہار کیا۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو وفات پائے کتنے ہی سال گزر چکے تھے مگر آپ ﷺ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفا، ان کی محبت اور حسن سلوک کو نہیں بھولے۔ آپ کی سیدہ کے ساتھ حد درجہ وفا کو دیکھیے کہ آپ جب بکری ذبح کرتے تو اس کا گوشت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کو ضرور بھجواتے۔

صحيح البخاري، حديث: 3821،3816، و صحيح مسلم، حديث: 2435-2437، والإصابة: 339،338/8.

سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک بوڑھی خاتون اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئی۔ آپ نے اسے خوش آمدید کہا، اس کی طرف گئے اور اس کا احترام کیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس پر تعجب کا اظہار کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: (إِنَّهَا صَدِيقَةُ خَدِيجَةَ) ''دراصل یہ خدیجہ کی سہیلی ہے۔''

المستدرك للحاكم: 15/1، والاستيعاب: 871.

قارئین کرام! رسول اللہ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کو ملاحظہ کیجیے کہ آپ برسوں بعد بھی اپنی باوفا اہلیہ کو نہیں بھولے اور ان کی وفاؤں اور محبتوں کو یاد رکھا۔

آج میرے گھر میں معزز ترین مہمان ہیں

اللہ کے رسول ﷺ کے گھر میں کئی دنوں سے کھانے کے لیے کچھ نہیں۔ آپ ﷺ کو بھوک لگی ہوئی ہے۔ آپ ﷺ کھانے کی تلاش میں گھر سے باہر تشریف لائے ہیں۔ ادھر سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے گھروں میں بھی فاقہ ہے، وہ بھی بھوک کی شدت سے اپنے اپنے گھروں سے باہر آئے ہوئے ہیں، کھانے پینے کی تلاش میں نکلے ہیں۔ ان کی بھی خواہش ہے کہ کھانے پینے کے لیے کچھ مل جائے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے دونوں ساتھیوں کو دیکھا تو پوچھا: ساتھیو! اس وقت تم اپنے گھروں سے کیوں نکلے ہو؟ دونوں نے بیک زبان عرض کیا: (اَلْجُوعُ یَارَسُولَ اللّٰهِ!) ''اللہ کے رسول ﷺ! بھوک کی وجہ سے نکلے ہیں''۔ خالی پیٹ ہیں، کھانے کی تلاش میں ہیں۔ ادھر اللہ کے رسول ﷺ بھی ان سے فرما رہے ہیں: (وَأَنَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ) ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں بھی اسی وجہ سے گھر سے نکلا ہوں جس وجہ سے تم دونوں نکلے ہو۔''

نبی ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے ارشاد فرمایا: (قُومُوا) ''چلو پھر اٹھو!'' دونوں ساتھی آپ کے ساتھ ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے ہمراہ آپ کے خاص وزراء ایک انصاری کے گھر کی طرف رواں دواں ہیں۔

قارئین کرام! اس دور میں باغات کے اندر ہی گھر بنے ہوتے تھے۔ بعض باغات ایسے کہ پانی کا کنواں بھی باغ کے اندر ہی ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی ایسی ہی تھی کہ جب اللہ کے رسول ﷺ اس صحابی

کے گھر تشریف لے گئے تو اس وقت وہ اپنے گھر پر نہ تھے۔ ان کی اہلیہ نے جب اللہ کے رسول ﷺ کو اور سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو اپنے گھر کی دہلیز پر دیکھا تو بڑی خوشی سے کہنے لگی:

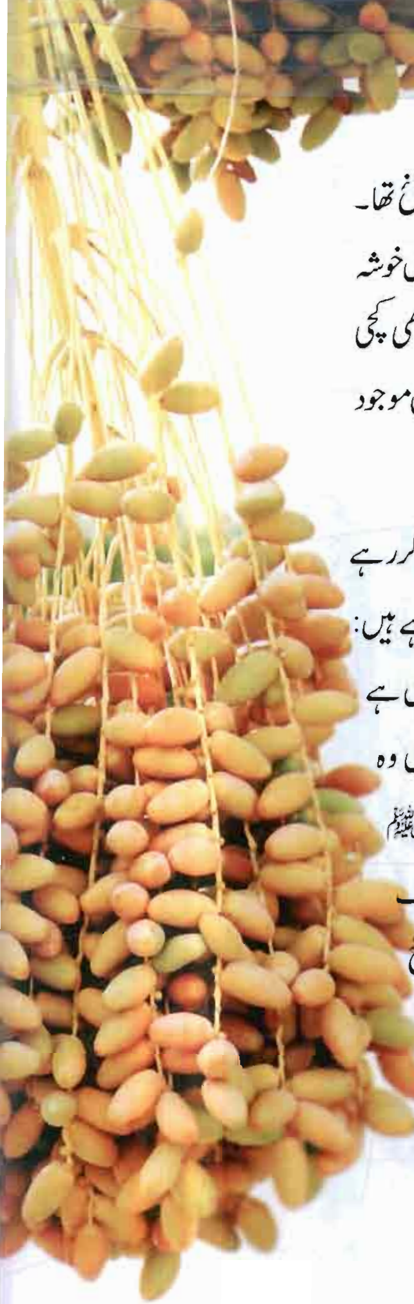
(مَرْحَبًا وَ أَهْلًا) ''خوش آمدید، آپ لوگوں کا آنا مبارک ہو۔''

اللہ کے رسول ﷺ نے اس کے خاوند کا نام لے کر پوچھا: (أَيْنَ فُلَانٌ) ''فلاں کہاں ہے؟'' کہنے لگی: وہ پانی لینے کے لیے گئے ہیں، بس ابھی آتے ہی ہوں گے۔ یہ گفتگو جاری تھی کہ وہ صحابی پانی لیے ہوئے اپنے گھر واپس آ گئے۔



انھوں نے دیکھا کہ اللہ کے رسول ﷺ اور ان کے دونوں ساتھی اس کے گھر کے دروازے پر کھڑے ہیں، تو ان کی خوشی دیدنی تھی۔ اللہ اکبر! اس سے بڑی سعادت، اس سے بڑی خوش قسمتی کیا ہوگی کہ کائنات کے امام ان کے گھر تشریف لائے ہیں، بے اختیار کہنے لگے: (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ) ''اللہ تیرا شکر ہے۔''

(مَا أَحَدٌ الْيَوْمَ أَكْرَمَ أَضْيَافًا مِنِّي) ''آج مجھ سے زیادہ خوش بخت اور خوش قسمت کوئی نہیں کہ میرے گھر میں وہ معزز ترین مہمان تشریف لائے ہیں جن سے بڑھ کر اعلیٰ اور افضل اس کائنات میں کوئی نہیں''۔



جلدی سے مہمانوں کو اپنے گھر میں بٹھایا۔ گھر سے ملحق کھجوروں کا باغ تھا۔ ایک کھجور پر چڑھے۔ جلدی سے ایک بڑا سا خوشہ کاٹ کر لے آئے۔ اس خوشہ میں ہر قسم کی کھجوریں تھیں۔ کچھ کچی، کچھ پکی ہوئی، کچھ آدھی پکی اور آدھی کچی گویا (بُسْرٌ وَتَمْرٌ وَرُطَبٌ) تینوں اقسام کی کھجوریں اس خوشے میں موجود تھیں۔

بڑے ادب و احترام سے مہمانوں کے سامنے خوشہ رکھا۔ عرض کر رہے ہیں: اللہ کے رسول! ان کو تناول فرمائیں۔ اللہ کے رسول ﷺ فرما رہے ہیں: پورا خوشہ اتارنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ عرض کرتے ہیں: میری خواہش ہے آپ کچی، آدھ پکی اور پوری پکی ہوئی کھجوریں جو آپ کو پسند ہوں وہ کھائیں۔ وہ نہایت خوش ہو رہے ہیں کہ آج انھیں اللہ کے رسول ﷺ کی مہمانی کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔ مہمان کھجوریں کھانے میں مصروف ہیں اور انھوں نے جلدی سے چھری پکڑی اور بکریوں کے باڑے کا رخ کیا۔ اللہ کے رسول ﷺ اپنے ساتھی کو چھری پکڑے بکریوں کی طرف جاتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ اب آپ اپنے پیارے رسول ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کو ملاحظہ کیجیے کہ آپ فرما رہے ہیں:

(إِيَّاكَ وَالْحَلُوبَ)

”ساتھی! دودھ دینے والی بکری کو ہرگز ذبح نہ کرنا“

صحابی نے جلدی سے ایک بکری ذبح کی۔ گوشت تیار کیا۔ ان کی بیوی بھی خوشی خوشی گوشت پکا رہی ہے۔ کھانا تیار ہو گیا۔ اللہ کے رسول ﷺ اور ان کے دونوں ساتھی سیدنا ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کھجوریں تناول فرما رہے ہیں۔ ٹھنڈا پانی پی رہے ہیں، پھر بکری کا گوشت کھایا۔

قارئین کرام! یقیناً اللہ کے رسول ﷺ اس صحابی کو دعائیں دے رہے ہیں کہ آپ ﷺ کا یہ اعلیٰ اخلاق تھا کہ جب آپ کسی کے ہاں کھانا کھاتے تو اس کے لیے خیر و برکت کی دعا فرماتے۔ حدیث شریف میں ایسے مواقع کی مناسبت سے یہ الفاظ ملتے ہیں:

(أَكَلَ طَعَامَكُمُ الْأَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلَائِكَةُ)

''نیک لوگ آپ کا کھانا کھائیں اور فرشتے آپ کے لیے دعائیں کریں''۔

سنن أبي داود، حديث:3854، و صحيح الجامع الصغير، حديث:8806.

قارئین کرام! اب ذرا غور فرمائیں کہ اللہ کے رسول ﷺ اپنے ساتھیوں کی تربیت کس طرح کرتے ہیں۔ ارشاد فرمایا: ساتھیو! (وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَتُسْأَلُنَّ عَنْ هٰذَا النَّعِيمِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)

''اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ یہ وہ نعمتیں ہیں جن کے بارے میں قیامت کے دن سوال کیا جائے گا''

صحيح مسلم، حديث:2038.

مزید ارشاد ہوا:

(أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُيُوتِكُمُ الْجُوعُ، ثُمَّ لَمْ تَرْجِعُوا حَتّٰى أَصَابَكُمْ هٰذَا النَّعِيمُ)

''تمھیں بھوک نے گھروں سے باہر نکلنے پر مجبور کیا اور جب تم واپس جا رہے تھے تو تمھیں کھانے پینے کی یہ نعمتیں میسر آگئیں''۔

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ کا اخلاق کتنا عمدہ تھا کہ آپ کسی صحابی کے گھر جانے میں عار نہیں سمجھتے تھے۔ آپ ﷺ اگر چاہتے تو کسی بھی صحابی کو حکم دیتے، وہ کھانے پینے کی چیزیں لے کر فوراً حاضر ہو جاتے، مگر یہ آپ کا اخلاق تھا آپ کا حسنِ تواضع تھا کہ آپ خود چل کر صحابی کے گھر جاتے ہیں، وہاں تشریف رکھتے ہیں، اس کی ضیافت قبول کرتے ہیں اور کھانا کھانے کے بعد جہاں اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اور میزبانوں کو دعائیں دیتے ہیں، وہیں دلوں میں آخرت کی جوابدہی کا احساس بھی بیدار کرتے ہیں۔

حق دار کو سخت بات کہنے کی بھی اجازت ہے

وہ ایک بدو تھا، دیہی علاقے کا رہنے والا گنوار جو تہذیب و تمدن سے اور رسالت مآب ﷺ کے مقام و مرتبہ سے نا آشنا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس سے ایک اونٹ ادھار لیا تھا۔ کچھ عرصے کے بعد وہ مدینہ طیبہ میں آتا ہے اور آپ سے قرض کی ادائیگی کا تقاضا نہایت ناشائستہ انداز میں کرتا ہے۔ صحابہ کرام بھی مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے اور اس کی بیہودہ گفتگو سن رہے تھے۔ اس بدو کا لہجہ بڑا ہی غیر مناسب تھا۔ صحابہ کرام یہ گستاخی برداشت نہ کر سکے۔ انھوں نے ارادہ ظاہر کیا کہ اسے اس گستاخی کی سزا دیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے ساتھیوں کا ارادہ بھانپ لیا اور انہیں منع فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: (دَعُوهُ فَإِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا) ''ایسا نہ کرنا، اس کی گستاخی کو نظر انداز کر دو کیونکہ حق دار کو سخت بات کرنے کا بھی حق حاصل ہے۔''

آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ اس بدو کو اس کے اونٹ جیسا اونٹ دے دو۔ عرض کی گئی کہ ہمارے پاس جو اونٹ ہے اس بدو کے اونٹ سے افضل اور بہتر ہے۔

قارئین کرام! اپنے پیارے رسول ﷺ کے اخلاق کو ملاحظہ کیجیے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: جو بہتر اونٹ ہے وہی اس بدو کو دے دیا جائے۔ پھر آپ ﷺ نے اپنی امت کو اخلاق کا عظیم درس دیا، ارشاد فرمایا: (فَإِنَّ مِنْ خَيْرِكُمْ أَحْسَنَكُمْ قَضَاءً) ''تم میں بہترین لوگ وہی ہیں جو لوگوں کے واجبات احسن طریقے سے ادا کرتے ہیں۔'' صحيح البخاري، حديث: 2306.

قارئین کرام! اوپر والا واقعہ صحیح بخاری میں ہے اور اس حدیث کو سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا



ہے۔ اس واقعے کو لکھتے ہوئے میرے ذہن میں خیال آیا کہ اللہ کے رسول ﷺ کو اس بدو سے اونٹ ادھار لینے کی کیا ضرورت تھی؟ میں نے علماءِ کرام کے سامنے اپنا اشکال ظاہر کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ ایک ریاست کے سربراہ تھے، صحابہ کرام آپ کے لیے جانیں قربان کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے، اگر آپ کو اونٹ کی ضرورت تھی تو ایک بدو کے بجائے کسی ساتھی کو اشارہ کرتے تو وہ ایک کیا کئی اونٹ فوراً حاضرِ خدمت کر دیتے۔ صحابہ کرام میں بڑے بڑے مالدار صحابہ کرام بھی موجود تھے؟!!

علمائے کرام نے میرے اس اشکال کا جواب دیا: اس میں بھی آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کا روشن پہلو نظر آتا ہے۔

اگر آپ کسی صحابی سے لین دین کا معاملہ کرتے تو یہ خدشہ تھا کہ وہ عقیدت میں آکر سرے سے اپنے حق سے ہی دستبردار ہو جاتا جس سے اس کا نقصان ہوتا۔ محبت کی بنا پر وہ مطالبہ نہ کر پاتا اور جھجکتا رہتا۔ اس لیے اللہ کے رسول ﷺ اپنے صحابہ سے لین دین کرنے پر غیر معروف لوگوں سے معاملہ کرنے کو ترجیح دیا کرتے تھے۔ واللہ أعلم بالصواب.

مجھے کائنات کے لیے داعی اور رحمت بنایا گیا

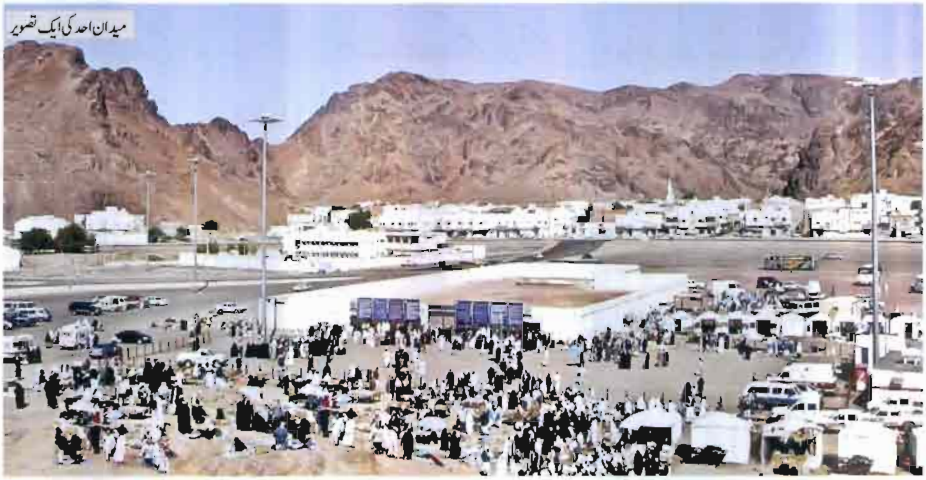
غزوۂ احد میں مسلمانوں پر بڑا سخت وقت آیا۔ مشرکین کے ایک اڑیل سوار عبداللہ بن قمئہ نے آپ ﷺ کے کندھے پر تلوار سے وار کیا۔ اس کے نتیجے میں لوہے کی ٹوپی یا ''خود'' جسے جنگ میں سر اور چہرے کی حفاظت کے لیے اوڑھا جاتا تھا، اس کی دو کڑیاں چہرے کے اندر دھنس گئیں۔ آپ ﷺ کا چہرہ اقدس خون آلود ہو گیا۔ صحیح بخاری کے مطابق آپ ﷺ کا رباعی دانت توڑ دیا گیا۔ سر مبارک کو زخمی کر دیا گیا۔ اللہ کے رسول ﷺ اپنے چہرے سے خون پونچھتے جا رہے تھے اور کہتے جا رہے تھے کہ وہ قوم کیسے کامیاب ہو سکتی ہے جس نے اپنے نبی کے چہرے کو زخمی کر دیا۔ اس کا دانت توڑ دیا، حالانکہ وہ انھیں اللہ کی طرف دعوت دے رہا تھا۔

قارئین کرام! ذرا تھوڑی دیر رک کر اللہ کے رسول ﷺ کا اخلاق ملاحظہ کیجیے کہ اللہ کے رسول ﷺ شدید زخمی کر دینے والی اپنی قوم کے بارے میں اللہ سے بخشش کی دعا مانگ رہے ہیں۔

صحیح مسلم کے الفاظ ہیں: (رَبِّ اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ) ''اے میرے رب! میری قوم کو بخش دے کہ وہ (تیرے نبی کے مقام کو) نہیں جانتی۔''

قاضی عیاض کی کتاب ''شفا'' میں الفاظ یوں ہیں: (اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ) ''اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے کہ وہ نہیں جانتی۔''

یہ تھا اللہ کے رسول ﷺ، ہمارے اور آپ کے ہادی اور مرشد سید ولد آدم ﷺ کا اعلیٰ اخلاق کہ آپ


میدان احد کی ایک تصویر

میدان جنگ میں ہیں، آپ کو دشمن نے زخمی کر دیا ہے۔ اور آپ زخمی کرنے والی قوم کے لیے بھی بخشش اور ہدایت کی دعا مانگ رہے ہیں۔

قارئین کرام! آپ ﷺ کا اعلیٰ اخلاق جاننے کے لیے آیئے ایک حدیث پڑھتے ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا:

(إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَمْ يَبْعَثْنِي طَعَّانًا وَّلَا لَعَّانًا)

''اللہ تعالیٰ نے مجھے طعنہ دینے والا یا لعنت کرنے والا بنا کر مبعوث نہیں فرمایا۔''

بلکہ آپ کی بعثت کا مقصد کیا تھا؟ فرمایا:

(وَلٰكِنْ بَعَثَنِي دَاعِيَةً وَّرَحْمَةً)

''بلکہ مجھے اللہ تعالیٰ نے (کائنات کے لیے) داعی اور رحمت بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔''

صحيح البخاري، حديث: 6929، و صحيح مسلم، حديث: 1792، والرحيق المختوم، ص:268، و شعب الإيمان للبيهقي3/45.

وہ قوم کیسے کامیاب ہوسکتی ہے جس نے اپنے نبی کے چہرے کو زخمی کر دیا۔ اس کا دانت توڑ دیا، حالانکہ وہ انھیں اللہ کی طرف دعوت دے رہا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ سے جب کبھی کسی قوم پر بد دعا کرنے کے لیے کہا گیا تو آپ کا جواب اس قوم کے لیے دعا ہی کی صورت میں ہوتا تھا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا تعلق یمن کے مشہور قبیلہ دوس سے تھا۔ قبیلہ دوس کے ایک بڑے سردار طفیل بن عمرو دوسی اپنے ساتھیوں سمیت صلح حدیبیہ کے بعد مدینہ طیبہ میں اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ طفیل بن عمرو نے مکہ مکرمہ میں نبوت کے گیارہویں سال اسلام قبول کیا تھا مگر ان کی قوم نے اسلام لانے میں تاخیر کی جس کا انھیں شدید رنج تھا۔ وہ اپنی قوم سے سخت ناراض تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک دن وہ مسجد نبوی میں اللہ کے رسول ﷺ کے پاس بیٹھے ہیں، اپنی قوم کے اسلام نہ لانے کا شکوہ کررہے ہیں۔ عرض کررہے ہیں یارسول اللہ! (إِنَّ دَوْسًا عَصَتْ وَأَبَتْ) ''دوس قبیلہ کے لوگ نافرمان اور اسلام کے منکر ہیں'' (انھوں نے اسلام لانے سے انکار کیا ہے)

(فَادْعُ اللّٰهَ عَلَيْهَا) ''آپ ان کے خلاف بد دعا کیجیے۔''

قارئین کرام! یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس واقعے کے راوی پوری باریک بینی سے حالات کا جائزہ لے رہے تھے۔ جب بد دعا کے لیے درخواست کی گئی تو اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں کو آسمانوں کی طرف بلند فرمایا۔ لوگوں کو محسوس ہوا کہ آپ ﷺ دوس کے لیے بد دعا کرنے لگے ہیں، ان کی زبانوں سے بے اختیار نکلا: (هَلَكَتْ دَوْسٌ) ''دوس قبیلہ ہلاک و برباد ہوگیا''۔ اس کا بیڑا غرق ہوگیا، اللہ کے رسول کی بد دعا انہیں تباہ کردے گی۔

مگر آپ ﷺ تو رحمۃ للعالمین تھے، خلق عظیم کے مالک تھے۔ دوس قبیلہ کے سردار کی درخواست کے برعکس فرمارہے تھے: (اَللّٰهُمَّ اهْدِ دَوْسًا وَائْتِ بِهِمْ) ''اے اللہ دوس کو ہدایت عطا فرما اور انھیں (مسلمان کرکے ہمارے پاس بھیج دے)۔''

صحيح البخاري، حديث:2937، و صحيح مسلم، حديث:2524.

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ کی دوس قبیلے کی حق میں دعا قبول ہوتی ہے۔ وہ مسلمان ہوجاتے ہیں اور مطیع و فرمانبردار بن کر اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آجاتے ہیں۔

غلطی بھی معاف ہوگئی اور کفارہ بھی ادا ہوگیا



رمضان المبارک کے مقدس اور مبارک مہینے میں، دن کے وقت مسلمانوں پر روزے فرض کیے گئے ہیں، راتوں کو عبادت کا بطور خاص اہتمام ہوتا ہے۔ روزہ رکھنے کے بعد بہت سی جائز اور حلال چیزیں روزہ دار پر حرام ہوجاتی ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان تمام مسائل کو بڑی وضاحت سے اپنی امت کو بتادیا۔ روزے کی حالت میں اپنی بیوی کے ساتھ ازدواجی تعلقات کی ممانعت ہے۔

اگر کوئی شخص اس کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ یا تو ایک غلام آزاد کرے یا وہ دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے یا پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

مدینہ طیبہ میں مسلمان روزے رکھ رہے ہیں کہ بشری تقاضوں کے مطابق ایک صحابی سلمہ بن صخر بیاضی سے یہی غلطی ہوجاتی ہے کہ وہ روزے کی حالت میں اپنی بیوی سے ازدواجی تعلقات استوار کر بیٹھے۔ روزے فرض ہونے کے بعد غالبًا یہ پہلی غلطی تھی جو کسی صحابی سے سرزد ہوئی۔

اس حدیث کے راوی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ اس غلطی کا مرتکب شخص اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ہے، عرض کر رہا ہے: اللہ کے رسول! میں تو ہلاک و برباد ہو گیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (وَمَا ذَاكَ) ''ساتھی! کیا ہوا؟ کیا مسئلہ بن گیا؟''

عرض کیا: اللہ کے رسول! روزے کی حالت میں دن کے وقت اپنی بیوی کے ساتھ ازدواجی تعلقات کا مرتکب ہوا ہوں۔

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ کے حسن اخلاق کو دیکھیے۔ آپ ﷺ نے اسے ڈانٹا نہ طعنہ دیا، نہ اس کا تمسخر اڑایا، بلکہ مسئلے کا حل بتایا، آپ نے فرمایا: ساتھی! (هَلْ تَجِدُ رَقَبَةً تُعْتِقُهَا) ''کیا تمھارے پاس آزاد کرنے کے لیے ''غلام'' ہے؟''

اس نے عرض کیا: جی نہیں، میں تو غریب آدمی ہوں، میرے پاس غلام کہاں؟

ارشاد فرمایا: (فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَصُومَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ)

''کیا تمھارے پاس دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنے کی استطاعت ہے؟''

اس نے عرض کیا: نہیں یا رسول اللہ! میں دو ماہ کے مسلسل روزے بھی نہیں رکھ سکتا۔

مسلسل روزوں سے مراد یہ ہے کہ 60 دن کے روزے بغیر ناغہ کیے رکھے جائیں۔ جب اس نے اس سے بھی معذرت کی تو ارشاد فرمایا: (فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تُطْعِمَ سِتِّينَ مِسْكِينًا) کیا تم ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کی طاقت رکھتے ہو؟ وہ صحابی کہنے لگے: یا رسول اللہ! میرے پاس انھیں کھانا کھلانے کی سکت نہیں۔

قارئین کرام! اسلام میں اس غلطی کے تین ہی کفارے ہیں اور یہ تینوں ہی ادا کرنے سے یہ صحابی قاصر ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ خاموش ہو گئے۔ وہ صحابی آپ کی مجلس میں بیٹھا ہوا انتظار کر رہا ہے کہ اب میرے لیے کیا حکم ہوتا ہے؟ ادھر آپ ﷺ کے اخلاق کا اندازہ فرمائیں کہ آپ اس غریب آدمی کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔

تھوڑی دیر گزری تو ایک شخص اپنے سر پر کھجوروں کا ٹوکرا اٹھائے ہوئے حاضر خدمت ہوتا ہے۔ وہ اللہ

کے رسول ﷺ کی خدمت میں اسے پیش کر کے عرض کرتا ہے: اللہ کے رسول! یہ آپ کے لیے ہدیہ ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس منتظر شخص کو بلایا اور ارشاد فرمایا:

(اذْهَبْ بِهٰذَا فَتَصَدَّقْ بِهِ) ''کھجوروں کے اس ٹوکرے کو لے جاؤ اور اسے (کفارے کے طور پر) صدقہ کر دو۔''

وہ صحابی اللہ کے رسول ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کو خوب جانتا اور پہچانتا تھا، بڑے ادب سے عرض کرتا ہے کہ کیا میں اپنے سے زیادہ محتاج اشخاص پر اسے صدقہ کروں؟



قارئین کرام! یقیناً اللہ کے رسول ﷺ اور دین اسلام کے پیش نظر یہی بات ہے کہ مساکین کی زیادہ سے زیادہ مدد ہو جائے۔ لیکن ذرا اس صحابی کے الفاظ سنیے، وہ کہنے لگا:

(وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ)

جس ذات نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، اس کی قسم! اس پورے مدینے میں ہم سے زیادہ کوئی محتاج گھرانہ نہیں ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس کی بات سنی تو مسکرا دیے۔ ارشاد فرمایا:

(اذْهَبْ فَأَطْعِمْهُ أَهْلَكَ)

جاؤ اور اپنے اہل وعیال کو اسے کھلا دو۔'' (تمہارے گناہ کا کفارہ ادا ہو جائے گا)

صحيح البخاري، حديث: 2600.

وہ صحابی خوشی خوشی اپنے گھر کو لوٹ گئے۔ اللہ کے رسول کی محبت، آپ کے اعلیٰ اخلاق کی وجہ سے ان کی غلطی بھی معاف ہو گئی اور ان کے گھر والوں کے لیے کھانے پینے کا بھی بندوبست ہو گیا۔ یاد رکھیے اسلام میں آسانیاں ہی آسانیاں ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی امت کو یہی سبق دیا ہے:

(يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا) ''لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کرو، ان کے لیے مشکلات پیدا نہ کرو۔''

صحيح البخاري، حديث: 6125.

مظلوم کی بددعا سے بچ کر رہنا

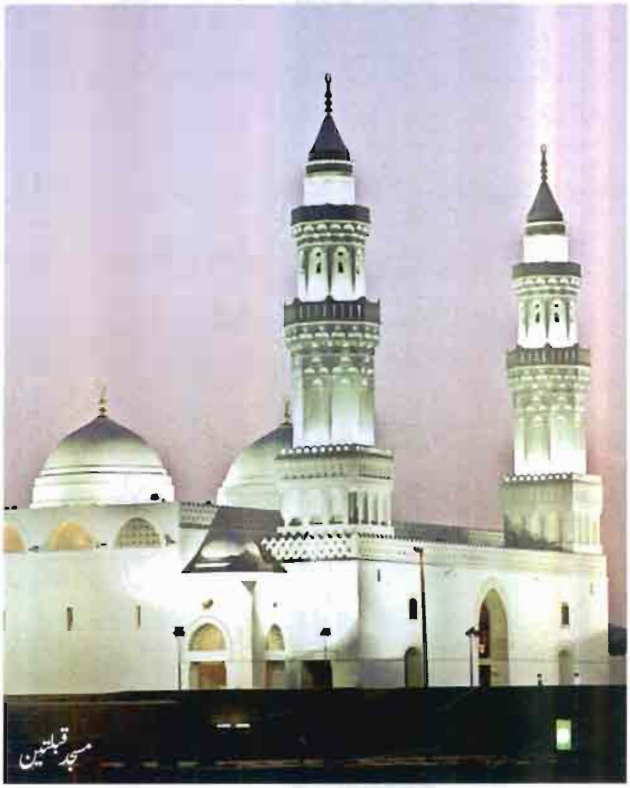
سیدنا معاذ بن جبل کا تعلق انصار کے مشہور قبیلہ خزرج کی شاخ بنوسلمہ سے تھا۔ انھوں نے جب اسلام قبول کیا تو ان کی عمر صرف اٹھارہ سال تھی۔ یہ نہایت خوبصورت، لمبے قد کے نوجوان تھے۔ ان کی آنکھیں بڑی موٹی موٹی، چمکتے ہوئے خوبصورت دانت، سفید رنگ اور گھنگھریالے بال تھے۔ یہ صرف ظاہری طور پر خوبصورت نہیں بلکہ باطن کے بھی نہایت اجلے تھے۔ اپنی قوم بنوسلمہ کے نمایاں افراد میں سے تھے۔ نہایت ذہین وفطین اور روشن دل ودماغ کے مالک تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ سے نہایت محبت کرتے تھے۔ آپ کی مجلس میں بیٹھے رہتے، قرآن سیکھتے اور اسے حفظ کرتے۔ انھوں نے جلد ہی قرآن کریم حفظ کرلیا۔ یہ ان صحابہ کرام میں سے تھے جن کو مکمل قرآن کریم حفظ تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ بھی ان سے خوب محبت فرماتے تھے۔ الإصابة:6/107-109، و أسد الغابة:5/187-190.

ان کی زندگی میں ایک بڑا اہم واقعہ رونما ہوتا ہے۔ ان کا گھر ثنیۃ الوداع کے قرب وجوار میں تھا جہاں آج کل مسجد قبلتین ہے۔ وہاں کے لوگ مسجد نبوی میں تمام نمازوں کے لیے تو نہیں آسکتے تھے، اس لیے بنوسلمہ نے وہاں مسجد بنا رکھی تھی۔ اس مسجد کے امام سیدنا معاذ بن جبل تھے۔

ایک دن یہ معمول کے مطابق لوگوں کو عشا کی نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے تو سورۂ فاتحہ کے بعد سورۃ البقرہ کی تلاوت شروع کردی۔ مقتدیوں میں ایک نوجوان بھی تھا جو سارا دن محنت مزدوری کر کے آیا تھا۔ وہ سارا دن باغوں اور کھیتوں کو پانی پلاتا رہا تھا۔ جب قرأت طویل ہوتی چلی گئی تو کچھ دیر تو اس

نوجوان نے صبر کیا اور پھر آہستہ سے صف سے باہر نکل آیا۔ اکیلے ہی اپنی نماز پڑھی، اونٹنی کی نکیل پکڑی اور گھر کو روانہ ہو گیا۔

سیدنا معاذ نے نماز پڑھائی تو لوگوں نے انھیں اس نوجوان کی حرکت کے بارے میں بتایا۔ یہ ایک بڑا منفرد واقعہ تھا۔ سیدنا معاذ کہنے لگے: یہ شخص منافق ہے۔ اگلے روز اس نوجوان کو بھی معلوم ہو گیا کہ سیدنا معاذ نے اسے منافق کہا ہے۔ یہ شکایت لے کر اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اب دیکھیے اللہ کے رسول ﷺ کا اعلیٰ اخلاق کہ یہ ایک عام سا آدمی تھا مگر اللہ کے رسول ﷺ اسے کتنی اہمیت دیتے ہیں۔ اسے حسن اتفاق کہیے کہ جب یہ مسجد نبوی میں بارگاہ رسالت مآب میں پہنچا تو سیدنا معاذ بھی وہاں موجود تھے۔


مسجد قبلتین

اس نوجوان نے عرض کی: اللہ کے رسول ﷺ! ہم محنت مزدوری کرنے والے لوگ ہیں، اپنے کھیتوں کو سارا دن پانی دیتے اور شدید محنت کرتے ہیں۔ معاذ ہمیں بڑی لمبی نماز پڑھاتے ہیں۔ کل انہوں نے نماز میں سورۃ البقرہ پڑھی، میں تھکا ہوا تھا، اس لیے میں نے جماعت سے الگ ہو کر نماز پڑھ لی اور گھر چلا گیا۔ اب ان کا یہ خیال ہے کہ میں منافق ہوں۔

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ نے پوری تسلی سے اپنے اس صحابی کی گفتگو سنی اور پھر سیدنا معاذ جن

سے آپ شدید محبت کرتے تھے، انہیں ارشاد فرمایا:

(أَفَتَّانٌ أَنْتَ، أَفَتَّانٌ أَنْتَ، أَفَتَّانٌ أَنْتَ؟) ''کیا تم لوگوں کو فتنے میں مبتلا کرنا چاہتے ہو؟ کیا تم لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہو؟ کیا تم لوگوں کو فتنے میں مبتلا کرنا چاہتے ہو؟''

جب تم لوگوں کو امامت کراؤ تو سورہ والشمس، اور سبح اسم ربك الأعلى، والليل إذا يغشى جیسی چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھا کرو۔ تمھارے پیچھے نماز پڑھنے والوں میں بڑی عمر کے لوگ، ضعیف اور اصحاب حاجت لوگ ہوتے ہیں (ان کا خیال رکھو)۔''

صحيح البخاري، حديث: 705، 6106، و صحيح مسلم، حديث: 465.

قارئین کرام! یہ تھا اللہ کے رسول کا اخلاق کہ آپ نماز پڑھاتے وقت بھی ہر قسم کے لوگوں کا خیال رکھنے کا حکم دے رہے ہیں۔ اور پھر انصاری نو جوان سے مخاطب ہوئے اور ارشاد فرمایا:

(كَيْفَ تَصْنَعُ يَا ابْنَ أَخِي إِذَا صَلَّيْتَ) ''بھتیجے! ذرا یہ تو بتاؤ کہ جب تم نماز ادا کرتے ہو تو کیا کرتے ہو؟''

اس نے بتایا کہ میں سورۂ فاتحہ پڑھتا ہوں۔ جب تشہد میں بیٹھتا ہوں تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں: (اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ النَّارِ) ''اے اللہ! میں تجھ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور جہنم سے بچنے کے لیے تیری پناہ مانگتا ہوں۔''

پھر اس نو جوان نے بالکل عامیانہ زبان میں کہا: (أَمَا وَاللّٰهِ مَا أُحْسِنُ دَنْدَنَتَكَ وَلَا دَنْدَنَةَ مُعَاذٍ) ''اللہ کی قسم! بات یہ ہے کہ میں تو آپ اور معاذ جیسی لمبی دعائیں اور اللہ سے سرگوشیاں نہیں کر سکتا۔''

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ اپنی امت کے لیے کتنے شفیق اور مہربان ہیں۔ اگر سچ پوچھیں تو مجھ سمیت کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جنھیں لمبی چوڑی دعائیں نہیں آتیں۔ ہم عجمی لوگ ہیں۔ جب دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہیں تو بس اپنی زبان میں جو دعائیں آتی ہیں مانگ لیتے ہیں۔ اب دیکھیے اللہ کے رسول کے اعلیٰ اخلاق کو کہ آپ اس نو جوان انصاری صحابی کو کن الفاظ میں تسلی دیتے ہیں۔ ارشاد فرمایا:

(حَوْلَهَا نُدَنْدِنُ) ''فکر نہ کرو میں اور معاذ بھی اسی طرح کی ہی دعائیں مانگتے ہیں۔''

سنن أبي داود، حديث: 790، 793، و سنن ابن ماجه، حديث: 910.

ایک دن اللہ کے رسول ﷺ گدھے پر سوار کہیں تشریف لے جا رہے ہیں اور آپ کے پیچھے یہی خوبصورت ذہین وفطین متعلم معاذ بن جبل بیٹھے ہوئے ہیں۔

قارئین کرام! اب ذرا غور فرمائیں اللہ کے رسول ﷺ کی تواضع اور فروتنی پر کہ آپ ﷺ گدھے کی سواری میں عار محسوس نہیں کرتے تھے، حالانکہ آپ مدینہ طیبہ کی بستی اور اس کے اردگرد کے حاکم تھے۔ اور کتنے خوش قسمت ہیں معاذ کہ آپ ﷺ کی پشت مبارک سے ان کا سینہ مس کر رہا ہے۔ ذرا آگے بڑھے تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: (يَا مُعَاذُ بْنَ جَبَلٍ!) معاذ عرض کرتے ہیں: (لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ) ''اللہ کے رسول! میں حاضر ہوں اور یہ حاضری میرے لیے باعث سعادت ہے''۔ اللہ کے رسول ﷺ کچھ دیر خاموش رہے اور پھر فرمایا: (يَا مُعَاذُ بْنَ جَبَلٍ!) معاذ فوراً عرض کرتے ہیں: (لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ) ایک بار پھر اللہ کے رسول ﷺ کچھ دیر خاموش رہتے ہیں۔

قارئین کرام! لاکھ مرتبہ قربان جائیں اس معلم بشریت پر کہ اپنے ساتھی کو سکھانے کا کیسا انوکھا اور پیارا انداز اختیار فرمایا ہے۔ سواری پر دونوں سوار ہیں۔ درمیان میں کوئی رکاوٹ یا پردہ نہیں اور یوں ارشاد فرمارہے ہیں گویا کوئی دور سے آواز دے رہا ہے۔ پھر تیسری مرتبہ ارشاد فرماتے ہیں: (يَا مُعَاذُ بْنَ جَبَلٍ!) معاذ یقیناً آپ کے فرمان کو سننے کے لیے ہمہ تن گوش ہیں کہ میرے مربی، میرے معلم، میرے ہادی، میرے مرشد کونسا پیغام دینا چاہتے ہیں، کونسی بات مجھے بتانا چاہتے ہیں۔ شاگرد نہایت سرعت سے جواب دیتا ہے: (لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ) اللہ کے رسول ﷺ! میں حاضر ہوں، ارشاد فرمائیں۔

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہوتا ہے: (أَتَدْرِي مَا حَقُّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ؟) ''معاذ جانتے ہو کہ اللہ کا اپنے بندوں پر کیا حق ہے؟'' سیدنا معاذ جواباً عرض کرتے ہیں: (اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ) ''اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔'' اللہ کے رسول ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: (إِنَّ حَقَّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَّعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا) ''اللہ کا حق اپنے بندوں پر یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔''

یقیناً سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے اس سبق کو ذہن نشین کر لیا۔ تھوڑا سا وقت گزرتا ہے۔ جب ذرا آگے بڑھے تو

اللہ کے رسول ﷺ نے پھر ارشاد فرمایا: (یَا مُعَاذُ بْنَ جَبَلٍ!) معاذ عرض کرتے ہیں: (لَبَّیْكَ یَا رَسُولَ اللّٰهِ وَسَعْدَیْكَ) اللہ کے رسول ﷺ پھر پوچھتے ہیں: (أَتَدْرِي مَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ إِذَا فَعَلُوا ذٰلِكَ؟) ''جانتے ہو کہ بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے اگر وہ اس کے ساتھ شرک نہ کریں؟'' شاگرد پھر جواب میں عرض کرتے ہیں: اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ہی علم ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے شاگرد کو بتایا اور سکھایا کہ ''بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ اگر وہ اس کے ساتھ شرک نہ کریں تو (أَنْ لَّا یُعَذِّبَهُمْ) ''انھیں عذاب نہ دے'' (وَیَغْفِرَ لَهُمْ) ''اور انھیں معاف کر دے'' (وَیُدْخِلَهُمُ الْجَنَّةَ) ''اور انھیں اپنی جنت میں داخل کر دے۔'' اور پھر فرمایا: ''جس شخص نے سچے دل سے (لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ) کا اقرار کیا، (إِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ) ''اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کی آگ پر حرام کر دے گا۔''

قارئین کرام! یہ خوشخبری کوئی معمولی خوشخبری نہ تھی۔ ہم جیسے عامیوں کے لیے، گناہگاروں کے لیے اس سے بڑی بشارت کوئی نہ تھی۔ اس لیے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ عرض کرتے ہیں: اللہ کے رسول! (أَفَلَا أُبَشِّرُ بِهِ النَّاسَ) ''کیا میں لوگوں کو یہ خوشخبری نہ سنا دوں؟'' اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، مجھے ڈر ہے کہ لوگ اس پر تکیہ کر کے بیٹھ جائیں گے۔'' مراد یہ کہ وہ عمل نہیں کریں گے۔

صحیح البخاري، حدیث: 128، 2856، 5967، 6500، و صحیح مسلم، حدیث: 30.

کچھ عرصہ گزرا تو اللہ کے رسول ﷺ نے ان کو یمن کی طرف اپنا داعی، اپنا نمائندہ اور گورنر بنا کر بھیجا اور آخری وصیت یہ فرمائی: (اِتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَإِنَّهُ لَیْسَ بَیْنَهَا وَبَیْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ) ''مظلوم کی بددعا سے ڈرو کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔''

صحیح البخاري، حدیث: 4347، و صحیح مسلم، حدیث: 19.

ان کے یمن جانے کی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ نہایت سخی اور مہمان نواز تھے۔ دل کھول کر خرچ کرتے تھے۔ اپنے قبیلے کے سرکردہ فرد ہونے کی وجہ سے بھی ان کو خوب خرچ کرنا پڑتا۔ اپنے پاس پیسہ نہ ہوتا تو ادھار لے لیتے۔ اس وجہ سے کافی مقروض بھی ہو جاتے، مگر اللہ تعالیٰ ان کے حسن نیت کے باعث ان کا قرض اتار دیتا تھا۔



اللہ کے ساتھ تجارت

سیدہ خدیجہ بنت خویلد مکہ مکرمہ کی ممتاز خاتون تھیں۔ انہیں زبان وحی سے سیدۃ نساء العالمین رضی اللہ عنہا کا لقب ملا۔ یہ مکہ مکرمہ کی امیر ترین خاتون تھیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی ہوئی تو یہ اپنی تمام دولت، اپنا تن من دھن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نچھاور کر دیتی ہیں۔ عرض کرتی ہیں: میرے سرتاج! یہ ساری دولت آپ کے حوالے ہے اب آپ جانیں اور آپ کا کام۔ یہ اس دور کی بات ہے جب ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر تاج نبوت نہیں رکھا گیا تھا۔

> ”میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں دو انگلیوں کی طرح اکٹھے ہوں گے۔“

قارئین کرام! اخلاق کی ایک اعلیٰ قسم یہ بھی ہے کہ مقروض اور محتاج لوگوں کی مدد کی جائے، بے روزگاروں کو روزگار مہیا کیا جائے۔ یتیموں اور بیواؤں کی حاجت روائی کی جائے۔ مہمان آئیں تو ان کی خوب مہمان نوازی کی جائے۔

اب دیکھیے کہ اللہ کے رسول ﷺ کو سیدہ خدیجہ سے خاصی دولت ملتی ہے۔ آپ ﷺ خود تاجر تھے، آپ کا خاندان تاجر تھا۔ عام تاجروں کی عادت کے مطابق ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ آپ اس دولت کو تجارت میں لگاتے، اس سرمایہ کو مزید بڑھاتے مگر آپ ﷺ نے اس سرمایہ کو بڑھایا نہیں بلکہ اپنے رب پر توکل اور بھروسہ کرتے ہوئے اس دولت کو ان لوگوں پر جن کو معاشرے میں کوئی پوچھنے والا نہ تھا، جو کمزور تھے، مقروض تھے، مسائل میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اس دولت کو ان پر خرچ کر دیا۔ بلاشبہ آپ ﷺ فقیروں کے ملجا، ضعیفوں کے ماویٰ، یتیموں کے والی اور غلاموں کے مولیٰ تھے۔

رحمة للعالمين للقحطاني، ص:69-73، والسيرة النبوية للصلابي: 81/1، 82.

اس کی گواہی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اس روز دی تھی جب آپ ﷺ کے سر پر تاجِ نبوت رکھا گیا۔

صحيح البخاري، حديث: 3.

یتیموں کے والی اور ان کے سب سے بڑے ہمدرد نے اپنی امت کو درس دیا کہ یتیم بچوں کی کفالت اور پرورش کریں کیونکہ وہ کمزور اور بے سہارا ہوتے ہیں۔ ارشاد فرمایا: ”میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں (ان دو انگلیوں کی طرح) اکٹھے ہوں گے۔“ یہ کہہ کر آپ نے درمیانی اور ساتھ والی انگلی کو ملا کر اشارہ کیا۔

صحيح البخاري، حديث: 5304.



نواسوں کے ساتھ حسن سلوک

قارئین کرام! سیرت کی کتابوں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول کی زندگی نہایت سادہ تھی۔ اس میں تکبر، فخر اور نمود و نمائش کا کوئی عنصر نہ تھا۔ آپ اپنے نواسوں سے بے حد پیار کرتے تھے۔ کسی شخص کے اعلیٰ اخلاق کو جانچنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ دیکھا جائے اس کا گھر والوں کے ساتھ رویہ اور سلوک کیسا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

(خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي)

''تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہترین ہو اور میں اپنے گھر والوں کے لیے تم سب سے بڑھ کر اچھا ہوں۔''

جامع الترمذي، حديث: 3895، و سنن ابن ماجه، حديث: 1977.

آیئے ذرا ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کا اپنے نواسوں سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما کے ساتھ کیسا سلوک تھا۔

مسند احمد میں صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ عطاء بن یسار کہتے ہیں: ایک صحابی نے مجھے بتایا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے سیدنا حسن اور حسین کو اپنے سینے سے لگایا اور فرمایا:

(اَللّٰهُمَّ إِنِّي أُحِبُّهُمَا فَأَحِبَّهُمَا)

''اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں، لہٰذا تو بھی ان سے محبت فرما۔''

اللہ کے رسول ﷺ کی اپنے نواسوں کی ساتھ محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ کبھی کبھار ان کو اپنے کندھوں پر بٹھا لیتے اور ان سے پیار فرماتے۔ یاد رہے کہ بچوں کو کندھوں پر آدمی اسی وقت بٹھا سکتا ہے جب وہ اس

87 اخلاق نبوی

یہ تواضع اور یہ اخلاق ایک نبی ہی میں ہوسکتا ہے

عدی بن حاتم طائی بڑے باپ کا بیٹا تھا۔ ان کی بہن سیدہ سفانہ اللہ کے رسول ﷺ کے اخلاق سے متاثر ہو کر اپنے بھائی کے پاس پہنچی تو اسے خوب ملامت کی اور اسے آمادہ کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضری دے۔ چنانچہ عدی بن حاتم شام کے علاقے سے مدینہ طیبہ آیا تو اس کے ذہن میں بہت سارے سوالات تھے۔ ایک اہم سوال یہ تھا کہ یہ صاحب جنہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے کہیں یہ بادشاہ تو نہیں ہیں۔

قارئین کرام! عدی جب مدینہ طیبہ آتے ہیں تو اس وقت مکہ مکرمہ فتح ہو چکا تھا۔ عرب کی اکثریت اسلام کے دامن میں آ چکی تھی۔ آپ ﷺ کے پاس مال و دولت کی کمی نہ تھی۔ آپ عملاً پورے جزیرۂ

سے بہت زیادہ مانوس ہوں۔

صحيح البخاري، حديث:3747، و مسند أحمد:369/5.

آیئے مسند احمد اور ابن ماجہ کی ایک حدیث پڑھتے ہیں جسے محدث عصر علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے حسن کہا ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے نکل کر ہمارے پاس تشریف لائے۔ آپ کے ہمراہ سیدنا حسن اور حسین تھے جو اپنے نانا کے کندھوں پر سوار تھے۔ ایک نواسہ ایک کندھے پر اور دوسرا دوسرے کندھے پر سوار تھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ایک سے پیار کرتے، یعنی اس کو چومتے اور کبھی دوسرے کو چومتے۔ ایک شخص نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا آپ کو ان سے

عرب کے حاکم تھے۔ مگر اس کے باوجود آپ کے اخلاق میں کوئی کمی نہیں آئی بلکہ وہ بڑھتا ہی چلا گیا۔ عدی بن حاتم جب مدینہ طیبہ پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے جو کچی اینٹوں سے بنی ہوئی تھی۔ کچھ سوال و جواب تو مسجد میں ہوئے اور باقی گفتگو کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم عدی کو لے کر اپنے گھر کی طرف تشریف لے جا رہے ہیں۔ عدی آپ کے اخلاق کا بغور مطالعہ کر رہا ہے۔ وہ تو آپ کی عادات و اطوار کو دیکھنے آیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بوڑھی عورت سرعام روک لیتی ہے۔ آپ گلی کے ایک کونے میں پورے اطمینان سے اس کی گفتگو سنتے رہے۔ جب تک اس کی گفتگو ختم نہ ہوئی آپ پورے صبر و سکون کے ساتھ کھڑے رہے۔ عدی بھی قریب ہی کھڑا یہ منظر دیکھتا رہا۔ اسے یقین ہو گیا کہ ایسے اعلیٰ اخلاق والی شخصیت جو اتنی متواضع ہے جو برسرراہ ایک عام بڑھیا کی بات کو اس قدر توجہ سے سنتی ہے یقیناً ایک دنیادار بادشاہ نہیں۔ ایسا اخلاق، یہ تواضع تو اللہ کے کسی نبی کا ہی ہو سکتا ہے۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے عرض ہے کہ یہ واقعہ بھی عدی بن حاتم کے اسلام لانے کا ایک سبب تھا۔

السيرة النبوية لابن هشام:4/224-228، و السيرة النبوية للصلابي:2/587-589.

بہت محبت ہے؟ ارشاد فرمایا: ''جس نے ان سے محبت کی، اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا، اس نے مجھ سے بغض رکھا۔''

مسند أحمد:2/440، حديث:9671.

اللہ کے رسول ﷺ کا اپنے نواسوں کے ساتھ اعلیٰ اخلاق کا ایک اور نمونہ ہمیں اس وقت نظر آتا ہے جب آپ مسجد نبوی میں خطبہ دے رہے تھے۔ جب آپ کے دونوں نواسے مسجد میں داخل ہوئے تو اللہ کے رسول ﷺ خطبہ درمیان میں چھوڑ کر منبر سے نیچے اتر آئے، انھیں اٹھا کر اپنے ساتھ منبر پر لے گئے اور پھر خطبہ مکمل کیا۔



آیئے اس واقعے کو بھی ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ کے حوالے سے پڑھتے ہیں۔ اس کے راوی سیدنا بریدہ اسلمی ہیں۔ (اس روایت کو بھی امام البانی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح قرار دیا ہے)۔ بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں خطبہ دے رہے تھے کہ اس دوران میں سیدنا حسن اور سیدنا حسین نمودار ہوئے۔ ان دونوں نے سرخ رنگ کی قمیصیں پہنی ہوئی تھیں، قمیصیں لمبی تھیں اور وہ ان میں الجھ کر بار بار پھسل رہے تھے۔

قارئین! غالباً اس کا سبب یہ ہوسکتا ہے کہ دونوں ابھی چھوٹے تھے اور چھوٹے بچے جب چلتے ہیں تو پھسل جاتے ہیں۔ ایسے بچے بطور خاص والدین اور قریبی عزیز واقارب کو بہت ہی پیارے لگتے ہیں اور یہی کیفیت اللہ کے رسول ﷺ کی بھی تھی۔ جب ان ننھے منے دونوں نواسوں کو گرتے پڑتے اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو آپ ﷺ کو بڑے ہی پیارے لگے۔ اس کے بعد کیا ہوا آیئے حدیث شریف کا اگلا حصہ

پڑھتے ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے خطبہ روک دیا، منبر سے نیچے اترے، دونوں کو اٹھا کر اپنی آغوش میں لیا، پھر انہیں اٹھائے ہوئے منبر کی طرف بڑھے اور خطبہ دوبارہ شروع کیا۔

قارئین کرام! صحابہ کرام یہ منظر بڑے شوق اور محبت سے دیکھ رہے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا

﴿ إِنَّمَآ أَمْوَٰلُكُمْ وَأَوْلَٰدُكُمْ فِتْنَةٌ ﴾

"بلاشبہ تمھارے اموال اور تمھاری اولادیں آزمائش ہیں۔" (التغابن: 15)

میں نے انھیں دیکھا تو مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے انھیں اٹھالیا۔" راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے اپنا خطبہ مکمل فرمایا۔

سنن أبي داود، حديث: 1111، وجامع الترمذي، حديث: 3774، وسنن النسائي، حديث: 1413.

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے نواسوں کے بارے میں متعدد صحیح احادیث میں ان کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ صحیح بخاری میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے ایک حدیث ہے کہ عراق سے تعلق رکھنے والے ایک شخص نے ان سے سوال کیا: اگر حالت احرام میں کوئی آدمی مکھی مار دے تو اس کا کیا حکم ہے؟ برجستہ فرمایا: اہل عراق مکھی کے بارے میں تو سوال کرتے ہیں، حالانکہ وہ نواسۂ رسول کے قاتل ہیں جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہ حسن اور حسین دنیا میں میرے دو پھول ہیں۔

صحيح البخاري، حديث: 3753.

قارئین کرام! جامع ترمذی میں ایک صحیح حدیث میں اس سے ملتے جلتے الفاظ اس طرح ہیں: اہل عراق میں سے ایک شخص نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا: یہ فرمایئے کہ اگر مچھر کا خون کپڑے پر لگ جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ فرمانے لگے: اس آدمی کو دیکھو، یہ مچھر کے بارے میں سوال کرتا ہے جبکہ ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے جگر گوشے کو بے دردی سے قتل کر دیا، حالانکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا تھا: "بیشک حسن اور حسین دنیا میں میرے دو پھول ہیں۔"

صحيح البخاري، حديث: 5994، و جامع الترمذي، حديث: 3770.

غلاموں، یتیموں اور مسکینوں کے والی

اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنی امت کو وصیتیں فرمائیں۔ ان میں غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی بھی وصیت فرمائی۔ آپ ارشاد فرما رہے ہیں: (اَللّٰهَ اللّٰهَ، الصَّلَاةَ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ) ''اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، نماز کا خیال رکھو اور غلاموں کے حقوق ادا کرو۔''

سنن ابن ماجه، حديث: 1625، ودلائل النبوة للبيهقي 205/7.

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ کے اخلاق کو ملاحظہ فرمائیں کہ آپ معاشرے کے پسے ہوئے طبقات کو کتنی اہمیت دے رہے ہیں۔ وہ لوگ جن کی معاشرے میں کوئی قدر نہ تھی جنھیں کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔ ان کے بارے میں اپنی امت کی کیا تربیت کی؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص کے پاس لونڈی ہو، وہ اس کی اچھی تعلیم و تربیت کرے، پھر اسے آزاد کر کے اس سے شادی کر لے تو اسے دگنا ثواب ملے گا۔''[1]

صحيح البخاري، حديث: 2544.

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ غلاموں کے ساتھ بیٹوں جیسا سلوک کرو۔

سنن ابن ماجه، حديث: 3691.

صحیح مسلم کی حدیث نمبر: 1663 میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب تمھارا نوکر تمھارے لیے کھانا تیار کر کے لائے تو اسے بھی اپنے ساتھ بٹھاؤ کیونکہ اس نے کھانا تیار کرتے ہوئے دھویں اور آگ کی تکلیف برداشت کی ہے، اگر کھانا کم ہو تو اسے کچھ حصہ ضرور دو خواہ وہ ایک دو لقمے ہی کیوں نہ ہوں۔''

صحیح مسلم کی حدیث نمبر: 1658 میں ہے: ابوعلی سوید بن مقرن کہتے ہیں: مجھے بخوبی یاد ہے کہ ہم سات بھائی تھے۔ ہماری خدمت کرنے والی ایک ہی لونڈی تھی۔ ایک مرتبہ میرے چھوٹے بھائی نے اسے تھپڑ مار دیا تو اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ اسے آزاد کردو۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بیوہ اور مسکین کو کما کر دینے والا مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح ہے یا اس شخص کی طرح جو بلا ناغہ روزے رکھتا اور ساری رات قیام کرتا ہے۔''

صحيح البخاري، حديث:5353.



ارشاد فرمایا: (إبغوني الضُّعَفَاءَ فَإِنَّمَا تُنصَرُونَ وَتُرْزَقُونَ بِضُعَفَائِكُمْ) ''میرے لیے کمزور لوگوں کو تلاش کیا کرو۔ یاد رکھو انھی کمزوروں کی وجہ سے تمھیں رزق دیا جاتا اور تمھاری مدد کی جاتی ہے۔''

صحيح البخاري، حديث:2896، و سنن أبي داود، حديث:2594.

ایک شخص نے آپ ﷺ سے اپنے دل کے سخت ہونے کی شکایت کی تو آپ نے ارشاد فرمایا: ''اگر تم دل نرم کرنا چاہتے ہو تو کسی مسکین کو کھانا کھلایا کرو یا کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو۔''

مسند أحمد:2/263.

مساوات محمدی کی چند جھلکیاں

اللہ کے رسول ﷺ اپنے صحابہ کرام کی معیت میں دشمنان اسلام کے ساتھ لڑائی کے لیے نکلے ہیں۔ راستے میں ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ لشکر کے کھانے پینے کا بندوبست کرنے کے لیے آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ڈیوٹیاں لگا رہے ہیں۔ کاموں کی تقسیم کے بعد آپ کچھ دیر کے لیے ساتھیوں سے علیحدہ ہو گئے ہیں۔ صحابہ کرام نے تھوڑی دیر بعد محسوس کیا کہ ان کے قائد، ان کے مربی ان کے پاس موجود نہیں تو انھیں پریشانی لاحق ہوئی کہ آپ ﷺ کہاں تشریف لے گئے ہیں۔

تھوڑی دیر بعد صحابہ کرام نے دیکھا کہ آپ ﷺ جنگل سے ایندھن اکٹھا کر کے لا رہے ہیں۔
قارئین کرام! ذرا غور کریں، آپ سربراہ مملکت تھے۔ آپ کو یہ کام کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ صحابہ کرام خود یہ فریضہ انجام دینے کے لیے تیار تھے، مگر یہ آپ کے حسن اخلاق کا تقاضا تھا کہ آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر کام کر رہے ہیں۔ اسے مساوات محمدی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ عام لوگوں کے ساتھ گھل مل کر رہتے تھے۔ اپنے آپ کو انھی جیسا ایک فرد سمجھتے تھے۔ سیرت کو پڑھتے جائیں آپ کو کہیں نہیں ملے گا کہ آپ ﷺ کسی مجلس میں صحابہ کرام سے بلند جگہ پر بیٹھے ہوں۔

الرحیق المختوم، ص:485، 486.

اللہ کے رسول ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ تھے۔ عام لوگ اللہ کے رسول ﷺ کو نہیں پہچانتے تھے۔ ان کا دھیان سیدنا ابوبکر صدیق کی طرف ہوتا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ محسوس کیا تو انھوں نے اللہ کے

رسول ﷺ کے سر مبارک پر اپنا کپڑا تان دیا جس سے لوگوں کو معلوم ہوا کہ دونوں میں سے اللہ کے رسول ﷺ کون ہیں۔ صحيح البخاري، حديث:3906.

آپ ﷺ عام صحابہ کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔حتیٰ کہ غلاموں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے میں بھی کوئی عار محسوس نہ کرتے تھے۔

قارئین کرام! اگر کسی نے صحیح مساوات دیکھنی ہے تو اسے رسول اللہ ﷺ کی سیرت میں نظر آئے گی۔ آیئے! ایک اور منظر دیکھتے ہیں۔ شِعب ابی طالب میں آپ ﷺ نے اپنے خاندان کے ساتھ تین سال گزارے۔ یہ نہایت مشکل حالات تھے۔ اکثر فاقہ کشی کی نوبت آ جاتی۔ اس دوران کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ ﷺ کو ان کے خاندان والوں پر فوقیت دے کر کھانا مہیا کیا گیا ہو۔

الرحيق المختوم، ص: 110.

غزوۂ احزاب میں آپ ﷺ کو کسی صحابی نے اپنے پیٹ پر پتھر باندھا ہوا دکھایا تو اس وقت آپ ﷺ کے پیٹ پر بھی پتھر بندھا ہوا تھا۔

اسے مساوات محمدی کہتے ہیں۔


شعب ابی طالب کی موجودہ تصویر

اور سیدہ کو گوہر مطلوب مل گیا



قارئین کرام! اخلاق حمیدہ کے کتنے ہی پہلو ہیں۔ ان میں امانت و دیانت بڑا اہم ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی امانت و دیانت مسلم تھی۔ آپ ﷺ نے اپنی جوانی میں تجارت کا پیشہ اپنایا۔ آپ کے آباء و اجداد صدیوں سے یہ پیشہ اپنائے ہوئے تھے۔ وہ سردیوں میں یمن کا رخ کرتے اور گرمیوں میں شام کا سفر کرتے تھے جس کا موسم ٹھنڈا ہوتا تھا۔

آپ اپنی امانت اور دیانت میں بہت مشہور تھے۔ آپ کا اخلاق مکہ مکرمہ میں ضرب المثل تھا۔ اس کی مثالیں دی جاتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ مکہ مکرمہ کی سب سے مالدار خاتون سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کو آپ کی راست گوئی، امانت اور مکارم اخلاق کا علم ہوا تو انھوں نے ایک پیغام کے ذریعے آپ کو دعوت دی کہ آپ اس کا سامان تجارت لے کر شام جائیں تو وہ آپ کو اوروں کے مقابلے میں زیادہ معاوضہ دے گی۔ کسی بھی شخص کا صادق اور امین ہونا غیر معمولی صفت ہے۔ بہت کم لوگوں میں یہ صفات پائی جاتی ہیں۔ سیدہ خدیجہ کی ذہانت اور فطانت دیکھیے کہ آپ کے ہمراہ اپنے نہایت معتمد غلام میسرہ کو بھی بھیجا۔

رسول اللہ ﷺ اپنی امانت اور دیانت کی وجہ سے بہت مشہور تھے، مکہ مکرمہ میں تو آپ ﷺ کا اخلاق ضرب المثل تھا۔

اللہ کے رسول ﷺ سیدہ کی اس پیشکش کو قبول کرتے ہیں اور سامان تجارت لے کر شام کا سفر کرتے ہیں۔ پھر جس طرح سچے اور ایماندار تاجر ہوتے ہیں جو دھوکہ اور ملاوٹ نہیں کرتے، لوگوں کے ساتھ معاملات کو صحیح طریقے سے طے کرتے ہیں ان کے کاروبار میں برکت زیادہ ہوتی ہے، ان کا مال فوراً فروخت ہوجاتا ہے اور وہ عام تاجروں کے مقابلے میں زیادہ منافع کماتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔

آپ زیادہ منافع کما کر واپس تشریف لاتے ہیں اور جب مکہ مکرمہ پہنچتے ہیں تو سیدہ خدیجہ نے اپنے مال میں ایسی امانت اور برکت دیکھی جو اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ ان کا غلام میسرہ بھی سیدہ کو آپ کے شیریں اخلاق، بلند پایہ کردار کے متعلق خبر دیتا ہے۔ سیدہ خدیجہ کو تو گویا اپنا گوہر مطلوب دستیاب ہوگیا۔ اس سے پہلے ان کو متعدد سرداروں اور رؤسائے قبائل نے شادی کا پیغام بھیجا تھا جسے سیدہ نے مسترد کردیا۔ مگر اللہ کے رسول ﷺ کے اعلیٰ اخلاق سے وہ اس قدر متاثر ہوئیں کہ از خود پیغامِ نکاح بھجوادیا۔

الرحيق المختوم، ص: 61،60. والسيرة النبوية للصلابي: 81،80.



شام کے مشہور تجارتی شہر بصریٰ کے آثار کی ایک تصویر

صفا پہاڑی کی موجودہ تصویر



ہم نے آپ کو ہمیشہ سچا ہی پایا

سچ بولنا اور حقائق پر مبنی بات کرنا ایسا وصف ہے کہ اس سے مخالف بھی متاثر ہوتا ہے۔ اعلیٰ اخلاق کا ایک خوبصورت پہلو سچائی اور راست بازی ہے۔ ہمیشہ سچ بولنا کوئی آسان کام نہیں۔ بسا اوقات سچ بولنے پر جو مصائب پیش آسکتے ہیں اس کا اندازہ ہر شخص اپنی ذات سے کر سکتا ہے۔

اب ذرا سید ولد آدم حضرت محمد ﷺ کی ذات اقدس کے اعلیٰ اخلاق کے اس پہلو پر نظر ڈالتے ہیں۔ صفا پہاڑی بیت اللہ سے زیادہ دور نہیں۔ اس کے اوپر کھڑے ہوں تو سامنے بیت اللہ شریف نظر آتا ہے۔ قریش کے گھر اس پہاڑی کے قرب و جوار میں تھے۔ ایک دن اللہ کے رسول ﷺ اپنی برادری اور قبیلے

کے لوگوں کو اس پہاڑی کے نیچے جمع کر لیتے ہیں۔ آپ خود پہاڑی کے اوپر چڑھے ہوئے ہیں۔ یہاں آپ کو اپنے رشتہ دار بھی نظر آ رہے ہیں اور پہاڑی کے دوسری طرف کا حصہ بھی نظر آ رہا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے قریش کی تمام شاخوں کے افراد کھڑے ہیں۔ یہاں پر بنوفہر، بنوعدی، بنو عبد مناف، بنوعبدالمطلب سبھی آ گئے ہیں۔ آپ ان سے ایک سوال کر رہے ہیں۔ میں پہاڑی کی چوٹی پر کھڑا ہوں اور تم اس کے دامن میں ہو۔ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑی کے اُس طرف دشمن کا لشکر آ پہنچا ہے جو تم پر حملہ کرنے کو تیار بیٹھا ہے تو کیا تم میری بات مان لو گے۔؟

قارئین کرام! بظاہر دیکھا جائے تو اس سوال کا جواب ”ہاں“ میں دینا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا۔

یہ کیسے ممکن تھا کہ قریش جو اتنے چوکنے تھے، ان کو معلوم بھی نہ ہو اور دشمن کا لشکر حملے کے لیے ان کے اتنا قریب آ پہنچا ہو اور کسی کو کانوں کان اس کی بھنک تک نہ پڑی ہو،

مگر اللہ کے رسول ﷺ کا روشن ماضی قریش کے سامنے تھا۔



وہ آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق سے خوب واقف تھے۔

انھیں معلوم تھا کہ آپ نے ساری زندگی کبھی جھوٹ نہیں بولا، اسی لیے تو انھوں نے بیک آواز کہا: (نَعَمْ، مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ إِلَّا صِدْقًا) ”ہاں ہاں، ہم آپ کی خبر پر ضرور یقین کریں گے اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ ہمارا تجربہ یہی ہے کہ آپ نے ہمیشہ سچ بولا ہے۔

صحیح البخاري، حدیث: 4770، و صحیح مسلم، حدیث: 208، والرحیق المختوم، ص: 80،79.

قارئین کرام! یہ بات کہنے اور دیکھنے کی نہیں کہ برادری اور رشتے داروں میں بعض لوگ رقیب بھی ہوتے ہیں ان کے لیے فضیلت کا اقرار اور اعتراف بڑا مشکل ہوتا ہے، مگر یہاں پر ساری برادری آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کی توثیق کر رہی ہے اور آپ سے کہہ رہی ہے کہ آپ کے بارے میں ہمارا تجربہ سوائے سچ کے اور کچھ نہیں۔

ہمارے نبی کریم ﷺ کی زاہدانہ زندگی

اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی پوری زندگی نہایت سادگی سے گزاری۔ آپ کی خوراک نہایت سادہ تھی۔ قارئین کرام! کسی بھی شخصیت کے اخلاق وکردار کا مطالعہ کرنا ہو تو اس کی عادات کے ساتھ ساتھ اس کے لباس، اس کی گفتگو سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ کس طرح کی زندگی بسر کرتی ہے۔ نبی ﷺ حکمران ضرور تھے مگر اس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ نہایت متواضع تھے۔ آپ کی خوراک اتنی کم اور سادہ تھی کہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ہاں کبھی گوشت اور روٹی کا کھانا صبح وشام دو وقت موجود نہیں رہا۔ ہاں، جب مہمان آتے تو ایسا ممکن ہوتا، یعنی دونوں وقت کھانا ہوتا۔ اس روایت کو امام البانی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ مختصر شمائل الترمذي للألباني، حديث: 117.

مہمانوں کے حوالے سے اللہ کے رسول ﷺ کی تعلیمات کو پڑھ کر آگے بڑھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ)

''جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کی عزت افزائی کرے۔'' صحيح البخاري، حديث: 6018، و صحيح مسلم، حديث: 47.

اس حدیث سے بھی آپ ﷺ کا اخلاق معلوم ہوتا ہے۔ آپ مہمانوں کی بہت زیادہ عزت

کرتے تھے۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ آل محمد نے کبھی لگاتار دو دن جو کی روٹی سیر ہو کر نہیں کھائی حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے۔

صحيح مسلم، حديث: 2970.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے، آل محمد نے کبھی مسلسل تین راتیں گندم کی روٹی سیر ہو کر نہیں کھائی حتی کہ آپ وفات پا گئے۔ [1]

صحيح البخاري، حديث: 5416.



سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل خانہ مسلسل کئی راتیں بھوکے سوتے تھے۔ انھیں رات کا کھانا میسر نہیں آتا تھا۔ ان کی زیادہ تر روٹی جو کی ہوتی تھی۔

مختصر شمائل الترمذي للألباني، حديث: 125.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لاتے اور پوچھتے: ''کھانے کو کچھ ہے؟'' میں عرض کرتی: یا رسول اللہ! کوئی چیز نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے: ''تو آج میرا روزہ ہے۔''

صحيح مسلم، حديث: 1154.

ایک مرتبہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھانجے عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے فرمایا کہ بعض اوقات ہم پر تین تین چاند طلوع ہوتے، یعنی تین تین ماہ گزر جاتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں چولھا نہ جلتا تھا۔ عروہ رحمہ اللہ بڑے تعجب سے پوچھتے ہیں: خالہ جان! پھر آپ لوگ زندہ کیسے رہتے تھے؟ سیدہ نے جواب دیا: جی بیٹا! ہماری گزر بسر پانی اور کھجوروں ہی پر ہوتی تھی۔ ہاں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے انصاری پڑوسی آپ کو دودھ کا تحفہ بھیج دیا کرتے تھے کیونکہ ان کے ہاں دودھ والے جانور بکثرت تھے۔ وہ دودھ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں بھی پلاتے تھے۔

صحيح البخاري، حديث: 6459، و صحيح مسلم، حديث: 2972.

اللہ کے رسول ﷺ کے لباس کی سادگی

ابو بردہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سیدہ نے ہمیں ایک موٹا سا تہبند نکال کر دکھایا۔ یہ کپڑا یمن میں تیار ہوتا تھا۔ پھر سیدہ نے ہمیں ایک اوڑھنے والی چادر بھی دکھائی جسے (مُلَبَّدَةٌ) ''موٹی چادر'' کہا جاتا تھا۔ دونوں چیزیں دکھانے کے بعد انھوں نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر فرمایا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ان دو کپڑوں میں وفات پائی۔ صحيح البخاري، حديث:3108، 5818، و صحيح مسلم، حديث:2080.

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ ایک چٹائی پر سو کر اٹھے تو آپ کے پہلو پر چٹائی کے نشانات تھے۔ ہم نے کہا: اللہ کے رسول! کیا ہی بہتر ہو اگر ہم آپ کے لیے ایک نرم سا بستر بنا دیں۔

قارئین کرام! اب دیکھیے کہ اللہ کے رسول ﷺ اس کے جواب میں کیا ارشاد فرماتے ہیں؟

ارشاد ہوا: ''میرا دنیا سے کیا تعلق؟ دنیا میں میری مثال تو اس مسافر جیسی ہے جو تھوڑی دیر کے لیے کسی درخت کے سائے تلے ٹھہرتا ہے، پھر اسے چھوڑ کر اپنی راہ لیتا ہے۔''

جامع الترمذي، حديث:2377، یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اگر ہم رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ پر نظر دوڑائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی مبارک زندگی ہر پہلو سے سادگی کی تصویر تھی۔ آپ نے نہ صرف اپنی زندگی سادگی سے گزاری بلکہ اپنے صحابہ کرام کی تربیت بھی اس انداز میں کی کہ دنیا کی بے وقعتی کو خوب واضح کیا۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے

ساتھیوں کی تربیت کیسے کی؟

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ بالائی مدینے سے آتے ہوئے بازار سے گزرے۔ آپ کے اردگرد بہت سے صحابہ کرام تھے۔ آپ ﷺ ان کے ہمراہ تشریف لے جارہے ہیں کہ راستے میں بکری کا ایک مرا ہوا بچہ پڑا تھا۔ اس کے کان چھوٹے چھوٹے تھے۔ آپ نے اس مردہ میمنے کا کان پکڑ کر فرمایا: ''ساتھیو! تم میں سے کون اسے ایک درہم میں لینے پر راضی ہے؟''

لوگوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ایک درہم تو بڑی دور کی بات ہے، ہم تو ایک پیسے میں بھی لینے کے لیے تیار نہیں ہیں، اور ہم اسے لے کر کریں گے بھی کیا!

اب ارشاد ہوا کہ ''اچھا تم یہ مفت لینے کے لیے تیار ہو؟''

لوگوں نے جواب میں عرض کیا: اللہ کے رسول! اگر یہ زندہ ہوتا تب بھی یہ عیب دار شمار ہوتا کیوں کہ اس کے کان بہت چھوٹے ہیں۔ اور اب تو یہ مرا ہوا ہے۔ مراد یہ کہ اسے ہم مفت میں لینے کے لیے بھی تیار نہیں ہیں۔ اب دیکھیے کہ اللہ کے رسول ﷺ دنیا کی بے ثباتی اور اس کی کم حیثیت کو کس طرح واضح کرتے ہیں۔ ارشاد ہوا:

(فَوَاللّٰهِ لَلدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذَا عَلَيْكُمْ)

''اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا اس مردار سے بھی کم حیثیت رکھتی ہے۔''

صحيح مسلم، حديث: 2957، و سنن أبي داود، حديث: 186.

اور پھر ایک جگہ اپنے ساتھیوں کے سامنے دنیا کی حقیقت اس طرح بیان فرمائی:

(لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ مَا سَقٰى كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةَ مَاءٍ)

''دنیا اللہ تعالیٰ کے ہاں مچھر کے پر کے برابر بھی حیثیت رکھتی ہوتی تو وہ کسی کافر کو دنیا میں پانی کا ایک گھونٹ پینے کو نہ دیتا۔''

جامع الترمذي، حديث: 2320.

93 اخلاق نبوی ﷺ

انھیں چھوڑ دو، یہ برائی کا منبع ہیں

سیدنا سلمہ بن عمرو بن اکوع رضی اللہ عنہ قبیلہ اسلم سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ ان خوش قسمت صحابہ میں سے تھے جنھوں نے بیعت رضوان میں بھی حصہ لیا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر ایک مرتبہ نہیں بلکہ تین مرتبہ بیعت کی تھی۔ اللہ کے رسول کی اپنے صحابہ کرام کے ساتھ کیسی اور کتنی محبت تھی، آیئے دیکھتے ہیں:



جب اللہ کے رسول ﷺ نے بیعت لینی شروع کی تو یہ اولین لوگوں میں سے تھے جنھوں نے بیعت کی سعادت حاصل کی۔ جب کافی سارے لوگوں نے بیعت کر لی تو اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''سلمہ! تم بیعت نہیں کرو گے؟''

جب بیعت کا اختتام ہونے لگا تو اللہ کے رسول نے پھر فرمایا: ''سلمہ! تم میری بیعت نہیں کرو گے؟''

عرض کی کہ میں تو شروع میں ہی بیعت کر چکا ہوں۔

ارشاد فرمایا کہ ''پھر بیعت کرلو۔'' چنانچہ انھوں نے دوبارہ بیعت کی۔

جب بیعت کا اختتام ہونے لگا تو اللہ کے رسول نے پھر فرمایا: ''سلمہ! تم میری بیعت نہیں کرو گے؟'' سلمہ نے تیسری بار بیعت کی۔ اس طرح سلمہ بن اکوع نے تین بار بیعت کی، شروع، درمیان اور آخر میں۔ ذرا غور کیجیے کہ اللہ کے رسول ﷺ اپنے اس غریب سے صحابی کے ساتھ کتنی محبت کرتے ہیں اور انھیں کتنی اہمیت دیتے ہیں۔ یہ وہ عظیم شخصیت تھے جنھوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے ہمراہ سات غزوات میں حصہ لیا۔ نہایت بہادر اور بہت تیز دوڑنے والے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے غزوہ ذی قرد میں ان کو یوں خراجِ تحسین پیش کیا:

(خَيْرُ فُرْسَانِنَا الْيَوْمَ أَبُو قَتَادَةَ، وَخَيْرُ رَجَّالَتِنَا سَلَمَةُ)

''آج ہم میں ابوقتادہ بہترین گھڑ سوار اور چلنے والوں میں بہترین سلمہ ہیں۔''

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے اعلیٰ اخلاق سے اپنے ساتھیوں کے دلوں کو جیتا۔ ذرا غور کیجیے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو کیسے بہترین تمغے دیے۔

عبدالرحمٰن بن رزین بیان کرتے ہیں: ہم ربذہ نامی مقام پر سلمہ ابن اکوع سے ملنے کے لیے آئے تو انھوں نے اپنا نہایت بھاری بھرکم ہاتھ نکال کر دکھایا (...... كَأَنَّهَا خُفُّ الْبَعِيرِ......) ''جیسے وہ کسی اونٹ کا کھر ہو''۔ ہم نے اس ہاتھ کو چوم لیا کیونکہ اس ہاتھ نے اللہ کے رسول ﷺ کے مبارک ہاتھ پر متعدد بار

بیعت کی تھی۔

سلمہ بن اکوع فرماتے ہیں: ''بیعت رضوان'' کے بعد مشرکین مکہ نے متعدد ایلچی ارسال کیے جس کے نتیجے میں ہماری ان سے صلح ہوگئی۔ میں ان دنوں سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے لیے کام کرتا تھا۔ ان کے گھوڑے کو پانی پلاتا، اس کی صفائی ستھرائی کرتا اور اسے چارہ ڈالتا۔ اس کے بدلے میں مجھے طلحہ کے ہاں سے کھانا مل جاتا۔ دراصل جب میں نے ہجرت کی تو اپنا گھر بار اور مال و دولت سب کچھ اللہ اور اس کے رسول کی خاطر چھوڑ دیا تھا۔ مشرکین مکہ سے صلح کے بعد دونوں فریق ایک دوسرے سے مطمئن ہو گئے۔ ہم لوگ ایک دوسرے سے ملنے جلنے لگے۔

ایک دن دوپہر کے وقت میں ایک درخت کے نیچے گیا۔ زمین پر گرے ہوئے کانٹے صاف کیے اور درخت کی چھاؤں میں لیٹ گیا۔ اس دوران میں چار مشرک وہاں آ گئے اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف باتیں کرنے لگے۔ مجھے ان سے شدید نفرت ہوئی۔ میں وہاں سے اٹھا اور ایک اور درخت کی طرف چلا گیا۔ اس دوران میں ان مشرکین نے اپنا اسلحہ درخت سے لٹکا دیا اور لیٹ گئے۔ تھوڑا وقت گزرا کہ کسی شخص نے نشیب سے آواز دی کہ مہاجرین! خبردار ہو جاؤ، ابن زنیم کو قتل کر دیا گیا ہے۔ میں یہ آواز سن کر اپنی تلوار کی طرف لپکا اور اسے لہراتے ہوئے ان چاروں کے سروں پر جا پہنچا۔ یہ چاروں مشرک لیٹے ہوئے تھے۔ میں نے ان کو للکارا اور کہا کہ خبردار کوئی شخص حرکت نہ کرے۔ ساتھ ہی میں نے بلا تاخیر ان کے اسلحہ پر قابو پا لیا اور کہا:

(وَالَّذِي كَرَّمَ وَجْهَ مُحَمَّدٍ لَا يَرْفَعُ أَحَدٌ مِّنْكُمْ رَأْسَهُ إِلَّا ضَرَبْتُ الَّذِي فِيهِ عَيْنَاهُ)

''اس ذات کی قسم جس نے محمد ﷺ کو عزت بخشی ہے، اگر تم میں سے کسی نے بھی اپنی گردن اٹھائی تو میں اس کی گردن تن سے جدا کر دوں گا۔''

میں نے ان چاروں کو اپنے آگے آگے چلنے کا حکم دیا اور انھیں لے کر اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت

میں حاضر ہوا۔ اسی دوران میں میرا چچا عامر بھی آ گیا۔ اس نے بنو عبلات کے مکرز نامی شخص کو ستر افراد کے ہمراہ گرفتار کیا تھا۔ یہ لوگ مشرکین تھے جنھوں نے بدعہدی کی تھی اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔



بیعت رضوان کے مقام پر بنی تاریخی مسجد

قارئین کرام! اب ذرا دیکھیے اللہ کے رسول ﷺ کا حلم اور آپ کا اعلیٰ اخلاق کہ یہ وہ ستر مجرمین تھے جنھوں نے بدعہدی کی تھی اور اسلامی لشکر پر حملے کا منصوبہ بنا رہے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا اور ارشاد فرمایا:

(دَعُوهُمْ يَكُنْ لَهُمْ بَدْءُ الْفُجُورِ وَثِنَاهُ)

''ان کو چھوڑ دو، یہ وہ لوگ ہیں کہ شروع سے آخر تک برائی کا منبع ہیں۔ ان کا وبال اول و آخر انھی پر ہوگا۔'' صحيح مسلم، حديث: 1807، 1815، والاستيعاب، ص: 330، 331، و سير أعلام النبلاء: 3/326-331.

قارئین کرام! یہ ستر مشرکین اللہ کے رسول ﷺ کے رحم و کرم پر تھے۔ ان لوگوں کے عزائم بڑے خطرناک تھے اور یہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاری رکھتے تھے۔ مگر ہمیشہ لوگوں سے درگزر کرنے والے اور اپنے بدترین دشمنوں کو بھی معاف کرنے والے نبی کریم ﷺ نے انھیں معاف کر دیا۔ آپ ﷺ کی بے شمار خوبیوں میں ایک خوبی یہ بھی تھی کہ آپ انتقام اور بدلہ لینے کی طاقت رکھنے کے باوجود اپنے دشمنوں کو معاف کر دیتے تھے۔

صحيح البخاري، حديث: 3560، و صحيح مسلم، حديث: 2327.

اچھے اخلاق والا روزہ دار اور تہجد گزار جیسا

قارئین کرام! اگر ہم اعلیٰ اخلاق کے حامل کسی شخص کی خوبیاں شمار کریں تو ان میں سے ایک خوبی یہ بھی ہوگی کہ وہ حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے۔ اب دیکھیے اسلام کی کتنی اعلیٰ روایات ہیں اور اسلام کتنا پیارا دین ہے کہ ایسی صفت کے حامل شخص کے لیے اللہ کے رسول ﷺ نے انتہائی بڑی خوشخبری دی ہے۔ آیئے ایک حدیث پڑھتے ہیں۔

سنن ابی داود حدیث نمبر: 4800 میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے، میں اس کے لیے جنت کے کنارے پر ایک محل کی ضمانت دیتا ہوں۔''

نیز ارشاد فرمایا: ''جو مذاق میں بھی جھوٹ نہ بولے، میں اس کے لیے جنت کے درمیان ایک محل کی ضمانت دیتا ہوں۔'' مزید فرمایا: ''جس کے اخلاق اچھے ہوں، میں اس کے لیے جنت کے بلند ترین حصے میں ایک محل کا ضامن ہوں۔''

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''مؤمن اپنے حسن خلق کی وجہ سے ہمیشہ روزہ رکھنے والے تہجد گزار کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔''

سنن أبي داود، حديث:4798.

اخلاق کی اہمیت کو مزید واضح کرنے کے لیے ارشاد ہوا: ''قیامت کے دن میرے نزدیک سب سے محبوب اور سب سے قریب وہ لوگ ہوں گے جو تم میں سب سے اچھے اخلاق والے ہیں۔ اور قیامت کے دن میرے قرب سے محروم، سب سے ناپسندیدہ اور مجھ سے دور وہ لوگ ہوں گے جو تم میں باتونی، چبا چبا کر باتیں کرنے والے اور تکبر کرنے والے ہیں۔''

جامع الترمذي، حديث: 2018.

اور اسے چادر عطا ہوتی ہے

عربوں میں فن شاعری کو بڑا امتیاز مرتبہ حاصل تھا۔ شعراء کسی بھی قبیلے کی جان ہوتے، شاعر کسی شخص یا قبیلے کی تعریف یا مذمت کر دیتا تو اسے مدتوں یاد رکھا جاتا۔ بنو مزینہ قبیلہ عرب کا مشہور قبیلہ تھا مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان آباد تھا۔ اس کا شاعر کعب بن زہیر اپنے اشعار کی وجہ سے بڑا مشہور تھا۔ ایک مرتبہ اپنے بھائی بجیر کے ساتھ سفر کرتے کرتے وہ مدینہ طیبہ کے قرب و جوار میں جا پہنچا ۔ اس وقت تک اس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب اللہ کے رسول ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لا چکے تھے۔ بتدریج اسلام کی روشنی پھیل رہی تھی، مگر ابھی تک اسلام کے مخالفین کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی ۔ بجیر اپنے بھائی کعب سے کہنے لگا: بھائی! تم یہیں ٹھہر جاؤ، میں کچھ وقت کے لیے یثرب جاتا ہوں اور محمد ﷺ کی باتیں سنتا ہوں۔ سنا ہے کہ ان کی باتیں بڑی اچھی ہوتی ہیں۔

کعب کہنے لگا: ٹھیک ہے، میں یہاں ٹھہر کر تمھارا انتظار کروں گا۔ تم یثرب سے ہو آؤ۔ بجیر اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس مزنی نوجوان کو خوش آمدید کہا اس کی عزت افزائی کی اور اسے اسلام کی دعوت دی ۔ اللہ اکبر! اللہ کے رسول ﷺ کا دعوت دینے کا انداز بہت خوبصورت تھا۔ آپ نے اسے دعوت کیا دی بجیر کی کایا پلٹ گئی ۔ سلیم الفطرت تھا اس نے فوراً اسلام قبول کرلیا۔ کعب اپنے بھائی کا انتظار کر رہا تھا۔ چند دنوں بعد اسے بجیر کے اسلام لانے کی خبر ملی تو سیخ پا ہو گیا۔ وہ اللہ کے رسول ﷺ اور اسلام کا بدترین دشمن تھا۔ شاعر تو تھا ہی اس پر شیطان غالب آ گیا اور اس نے

اللہ کے رسول ﷺ اور اپنے بھائی کی ہجو پر مبنی نہایت نازیبا قصیدہ کہہ ڈالا۔
میں نے اوپر ذکر کیا یہ وہ دور تھا جب شاعر اپنے اشعار سے قبائل میں آگ لگا دیتے تھے، کسی شخص نے ان نازیبا اشعار کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ کو بھی اطلاع دے دی۔ اللہ کے رسول ﷺ تک جب یہ اشعار پہنچے تو آپ نے سخت ناراضی کا اظہار فرمایا اور ارشاد فرمایا:

(مَنْ لَقِيَ كَعْبًا فَلْيَقْتُلْهُ)

''جسے بھی کعب ملے وہ اسے قتل کر دے۔''

قارئین کرام! اب ذرا دیکھیے! اللہ کے رسول ﷺ نے اس گستاخ شاعر کے ڈیتھ وارنٹ جاری کر

97 اخلاق نبوی

میری دعا امت کے لیے محفوظ ہے

طائف کے اطراف میں جو قبائل بستے ہیں، ان میں بنو ثقیف نہایت مشہور قبیلہ ہے۔ عام الوفود میں سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی عقیل ثقفی رضی اللہ عنہ بھی مدینہ طیبہ آتے ہیں۔ سیرت نگاروں کے مطابق ان کی والدہ کا نام ام الحکم تھا جو سیدنا ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں۔ اس طرح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے ماموں بنتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے: اسلام لانے سے پہلے ہمیں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ اتنی دشمنی تھی کہ ہم آپ کا نام سننا اور چہرہ دیکھنا بھی گوارا نہ کرتے تھے۔ مگر اسلام قبول کرنے کے بعد آپ ﷺ کا چہرۂ اقدس ہمارے لیے کائنات کا سب سے محبوب چہرہ بن گیا۔

اسلام لانے کے بعد انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے ایک عجیب سی درخواست کی کہ آپ اللہ تعالیٰ سے حضرت سلیمان علیہ السلام جیسی بادشاہت کی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی ان جیسی حکومت عطا کرے۔

دیے ہیں اس کا خون مباح ہو چکا ہے۔ ان کڑے اور مشکل حالات میں اس کا بھائی بجیر اس کے پاس جاتا ہے۔ اسے کہتا ہے: بھائی! اپنی جان کی فکر کرو، اسے بچاؤ، اسے مشورہ دیا کہ تم فوراً اسلام قبول کرنے کا اعلان کردو۔ پھر بجیر کہنے لگا: بھائی سنو! اللہ کے رسول ﷺ کی یہ صفت ہے کہ جو کوئی بھی ان کے پاس آکر یہ گواہی دے دیتا ہے کہ (أَنْ لَا إِلَـهَ إِلا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ إِلَّا قَبِلَ مِنْهُ) ''اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ یقیناً اللہ کے رسول ہیں تو اللہ کے رسول اس کے اسلام کو قبول کر لیتے ہیں۔''

بجیر نے اپنے بھائی کعب کو اسلام لانے کی دعوت دی اسے اسلام کے محاسن سے آگاہ کیا تو کعب نے

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ کے انکسار، تواضع اور اخلاق کو ملاحظہ کریں کہ آپ اپنے اس نئے ساتھی کی بات سن کر مسکرا دیے، اور فرمایا: ساتھی! شاید اللہ تعالیٰ کے ہاں تمھارے صاحب (ﷺ) کے لیے سلیمان علیہ السلام کی بادشاہت سے بھی افضل مقام ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جو بھی نبی مبعوث فرمایا، اسے ایک دعا کا اختیار دیا۔ بعض نبیوں نے وہ دعا کسی دنیاوی کام کے لیے مانگ لی اور ان کا وہ کام ہو گیا۔

کسی نبی نے اپنی امت کی نافرمانی پر ناراض ہو کر ان کے خلاف وہ دعا مانگ لی۔ اس کے نتیجے میں وہ امت ہلاک ہو گئی۔

قارئین کرام! اب دیکھیے اپنے پیارے رسول ﷺ کی اپنی امت سے شدید محبت اور پیار کہ ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی ایک دعا عطا کی تھی کہ آپ جو طلب کریں گے مل جائے گا۔ میں نے اس دعا کو اپنے رب کے ہاں قیامت کے دن اپنی امت کے لیے شفاعت کے واسطے محفوظ کر لیا ہے۔''

المستدرك للحاكم:68/1، و صحيح الترغيب و الترهيب، حديث:3635.

ان شاء اللہ قیامت کے روز اللہ کے رسول ﷺ ہم جیسے گناہ گاروں کے لیے اللہ تعالیٰ سے شفاعت ضرور کریں گے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے مؤلف، اسے پڑھنے والے اور دیگر تمام مسلمانوں کو اللہ کے رسول ﷺ کی شفاعت نصیب فرمائے اور ہمیں قیامت کے روز آپ کے جھنڈے تلے اکٹھا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

اپنے بھائی کی بات مان لی۔ پھر وہ ایک دن چھپتا چھپاتا اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے، اللہ کے رسول ﷺ کے چہرہ اقدس کو دیکھا تو جس طرح شاعروں کی عادت ہے، آپ کے سامنے اپنا مشہور قصیدہ پڑھنا شروع کر دیا۔

قارئین کرام! یہ قصیدہ نہایت ہی خوبصورت ہے، اس میں اللہ کے رسول ﷺ کی مدح کرتے ہوئے وہ آپ کے اعلیٰ اخلاق کی گواہی دیتا ہے۔

کہتا ہے: مجھے تو لوگوں نے بتایا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے میرے قتل کا حکم جاری کر دیا ہے حالانکہ مجھے تو ان سے معافی کی امید ہے۔ وہ اشعار پڑھتا رہا۔ اللہ کے رسول ﷺ کی تعریف اور مدح بیان کرتا رہا۔ آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کی گواہی دیتا رہا۔ پھر وہ اعلیٰ ترین ہستی جن کا شیوہ اپنے مخالفین کو، اپنے دشمنوں کو معاف کرنے کا تھا کعب کو معاف فرما دیتے ہیں، اس کے اسلام کو قبول فرماتے ہیں، یہی نہیں بلکہ اس کی قدر کرتے ہوئے اسے تحفہ میں ایک چادر بھی عطا فرماتے ہیں۔ سیرت نگاروں نے کعب کے کہے ہوئے اشعار بڑی تفصیل سے بیان کیے ہیں، ان میں سے ایک شعر میں وہ یہ بھی کہتا ہے: میں وہ شخص ہوں جسے امان دی گئی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے یہ سن کر فرمایا:

(مَأْمُونٌ وَاللّٰهِ!)

''ہاں ہاں! اللہ کی قسم! تجھے قتل سے امان دے دی گئی ہے۔''

قارئین کرام! یہ تھا ہمارے پیارے رسول ﷺ کا اخلاق کہ آپ اپنے دشمنوں پر قابو پانے کے باوجود ان کو معاف فرما دیتے تھے۔ کعب کا خون مباح تھا۔ مگر آپ ﷺ بدلہ لینے پر قدرت رکھنے کے باوجود نہ صرف اس کا اسلام قبول کرتے ہیں بلکہ اسے ایک عمدہ چادر بھی عنایت فرما رہے ہیں۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ اس دور میں کسی بھی شخص کو تحفے میں چادر کا ملنا بہت بڑی عزت اور شرف کی بات تھی، اللہ کے رسول ﷺ کی ایسی ہی اعلیٰ صفات تھیں جن کی بدولت وہ پوری کائنات پر چھا گئے ﷺ۔



میں ان دونوں کی دیت ضرور ادا کروں گا

عہد نبوی میں مدینہ منورہ کی حکومت کو کمزور کرنے کی متعدد کوششیں کی گئیں۔ ان میں بئر معونہ کا دردناک واقعہ بھی شامل ہے۔ یہ واقعہ 4 ہجری میں غزوۂ احد کے بعد پیش آیا۔ بنو عامر بنو غطفان کی ایک شاخ ہے۔ یہ لوگ مدینہ کے شمال میں بستے تھے۔ ان کا ایک سردار عامر بن طفیل نہایت متکبر اور خود پسند سردار تھا۔ یہ پورے خطہ عرب کا بادشاہ بننے کا خواہش مند تھا۔ لیکن اب اس نے محسوس کر لیا تھا کہ وہ وقت بہت جلد آنے والا ہے جب محمد کو پورے عرب پر غلبہ اور اقتدار حاصل ہو جائے گا۔ اسی لیے وہ ایک منصوبے کے تحت مدینہ منورہ آیا۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری دی اور کہنے لگا کہ میں آپ کو تین امور کا اختیار دیتا ہوں۔

1- دیہاتی علاقوں پر آپ کی اور شہری علاقوں پر میری حکومت ہوگی۔

2- آپ کے بعد میں آپ کا خلیفہ اور جانشین بنوں گا۔

پھر اس نے دھمکی دیتے ہوئے کہا:

3- اگر آپ نے میری بات نہ مانی تو بنو غطفان کے ایک ہزار سرخ و زرد گھوڑوں اور ایک ہزار اونٹنیوں کے ساتھ آپ سے لڑوں گا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے اس کے تمام مطالبات مسترد کر دیے۔

کچھ دن گزرے اسی عامر بن طفیل کا چچا ابو براء عامر بن مالک مدینہ طیبہ آتا ہے۔ یہ شخص بڑا بہادر اور شجاع تھا۔اس کا لقب برچھیوں سے کھیلنے والا تھا۔اس نے آپ ﷺ کی خدمت میں ایک تحفہ بھی پیش کیا اور عقیدت کا اظہار بھی کیا۔قارئین پر یہ بات مخفی نہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ پوری انسانیت کے خیر خواہ اور ہمدرد تھے انھوں نے عامر کو اسلام کی دعوت دی، جو اس نے قبول تو نہ کی مگر اس سے نفرت کا اظہار بھی نہ کیا۔

دوران گفتگو اس نے اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: اگر آپ اپنے کچھ ساتھیوں کو اہل نجد کی طرف بھجوا دیں جو لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں تو مجھے امید ہے کہ کہ وہ اسلام قبول کر لیں گے۔اللہ کے رسول ﷺ نے جواب دیا: مجھے اپنے آدمیوں کے متعلق اہل نجد سے خدشہ ہے۔ابو براء کہنے لگا: آپ اس کی فکر نہ کریں میں ان کا حمایتی ہوں۔آپ جسے چاہیں اہل نجد کی طرف بھیج دیں۔

قارئین کرام! بئر معونہ کا واقعہ اسلامی تاریخ کا نہایت اندوہ ناک واقعہ ہے اللہ کے رسول ﷺ پوری انسانیت کی رشد و ہدایت کے لیے نہایت حریص تھے۔آپ کی سب سے بڑی خواہش یہی تھی کہ تمام لوگ جہنم میں جانے سے بچ جائیں اور راہ راست پر آ جائیں۔ چنانچہ آپ ﷺ اس کے ساتھ ستر صحابہ کو روانہ فرماتے ہیں یہ لوگ قرآن کریم پڑھنے پڑھانے والے اور قاری قرآن تھے۔ یہ قراء نجد کی طرف روانہ ہوئے تو ان کو بڑی گرم جوشی کے ساتھ الوداع کیا گیا۔ یہ حضرات ابھی راستہ میں ہی تھے کہ عامر بن طفیل کو ان کی آمد کا پتا چل گیا۔ اس نے بنو عامر کو آواز دی کہ ان پر حملہ کر دو۔ وہ کہنے لگے: چونکہ تمھارے چچا

ابو براء نے ان کو پناہ دی ہے اس لیے ہم ان پر حملہ نہیں کریں گے۔

اب اس بد بخت نے بنو سلیم کو حملہ کے لیے پکارنا شروع کر دیا۔ اس قبیلہ کے ایک سو تیر انداز ان صحابہ کرام کے پیچھے لگ جاتے ہیں اور بئر معونہ پر ان کو جا لیتے ہیں۔ صحابہ کرام نہتے تھے، یہ جنگ کرنے کے لیے تو گھر سے نہیں نکلے تھے ان بد بختوں نے دھوکے سے ان بہترین اور اخیار صحابہ کرام کو شہید کر دیا ان میں سے صرف ایک صحابی عمرو بن امیہ ضمری زندہ بچنے میں کامیاب ہوئے۔

اللہ کے رسول ﷺ کو جب اس حادثہ کی اطلاع ملی تو آپ کو سخت صدمہ ہوا۔ اس صدمہ کی گہرائی کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ آپ ایک ماہ تک فجر کی نماز میں بنو سلیم پر قنوت نازلہ پڑھتے رہے۔ اور ان مجرموں کے لیے بد دعا فرماتے رہے۔

> اگر آپ نے میری بات نہ مانی تو بنو غطفان کے ایک ہزار سرخ و زرد گھوڑوں اور ایک ہزار اونٹنیوں کے ساتھ آپ سے لڑوں گا۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: آپ ﷺ ایک ماہ تک مسلسل ظہر، عصر مغرب عشاء اور فجر کی نمازوں میں قنوت نازلہ پڑھتے رہے۔ ہر نماز کی آخری رکعت میں جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو بنو سلیم کے قبائل رعل، ذکوان، وغیرہ کے خلاف بد دعا کرتے اور مقتدی اس پر آمین کہتے۔

قارئین کرام! اس دلخراش واقعہ کو پڑھنے کے بعد ہم ذرا آگے بڑھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اللہ کے رسول ان حالات میں بھی اخلاقی قدروں کو کس عمدگی سے پروان چڑھاتے اور انھیں فروغ دیتے ہیں۔ میں اوپر ذکر کر چکا ہوں کہ ان ستر صحابہ میں سے صرف سیدنا عمرو بن امیہ ضمری بچنے میں کامیاب ہوئے۔ جیسے ہی انھیں موقع ملا وہ مدینہ طیبہ واپس جانے کے لیے چل پڑے راستہ میں ایک درخت کے نیچے ستانے کے لیے بیٹھے تو وہاں بنو عامر کے دو آدمی آجاتے ہیں۔ ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کا دیا ہوا امان نامہ موجود تھا جس کا عمرو بن امیہ ضمری کو علم نہ تھا۔

عمرو ضمری ان سے پوچھتے ہیں: تم کون ہو اور تمھارا تعلق کس قبیلہ سے ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ہم بنو عامر سے ہیں۔ عمرو ضمری نے انھیں اس وقت تو کوئی جواب نہ دیا، مگر جب وہ سو گئے تو حملہ کر کے انہیں قتل کر دیا۔ ان کے اپنے خیال کے مطابق انھوں نے ان دونوں کو قتل کر کے بنو عامر سے صحابہ کرام کے قتل کا بدلہ لیا تھا۔

عمرو بن امیہ ضمری جب مدینہ طیبہ پہنچے تو اللہ کے رسول ﷺ کو اس سارے حادثے اور ان دو آدمیوں کے قتل کی تفصیل سے آگاہ کیا۔

جب آپ کو بتایا کہ میں بنو عامر کے دو آدمیوں کو بھی قتل کر آیا ہوں۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم نے ان دو آدمیوں کا ناجائز قتل کیا ہے، وہ ہماری امان میں تھے تمہیں ان کے قتل کا کوئی حق نہ تھا، لہٰذا میں ان کے ورثاء کو ان کی دیت ضرور ادا کروں گا۔

قارئین کرام! ذرا غور کیجیے ہمارے پیارے رسول ﷺ کا کردار و اخلاق کتنا بلند ہے کہ بنو عامر کے ان دونوں آدمیوں کی دیت ادا کر رہے ہیں۔ ان دونوں کو آپ ﷺ کی طرف سے امان مل چکی تھی مگر عمرو بن امیہ ضمری کو اس کا علم نہ تھا۔ اس لیے انھوں نے دونوں کو قتل کر دیا۔ یہ دونوں افراد بلاشبہ بنو عامر میں سے تھے اور اسی قوم نے ستر صحابہ کو شہید کیا تھا مگر چونکہ مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ بنو عامر کے دیگر لوگوں نے کیا تھا اس لیے آپ ﷺ نے ان دونوں کو مجرم نہیں ٹھہرایا۔ اور اس قوم کے دوسرے لوگوں سے بدلہ نہیں لیا۔ یہ ایفائے عہد کی بلند ترین مثال اور اعلیٰ اخلاق کا بہترین نمونہ ہے۔

یہ بھی ممکن تھا کہ اللہ کے رسول عمرو بن امیہ کے اس اقدام قتل کو شہداء کے انتقام کا ایک حصہ قرار دے دیتے، کیونکہ مجرموں اور ظلم وستم کرنے والوں سے ایسا سلوک روا رکھا جاتا ہے، مگر اللہ کے رسول ﷺ کا یہ عدل و انصاف تھا، یہ آپ کا اعلیٰ اخلاق تھا کہ آپ نے کسی قوم کے کچھ لوگوں کے ظلم وستم کو دیگر بے گناہ افراد کے کھاتے میں ڈال کر انھیں مجرم نہیں ٹھہرایا۔ اسلام کی روشن اور اعلیٰ تعلیمات ہی نے مسلمانوں کی اس قدر بلند اخلاق کی طرف رہنمائی کی ہے۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ اس نوعیت کے عفو و درگزر اور بدلہ نہ لینے کی مثالیں تاریخ میں خال خال ہی ملتی ہیں۔



مشکل ترین حالات میں امانتوں کی پاسداری

کسی بھی بڑی شخصیت کا اگر معاشرے میں مقام ومرتبہ معلوم کرنا ہو تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ لین دین کا کیسا ہے؟ کیا وہ امانت دار بھی ہے اللہ کے رسول ﷺ نے امانت داری کو فروغ دیا اپنی امت کو جو تعلیمات دیں ان میں امانت دار ہونا بنیادی شرط قرار دیا۔

قارئین کرام! ذرا غور کیجیے قریش مکہ اللہ کے رسول ﷺ کے سخت مخالف اور دشمن ہیں۔ وہ آپ ﷺ کے قتل کے درپے ہیں آپ کے گھر کے گھیراؤ کا منصوبہ بنا رہے ہیں مگر اس سب کچھ کے باوجود وہ اپنی امانتیں آپ ﷺ ہی کے پاس رکھتے تھے۔ یہ ان کی زندگی کا عجیب تضاد تھا جس شخصیت کی توہین کرنے کی کوشش کرتے تھے اسے یہ کہہ کر جھٹلاتے تھے کہ وہ جادوگر دیوانہ یا معاذ اللہ نبوت کے معاملے میں جھوٹا ہے اسی کے پاس اپنی امانتیں بھی رکھتے تھے۔ انھیں اپنے اردگرد نبی کریم ﷺ سے بڑھ کر کوئی دوسری ہستی امانت دار یا سچا دکھائی نہ دیتی تھی، جس کے پاس وہ اپنی امانتیں رکھیں جہاں ان کے اموال

محفوظ رہ سکیں۔

یاد رکھیے! مکہ کے کفار کو آپ ﷺ کی امانت، دیانت، صداقت میں قطعاً شک نہ تھا۔ ان کے کفر کا سبب خدانخواستہ یہ نہ تھا کہ وہ آپ کے اخلاق پر اعتراض کرتے تھے، دراصل وہ حق کے خلاف غرور وتکبر میں مبتلا تھے۔ انھیں یہ خطرہ تھا کہ اگر ہم نے اسلام قبول کرلیا تو ہماری سرداری ہمارے ہاتھوں سے جاسکتی ہے۔ اس بات کو اللہ تعالیٰ نے سورہ الانعام آیت نمبر 33 میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

﴿ قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُۥ لَيَحْزُنُكَ ٱلَّذِى يَقُولُونَ ﴾ ''یقیناً ہم خوب جانتے ہیں کہ بے شک آپ کو وہ بات غمگین کرتی ہے جو وہ کہتے ہیں'' ﴿ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ ﴾ ''بے شک وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے'' ﴿ وَلَٰكِنَّ ٱلظَّٰلِمِينَ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ يَجْحَدُونَ ﴾ بلکہ دراصل یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ مکہ کی فضا ہجرت سے پہلے قطعاً مسلمانوں کے حق میں نہ تھی۔ کفار مسلمانوں پر حد سے زیادہ ظلم کررہے تھے، مگر کیا ان حالات میں اخلاقی قدروں کو چھوڑ دیا گیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان حالات میں بھی اپنی امت کو امانتداری کا سبق دیا اپنے مخالفین کو بتایا کہ مسلمان کا اخلاق اور کردار کیسا ہونا چاہیے۔

ذرا غور کیجیے! قریش کے سرداران اور منتخب افراد نے اللہ کے رسول ﷺ کے رسول ﷺ کے گھر کا محاصرہ کیا ہوا ہے۔ آپ ﷺ کو جان کا بھی ڈر ہے ان حالات میں بھلا کوئی سوچتا ہے کہ لوگوں کی اس کے پاس امانتیں پڑی ہوئی ہیں اور یہ ان کے مالکوں کو واپس کرنی ہیں؟ امانتیں رکھنے والے ان کے قتل کے ارادے سے گھر کے دروازے پر جمع ہیں مگر اس امین کے اعلیٰ اخلاق کو ملاحظہ کیجیے کہ آپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرما رہے ہیں: علی! تم آج رات میرے بستر پر سو جاؤ اور اگلے چند روز میں اہل مکہ کی امانتیں واپس کرکے مدینہ آجانا! چنانچہ سیدنا علی بن ابی طالب اگلے چند دنوں میں جہاں ہجرت کی تیاری کرتے ہیں وہاں لوگوں کی امانتیں واپس کرکے مدینہ منورہ کا رخ کرتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ ابھی تک قباء میں ہی مقیم ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بخیریت آپ کے پاس پہنچ جاتے ہیں۔

قارئین کرام! اسے اخلاق کی بلندی کہتے ہیں کہ جن کٹھن حالات میں انسان کو اپنے آپ کا ہوش نہیں ہوتا ان حالات میں بھی اللہ کے رسول ﷺ کو لوگوں کی امانتیں واپس کرنے کی فکر دامن گیر تھی۔

الهجرة في القرآن الكريم، ص: 364، نقلا عن سيرة النبي ﷺ للدكتور علي محمد الصلابي.

عیسائی سفیر کے ساتھ حسن سلوک

رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے حوالے سے بے شمار واقعات ہیں جن سے آپ کے اخلاق عالیہ کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے معاشرے کے ہر طبقہ کے ساتھ کتنا عمدہ سلوک کیا۔ اس سے پہلے کہ میں آپ کو ایک رومی سفیر کے ساتھ ہونے والے حسن سلوک کے بارے میں بتاؤں، آپ کی توجہ اللہ کے رسول ﷺ کے سفیر سیدنا حارث بن عمیر ازدی کی طرف دلانا چاہوں گا جن کو غسانی گورنر و شُرحبیل بن عمرو نے باندھ کر شہید کر دیا تھا۔ جس کے نتیجہ میں غزوہ موتہ ہوا۔ اللہ کے رسول ﷺ تبوک میں تیس ہزار کے لشکر جرار کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔ آپ نے دحیہ کلبی کو بلوایا اور ان کے ہاتھ نامہ مبارک رومی بادشاہ ہرقل کے نام بھجوایا۔ دحیہ کلبی نہایت خوبصورت بلند قامت، اور نہایت بہادر آدمی تھے۔ وہ عرب کے مشہور قبیلے بنو کلب سے تعلق رکھتے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا یہ ایلچی جب فلسطین پہنچتا ہے تو ان دنوں ہرقل وہاں پر مقیم تھا۔ وہاں کیا ہوا اس کے بارے میں ہم معلومات ایک تنوخی سے لیتے ہیں۔ اور وہی ہمیں واقعہ سناتے ہیں۔

قارئین کرام! ایک بات ذہن میں رہے کہ کسی عرب کا رومی بادشاہ کو خط لکھنا ایک غیر معمولی واقعہ تھا۔ تنوخی اپنی عمر کے آخری حصہ میں شام کے شہر حمص میں مقیم تھے۔ یہ نہایت بوڑھے ہو چکے تھے ان کے پاس ان کے پڑوسی سعید بن ابی راشد جاتے ہیں اور کہتے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ نے جو خط ہرقل کو لکھا تھا اور اس کے جواب میں ہرقل نے جو خط اللہ کے رسول ﷺ کے نام لکھا تھا۔ کیا آپ ہمیں ان خطوط کی کہانی

سنانا پسند کریں گے۔

تنوخی کہنے لگے: ہاں ہاں کیوں نہیں۔

چنانچہ انہوں نے جو کہانی سنائی وہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

ہرقل کو جب اللہ کے رسول کا خط ملا تو اس نے پادریوں اور دیگر ذمہ داران حکومت کو بلوایا۔محل کے دروازوں کو بند کرلیا اور درباریوں اور پادریوں سے کہنے لگا: ہمیں اس نبی کی طرف سے ایک خط ملا ہے۔ جس میں انہوں نے تین چیزوں کی دعوت دی ہے۔

(1) تم سب لوگ اسلام قبول کر کے اللہ کے دین میں داخل ہو جاؤ۔

(2) یا پھر ہمیں اپنی زمین سے خراج یعنی جزیہ ادا کرو۔

(3) اگر تمہیں دونوں شرائط منظور نہیں تو پھر لڑائی کے لیے تیار ہو جاؤ۔

دربار کے لوگوں نے قیصر روم کی گفتگو سنی تو غصے سے پھنکارنے لگے، کہنے لگے: یہ ہمیں کہتے ہیں کہ ہم عیسائیت کو چھوڑ دیں اور حجاز سے آئے ہوئے اس اعرابی کے غلام بن جائیں۔

ان لوگوں کا ردعمل بڑا شدید تھا وہ اس خط سے سخت ناراض ہوئے۔ادھر ہرقل نے محسوس کیا کہ اگر اس نے ان لوگوں کو کمزوری دکھائی تو یہ لوگ محل سے نکل کر اس کے خلاف ہنگامہ برپا کر دیں گے۔ یہ رومی رعیت کو میرے خلاف بھی کر سکتے ہیں۔ ہرقل نے حکمت سے کام لیا۔ اور ان سے کہنے لگا: میں نے تو تمہیں آزمانے کے لیے ایسی باتیں کہی تھیں کہ تمہیں عیسائیت اور اپنے وطن سے کتنی محبت ہے؟ مجھے خوشی ہوئی کہ تم لوگ امتحان میں کامیاب نکلے ہو۔

ہرقل نے ایک عرب عیسائی کو بلایا اور اسے کہا: میرے پاس کسی ایسے شخص کو تلاش کر کے لاؤ جسے عربی زبان پر عبور ہو اور اس کا حافظہ بڑا قوی ہو۔ میں اس کے ہاتھ اس خط کا جواب بھجوانا چاہتا ہوں۔ یہ عرب عیسائی تلاش کرتے کرتے مجھ تک پہنچ گیا اور مجھے ہرقل کے سامنے پیش کر دیا۔ ہرقل نے مجھے ایک خط دیا اور کہا کہ اس خط کو اس شخص یعنی محمد ﷺ تک پہنچا دو۔

ہرقل نے مجھے ہدایات دیتے ہوئے کہا: تم پوری توجہ سے ان کی ہر بات کو سنو اور دیکھو گے۔ تم

سے ان کی کوئی بات چھپنے نہ پائے۔ان کی ہر بات یاد کر لینا پھر جو تم نے سنا اور دیکھا ہو گا مجھے بتانا۔

ہرقل نے مجھ سے کہا: ہاں سنو! تم تین چیزوں کو بطور خاص نوٹ کرو گے ۔

(1) تم دیکھتے رہنا کہ جب میرا یہ خط ان کو ملتا ہے تو انہیں میرے نام لکھے ہوئے خط میں سے کوئی چیز یاد بھی ہے۔

(2) اس بات کا خیال رکھنا، کیا میرا خط پڑھتے وقت وہ رات کا ذکر کرتے ہیں۔

(3) ان کی پشت مبارک پر دیکھنا کہ تمہیں ان کی کوئی چیز متعجب کرتی ہے۔

تنوخی کہتے ہیں کہ میں ہرقل کا خط لے کر چل پڑا۔آپ ﷺ ابھی تک تبوک ہی میں قیام پذیر تھے۔ جب میں تبوک میں آپ کے خیمے تک پہنچا تو میں نے دیکھا آپ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ پانی کے ایک کنویں پر اپنا کندھا ننگا کر کے تشریف فرما ہیں۔

میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے سامنے بیٹھ گیا پھر میں نے خط نکال کر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔آپ ﷺ نے خط کو اپنی گود میں رکھ لیا اور ارشاد فرمایا: تم کون ہو؟

میں نے عرض کیا: میں تنوخ قبیلہ کا ایک فرد ہوں ۔آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تمہیں اپنے باپ دادا سیدنا ابراہیم کے دین حنیف ''اسلام'' کے ساتھ کوئی دلچسپی ہے؟

میں نے جواب دیا: میں اپنی قوم کا سفیر ہوں اور اپنی قوم کے دین و مذہب پر ہی ہوں۔ میں انہی کے مذہب پر رہوں گا۔

اللہ کے رسول ﷺ یہ سن کر مسکرا دیے۔اور ارشاد فرمایا:

﴿ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَآءُ ﴾

''بے شک آپ جس کو پسند کریں اسے ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ تعالی جسے چاہتا ہے ہدایت عطا فرماتا ہے''۔

پھر آپ ﷺ میری طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا: تنوخی بھائی! میں نے کسری' نجاشی اور ہرقل تمام



کو خطوط لکھے......

میں نے کہا: یہ ان تین باتوں میں سے ایک ہے جس پر توجہ دینے کا میرے آقا نے مجھے حکم دیا تھا۔ میں نے آپ کے اس فرمان کو چمڑے کے ٹکڑے پر لکھ لیا۔ آپ ﷺ نے ہرقل کے خط کو بائیں طرف بیٹھے ہوئے شخص کو پکڑا دیا۔

میں نے پوچھا: تم میں سے کون اس طرح کے خطوط پڑھتا ہے۔ جواب ملا:

معاویہ بن ابوسفیان۔

ہرقل کے خط میں لکھا ہوا تھا کہ آپ مجھے اس جنت کی طرف دعوت دے رہے ہیں جس کی چوڑائی آسمان وزمین کے برابر ہے جو متقین کے لیے تیار کی گئی ہے۔ اگر جنت زمین وآسمان کے برابر چوڑی ہے تو پھر جہنم کہاں ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے جواباً فرمایا: ''سبحان اللہ! جب دن روشن ہو جاتا ہے تو پھر رات کہاں چلی جاتی ہے''۔ میں نے آپ کی اس بات کو بھی چمڑے کے ٹکڑے پر لکھ لیا۔

جب آپ ﷺ ہرقل کا خط سننے سے فارغ ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا:

''تم سفیر ہو اور تمہارا یہ حق ہے کہ تمہاری خاطر تواضع کی جائے۔ تمہیں انعام ملنا چاہیے اگر ہم نے تمہارے لیے انعام کی کوئی چیز دیکھی تو تمہیں پیش کی جائے گی۔ ہم اس وقت گھر سے باہر ہیں۔

قارئین کرام! ذرا غور کیجیے کہ اللہ کے رسول ﷺ اس تنوخی کو اسلام لانے کی دعوت دیتے ہیں اور وہ انکار کرتا ہے۔ مگر یہ آپ ﷺ کا اخلاق تھا کہ آپ اس سے ناراض ہونے کی بجائے اس کی تالیف قلبی فرما رہے ہیں اور اسے انعام دینے کی بات کر رہے ہیں۔

اسی دوران حاضرین مجلس میں سے ایک صاحب کہنے لگے: میں اسے انعام دیتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنا سامان کھولا اس میں سے زرد رنگ کا ایک خوبصوت حُلہ یعنی قیمتی کپڑوں کا جوڑا میری گود میں رکھ دیا۔

میں نے پوچھا: یہ انعام دینے والا کون ہے؟ مجھے بتایا گیا کہ ان کا نام عثمان بن عفان ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ فرما رہے ہیں: ''ساتھیو! تم میں سے کون اس مہمان کی میز بانی کرے گا''۔ ایک انصاری صحابی نے کہا: یا رسول اللہ! اس کی میز بانی میں کروں گا۔ میں اس انصاری کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور مجلس سے نکل کر جب باہر جانے لگا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا اور فرمایا:

(تَعَالَ يَا أَخَا تَنُوخ)

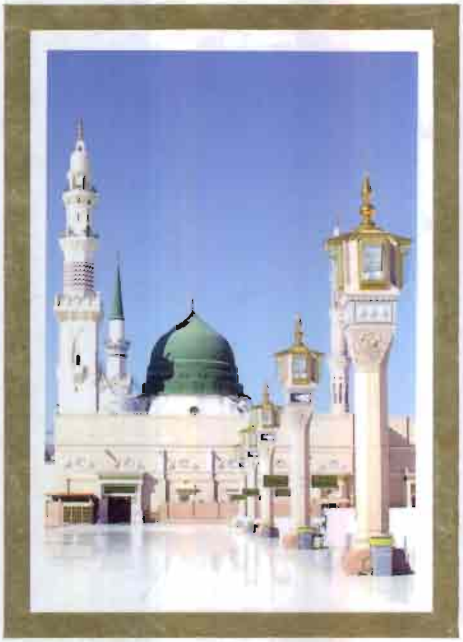
''تنوخ قبیلہ کے بھائی! ذرا میرے پاس تو آؤ'' میں آپ کے قریب ہو کر کھڑا ہو گیا۔

اللہ کے رسول ﷺ کی تواضع اور اخلاق دیکھیے کہ آپ ﷺ نے اپنی پشت مبارک میرے سامنے کر دی اور ارشاد فرمایا: (هَا هُنَا امْضِ لِمَا أُمِرْتَ بِهِ) ''اسے بھی دیکھ لو اسی کے بارے میں تمہیں (ہرقل کی جانب سے) ہدایات دی گئی تھیں'' میں نے آپ کی پشت مبارک کو دیکھا تو آپ کی پشت پر ختم نبوت موجود تھی۔

البداية والنهاية للعلامة ابن كثير :177/7 -

اخلاقِ نبوی ﷺ

کے سنہرے واقعات



دارُالسّلام
کتاب و سنّت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
DARUSSALAM
9 786035 002592